وہابیت اور اسلام

بابا ذہین شاہ تاجی

تصنیف :- بابا ذہین شاہ تاجی

بارِ اوّل :- ایک ہزار

اشاعت :- دسمبر ۱۹۶۷ء

مطبوعہ :- ضیاء برقی پریس کراچی

قیمت فی جلد
چھ ۶ روپے

ملنے کا پتہ

دفتر ماہنامہ تاج۔ تاج منزل۔ بہار کالونی۔ کراچی

فہرست

یک من و بر سر قتل اندیری زادے چند
وائے بر صید کہ یک باشد و صیادے چند

جابجا الحدود شرفرقوں نے سوادِ اعظم سے کٹ کر ملّتِ اسلامیہ کی روحِ اجتماعی کو کس بری طرح سے مجروح کیا ہے، کون نہیں جانتا۔ خارجیت، نجدیت، پرویزیت، وہابیت، قادیانیت کی ترکشوں سے نکلے ہوئے تیر، وہ تیر جو کسی دشمنِ اسلام کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے ہمیشہ ملّتِ اسلام کے سینے کو چھلنی کرتے رہتے ہیں، یہ اُن کی صدائے بازگشت ہے جو تاج کے صفحات میں وقتاً فوقتاً بلند ہوتی رہی ہے۔

اعتراض ہمارا مسلک نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے وہ رفعِ اعتراض کی غرض سے بطورِ "منع" کہا گیا ہے۔ اہلِ سنت والجماعت کے عقائدِ حقہ کا اس سے اظہار مقصود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُحِبُّ الصالحین ولستُ منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً
(امام شافعی)

میں صالحین سے محبت رکھتا ہوں، حالانکہ خود ان میں سے نہیں ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی صالح بنا دے۔ علم و ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکابر علمائے حق کی روش بارگاہِ نبوت و رسالت میں کس قدر مؤدبانہ ہے۔ سلفِ

صالحین سے آپ کو کتنی بے پناہ عقیدت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ باوجود ہزار علم و فضل صالحین کی جناب میں نذرِ عقیدت کس انداز میں پیش کرتے ہیں۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس علم و فضل کے باوجود دو سال کامل امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گذارے، اکتسابِ فیض کیا، امام کی صحبت بابرکت میں ان کو کیا حاصل ہوا۔ اس کے تأثرات انہی کے الفاظ میں لولا سنتان لہلک النعمان اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو گیا تھا۔ ایک دو نہیں لاتعداد واقعات اس قسم کے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے حق ہمیشہ سلفِ صالحین کی محبت میں سرشار رہے۔ ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے فکر و عمل کے ہر نقطہ پر ان کی قیادت کو ہدایت سمجھتے تھے۔

وہ اپنے علم پر مغرور نہیں ہوئے ان کے نفس میں زیادتیٔ علم نے عجب و نخوت پیدا نہیں کی، ان کا دامن وہ عجب و پندار کے غبار سے پاک رہا۔ علوئے نفس، کبرِ نفس، اور فریبِ نفس سے وہ محفوظ رہے۔ کیونکہ اس لئے کہ انھوں نے سلفِ صالحین کو محبت اور ادب کی نظر سے دیکھا، ان کے راستہ پر چلنے کی اللہ سے توفیق طلب کرتے رہے۔ پنجگانہ نمازوں میں ہم جس صراطِ مستقیم کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، جو مسلمان جس صراطِ مستقیم کی طرف اللہ سے رہنمائی طلب کرتا ہے وہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صراط الذین انعمت علیھم ان لوگوں کا راستہ جو اللہ کی طرف سے صاحبِ نعمت ہیں۔ انعام یافتہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے انعام دیا ہے نعمتیں عطا فرمائی ہیں اپنی مہربانیوں سے نوازا ہے۔ ان کے ناموں کی فہرست قرآن میں شائع کر دی گئی ہے۔

بارگاہِ خداوندی کا اعلان

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم

من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین ۔

دربارِ الٰہی کے انعام یافتہ نفوسِ قدسیہ کے خطابات عالیہ

(۱) انبیاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۲) صدیقین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۳) شہداء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۴) صالحین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انعام یافتہ جماعت کے یہ چار طبقات وہ ہیں جن کے راستہ کو صراط المستقیم کہا گیا ہے۔ وہی راہِ راست، وہی سیدھا راستہ جس کی آپ آرزو رکھتے ہیں۔ اور نمازوں میں خدا سے دعائیں مانگتے ہیں۔ کون نہیں جانتا راستہ پر چلنے کے لئے راستے کے نشیب و فراز سے مطلع ہونے کے لئے پُرخطر گھاٹیوں اور دشوار گذار وادیوں سے گذرنے کے لئے رہنما کی ضرورت ہے۔ رفیقِ راہ کی ضرورت ہے۔؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے۔ الرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْق ۔ پہلے رفیقِ راہ کو اختیار کرو پھر راستہ پر چلو؟ یہاں سوال پیدا ہوتا تھا کہ رفیق کس کو بنایا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے ان طبقات کو گن گن کر اعلان کر دیا جن پر اس کی خوشنودی کی ہوائیں چلیں اور جن پر اس کی نعمتوں کی بارش ہوئی۔ اور انہی کو ہمارے لئے بہترین رفیق فرمایا۔ وحسن اولٰئک رفیقا ۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس شہر میں جہاں سڑکوں پہ نام لکھے ہوئے ہیں۔ مکانوں پر نمبر پڑے ہوتے ہیں کسی خاص مکان پر پہنچنے میں۔ قدم قدم پر ہم کو راستہ بتلانے والے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جب اس مادّی دنیا میں ہمارے علم و عقل اور حواس کا یہ حال ہے تو یہ کتنی بڑی خود فریبی ہوگی کہ ہم سلوک الی اللہ کی منازل میں اپنے علم و عقل و حواس کو اپنا رہنما بنائیں۔ یقیناً یہ حرکت بے جا ہوگی۔ کیونکہ ناقص کا علم بھی ناقص ہوتا ہے۔ ناقص کی عقل بھی ناقص ہوتی ہے اور ناقص کے حواس بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی معقولات معلومات اور محسوسات کے دائرے میں رہ کر کبھی اس منزل پر نہیں پہنچ سکتا جو

علم وعقل سے ماوراء اور حواس کی دسترس سے بالاتر ہے۔ کتاب وسنت کی رہنمائی سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کا دعویٰ کرنے والے بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان سے پہلے حضور کے نقشِ قدم پر چلنے والے صدیقین، شہیدین، صالحین فوج در فوج اس راہ سے نہیں گذرے ہیں، یقیناً ہم اس حقیقت کے اعتراف پہ مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک نقشِ قدم پر سلفِ صالحین کی پیشانیوں کے اتنے نشان ہیں کہ آپ کا ہر نقشِ قدم آج سلفِ صالحین کے نشانِ جبیں سے ہی جانا پہچانا جا سکتا ہے۔

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہمارا براہِ راست کتاب وسنت سے تعلق ہے یہ رہنمائی کو کافی ہے! اوّل تو کلمۂ تکبر ہے جو کبرِ نفس سے ناشی ہے۔ اس معنی میں کہ ہم اپنے علم وعقل کی صحت پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ وہ علمِ الٰہی اور عقلِ نبوی پر محیط ہے اور یہ کہ ہم کتاب وسنت کا وہی مطلب سمجھ لیتے ہیں جو اللہ اور رسول کی مراد ہے اور یہ صریح جہل وپندار ہے ــــ دوسری مذموم جہت اس دعوے کی یہ ہے کہ "اس طرح ہم "حفظِ مراتب" اور آداب کی حدود سے تجاوز کر کے محض اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں کہ ہم کسی اور کے نقشِ قدم پر نہیں چل رہے ہیں کسی اور کے پیرو نہیں ہیں۔ حالانکہ قرآن کو سمجھنے میں مفسرین سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور احادیث پر عمل کرنے میں راویوں کے ثقاہت ہونے کا سہارا ڈھونڈتے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ احادیث جو ہم تک پہنچی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ ہم تک پہنچی ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یقیناً راویوں کے واسطہ ہی سے پہنچی ہیں۔ پھر قطع نظر اس سے کہ واسطہ ہمیشہ ذی واسطہ کا حجاب ہوتا ہے۔ یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں کسی اور کے پیرو نہیں ہیں صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہم کسی نہ کسی مفسرِ قرآن اور کسی نہ کسی محدث یا راوی کا حدیث کے پیرو ہیں، خواہ تمام امور میں یا بعض امور میں کسی ایک

کے اور بعض امور میں کسی دوسرے کے جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں، ہماری نظر میں سب سے زیادہ وہ اہل تقلید ہیں۔ رسولؐ کے نام پر آں کو ضعیف سے ضعیف روایت بھی ہاتھ آجائے تو وہ راوی حدیث ضعیف کے سایہ میں چلنا زیادہ پسند کرتے ہیں، پر رندہ قیاس اور قوی دلائل کی روشنی میں گامزن ہونا پسند نہیں کرتے۔" یہ تقلید اور پیروی نہیں تو کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کس کی پیروی؟

تیسری جہت مذموم "خودرائی" اور "خودسری" یہ فکر اور رائے کی مطلق العنانی کیا ہے؟ صراط الذین انعمت علیہم کی تعلیم سے کھلی بغاوت ہے۔ عارف شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

فکرِ خود و رائے خود در مشربِ رندی نیست
کفر است در این مذہب خودبینی و خودرائی

اس لئے ہر مسلمان مومن باللہ کے لئے فلاح و صلاح اس میں ہے کہ وہ اپنے نفس کی اطاعت سے نکل کر اس راستہ پر آجائے جس کو صراطِ مستقیم کہا گیا ہے اور وہ صراطِ مستقیم ہے، صدیقین کی راہ ہے۔ شہداء اور صالحین کا طرق ہے۔"

یہاں اللہ کا انعام ہے خوشنودی ہے رضا ہے۔ امید ہے مایوسی نہیں، ہدایت ہے ضلالت نہیں، خوشنودی ہے غضب نہیں، بشارت اور خوشخبری ہے خوف و حزن نہیں ہے۔

خودستائی ایک ابلیسی فریب جس میں کچھ لوگ مبتلا ہیں وہ یہ ہے جس کا اعلان یہ لوگ بار بار کرتے رہتے ہیں، ہم مسلمان صالح اور سب مسلمان بے دین "خدا گواہ ہے کہ ہم جو کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس میں نہ تو کوئی انتقامی جذبہ ہے اور نہ اپنے علوئے نفس کے ہم طالب ہیں، نہ کسی پر ہمارا کوئی اعتراض محض اس نیت سے ہے کہ وہ ہم پر معترض ہوئے ہیں۔ ہمارا مقصود بھی،

اس گرد و غبار کو دین کی قبا سے جھاڑنا ہے جو عقائدِ صحیحہ کو چھپائے ہوئے ہیں۔ دین کے اصلی خط و خال کو ڈھکے ہوئے ہیں۔ اس غبار آلود قبائے دین کو چونکہ فی الحال مدیر فاران مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

یہی دین ہے یہی صالحیت کا چولا ہے جو مودودی صاحب کے جسم پر بالکل فٹ آتا ہے یا فی اللہ نذیر سلا۔ اس کے علاوہ تمام علماء صوفیاء اور محدثین لباسِ دین کر عاری ہیں۔ نہ ان کے پاس لباسِ دین ہے نہ جامۂ صالحیت۔ یا پھر اگر کہیں ہے بھی تو اس لباسِ دین پر عجمی رنگ ہے، ہندی کشیدہ کاری ہے۔ یا مسیحیت کے نقش و نگار ہیں، یہودیت کی قطع و برید ہے۔ مجوسیت کی خیاطی ہے۔ فلسفہ کے تار و پود سے اس کا تانا بانا ہے، اسلام سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مدیر فاران کا زعم ہے کہ اسلام سیدھا سادا مذہب ہے اس کا اصلی رنگ وہی ہے جو "مودودیت" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتنا بڑا فریب اور مقدس فریب ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کرنا چاہتے ہیں کتنی سادگی سے کتنی بڑی بات کہی گئی۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ "اسلام سیدھا سادہ مذہب ہے" کے معنی کے دھنوں پر ذرا غور کیجئے اور ان کی ہلاکت آفرینیوں کا تصور کیجئے۔ ان الفاظ کے سننے والے کا ذہن کیا ان امور کی طرف منتقل نہیں ہوتا؟

دینِ اسلام کی سادگی

(۱) ہر عامی سے عامی جاہل سے جاہل ہر کچھو خیرا جس چیز کو دینِ اسلام سمجھ بیٹھا ہے وہ دینِ اسلام ہے۔

(۲) اگر کوئی عالمِ دین اس کو دین کی صحیح تعلیم سے مطلع کرنا چاہے تو وہ یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اسلام سیدھا سادہ دین ہے۔ تمہاری عالمانہ موشگافیوں کو میں نہیں مانتا۔

(۴) فوقَ کُلِّ ذی علمٍ علیم کا انکار، اللہ کے اسم رفیع الدرجات کا انکار، فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی خلاف ورزی، انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء سے بغاوت اور ھل یستوی الذین یعلمون کے دو ٹوک خدائی فیصلہ سے روگردانی اور حفظِ مراتب کی تردید کی کا مصداق کیوں بنا! ان یتفقھوا فی الدین خدا کا حکم نہیں ہے۔ من یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا قرآن کا اعلان نہیں ہے۔ دین میں سمجھ عطا کرنے کی دعا رسول اللہؐ نے حضرت عباس کو نہیں دی۔ کیا یہ دعا نہیں فرمائی تھی کہ اللہ اس کو دین میں سمجھ عطا فرما، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے اس کے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جبرئیل علیہ السلام نے دحیہ کلبی کی صورت میں "اسلام" ایمان اور احسان کے مراتب بالتفصیل تعلیماً و تعلماً ہم تک نہیں پہنچائے؟

پھر یہ ایک لکڑی سے سب کو کس طرح ہانکا جا رہا ہے؟ ایمان اور انصاف سے کتاب و سنت کا مطالعہ کیجئے۔ مودودیت کی عینک اتار کر دیکھئے فرقِ مراتب اظہر من الشمس ہے۔ رسول اللہ کی صفات میں یعلمھم الکتاب پر وقف لازم نہیں والحکمۃ پر وقوف لازم ہے۔ اس پر بھی ایمان لائیے۔ قرآن کے ایک جملے اور ایک آیت کا منکر بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ پورے قرآن کا منکر، یہ جرأتِ مجرمانہ! دین کے ساتھ لعب دل کی موت، اور بصیرت و روحانیت کا فقدان ایک لمحہ کے لئے بھی "دینِ اسلام" ان افکار باطلہ عقائد فاسدہ اوہام ناقصہ وساوس شیطانیہ کا متحمل ہو سکتا ہے؟

صحابۂ کبار (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی روش دین کے معاملہ میں کیا تھی؟ جاننے والے جانتے ہیں ان سے زیادہ دین کو سمجھنے کا حق کس کو پہنچتا ہے؟ بتاؤ؟ ان کی پوری زندگی

میں سے کوئی ایک مثال بتائیے جہاں انھوں نے دین کو سیدھا سادا سمجھکر اس کا استخفاف کیا ہو، یا اس کی اہمیت و عظمت کے درجات عالیہ سے اس کا تنزل کیا ہو؟ ان کی فہم صحیح اور فراستِ مومنہ پر کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ مگر ثابت ہے کہ بارگاہِ نبوت میں انھوں نے کبھی اپنا علم پیش نہیں کیا۔ وہ ترقی پذیر ذوقِ علمی کے دلدادہ تھے۔ ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ کو طلب کرتے تھے۔ علم کو علیم ہی سے مستند فرماتے تھے۔ ہر مسئلہ میں عرض کرتے اللّٰہ و رسولہ اعلم اللہ اور اس کے رسول آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہی آیت مبارکہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سامنے رکھئے اور احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ سورہ بقرہ جہاں عام تھی وہاں خاص خاص مستعد طالب علموں کو دو سال کا مل سورۂ بقرہ کی حکمتوں کی تعلیم فرمائے جانے کا اختصاص بھی تھا یہ فرق مراتب نہ ہو تو واللّٰہ یختص برحمتہٖ من یشاء کے پھر کیا معنی ہوتے۔

جب آیت مبارکہ والذین لم یلبسوا ایمانھم بظلم نازل ہوئی تو احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ معلوم کیجئے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے علم کا کیا حال تھا؟ پھر دیکھئے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے لقمان علیہ السلام کے قول (یا بنیّ لا تشرک باللّٰہ ان الشرک لظلم عظیم) اس آیت کی تفسیر فرما کر لفظ "ظلم" کے معنی سمجھائے جو اللہ و رسول کی مراد تھی۔ (البخاری)

پھر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جن کا علم مشتبہ اور تقویٰ غیر یقینی ہے، خود معترف ہیں بقول "مدیر فاران" ہم

ہم نہیں کہتے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حق ہے۔ (فاران)

فراستِ مومنہ اور علم صحیح سے محروم علوم باطنی سے محجوب مشکوٰۃ نبوت سے انکی نسبت منقطع اور علوم ظاہری سے ان کا ربط مجہول ہے۔ وہ احیاءِ دین کے علمبردار اور تجدید اسلام کے اجارہ دار بنتے ہیں۔ یہ کید نفس نہیں تو کیا ہے؟ ضلالِ مبین نہیں تو

کیا ہے۔! اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (القرآن) وہ وہم وگمان کا اتباع کرتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلام کو دینِ فطرت کہا گیا ہے، مگر ہم نہیں مانتے کہ دینِ فطرت کا مطلب یہ ہے جو اس کو سیدھا سادا اپنا کر اپنی "معشوق طبع" کی زلفِ گرہ گیر کے پیچ وخم کا اسیر سمجھتے ہیں۔ یہ خود پرست لوگ اپنی طبیعت کو فطرت سمجھے ہوئے ہیں۔ اپنی افتادِ طبع کو فطرت کہتے ہیں۔ اپنے مزاج اور مذاق پر فطرت کا حکم لگانے والے ہیں۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ دینِ فطرت کی غلط تعبیر کا نتیجہ "نیچری فرقہ" کی صورت میں مسلمانوں کے سامنے ہے۔؟

ہمارے نزدیک دینِ فطرت کی یہ تعبیر ہے کہ

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔ فطرتِ انسان فطرتِ الٰہیہ پر واقع ہوئی ہے۔ عرش سے فرش پر فیضان ہوا ہے۔ بلندی نے پستی کو نوازا ہے، عروج نے نزول کو سرفراز فرمایا ہے۔ مولا نے بندوں کو اپنا خلیفہ اور نائندہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ باقی نے فانی کو اپنے اسماء وصفات کا امین بنایا ہے۔ حیاتؔ۔ علمؔ۔ قدرتؔ۔ ارادہؔ سمعؔ بصرؔ کلامؔ۔ صفاتِ الٰہیہ میں یہی صفاتِ الٰہیہ نیابتہً خلافتہً امانتہً ہم کو عطا فرمائے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں (حالانکہ اللہ کی صفت ہے "حیات" اور اسکا نام حیّ ہے) ہم کہتے ہیں کہ ہم عالم ہیں یا ہمیں علم ہے حالانکہ علم صفتِ حق ہے اور علیم اللہ ہی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں صاحب قادر الکلام شاعر ہیں حالانکہ قدرت اور کلام دونوں صفاتِ حق ہیں اور وہی سمیع وبصیر ہے۔؟

ان صفاتِ الٰہیہ کو اپنی طرف منسوب کرتے وقت ہمارا کیا خیال ہے۔؟ یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمہ طور پر ہم میں سے کچھ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ صفات ہماری اپنی صفات ہیں۔ ہماری ذات کے ساتھ یہ صفات مستقل طور پر قائم ہیں۔ ایسے لوگ فطرت کی شاہراہ سے بھٹک سے گئے۔ اپنی طبیعت کے تنو مراہیں اوندھے منہ گر گئے۔

ان کی فطرت مسخ ہو گئی۔ یہ ممسوخ الفطرت ہیں۔ اصلاحِ شرع میں ان کو مشرک کہا جاتا ہے اور ان کی خود پرستی، خود بینی، خودی و خود ستائی کو شرک فی الصفات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کا وجود ان کی زندگی پوری کی پوری شرک ہیں۔ جبکہ وہ خود کو "خدا" اعتقاد کرتے ہیں اسی پر ان کی تمام صفات کو قیاس کیجئے۔

اس کے برعکس وہ صحیح الفطرت جو ان تمام صفاتِ الٰہیہ کو اپنے حق میں عطائے الٰہی یقین کرتے ہیں۔ خانہ زاد نہیں سمجھتے، اماناتِ الٰہیہ اعتقاد کرتے ہیں۔ وہ ان تؤدوا الامانت الی اھلھا (القرآن) وہ صحیح الفطرت انسان اللہ کے اس غیر مبہم اور واضح حکم کی ظاہری و باطنی تعمیل میں معروف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ تمام صفات جو مخلوق میں پائی جاتی ہیں وہ اللہ کی امانتِ مقدسہ ہیں اور امانت جس کی ہو وہی اس کا اہل و مستحق ہے کہ اس کو ادا کی جائے یہ خیانت ہو گی کہ جو صفات خدا نے تم کو عطا کی ہیں ان پر تم اپنی ملکیت ثابت کرو، مالک ہونے کا دعویٰ کرو۔ کمالِ دیانت اور امانت یہ ہے کہ یہ کہو جو خدا نے اپنے رسول کی زبان سے کہا ہے۔

قل لا املک لنفسی نفعا و ضرا الا ما شاء اللہ یعنی اے محمدؐ آپ کہدیجئے کہ میں اپنے نفس کیطرف اپنی ملکیت کی اضافت نہیں کرتا۔ نہ از روئے نفع نہ از روئے ضرر یہ تمام امور مشیت الٰہی کی طرف مضاف ہیں مطلب یہ ہوا املک لنفسی نفعا و ضرا ما شاء اللہ۔

ایسے نافہم مسلمان بھی ہیں جو اس آیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے ہم نے ابھی اوپر کہا ہے کہ جو صفات خدا نے بندوں کو ما شاء عطا کی ہیں ان پر ملکیت کا دعویٰ امانت و دیانت کے خلاف ہے اس کو ذہن میں رکھئے۔ پھر اس آیت کو سمجھئے انشاء اللہ رہنمائی ہو گی جس کا مطلب ترجمہ ایجابی میں یہ ہے کہ ما شاء اللہ مجھے نفع و

ضرر کا اختیار ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صادق و امین ہیں۔ ہمارا تو ایمان ہے خود کفار عرب نے بھی آپ کے صادق و امین ہونے کا اعتراف کیا ہے پھر ایسے امین معصوم سے کیا کوئی شخص یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ خدا نے اس کو جو کچھ بطور امانت عطا کیا ہے اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ پھر دیکھو نفس کے کیا معنی ہیں؟

علمائے امت میں سے اکثر کا خیال ہے کہ روح اور نفس بہت سے معنوں میں مشترک ہیں، اگر وفات اور جان کا قبض کیا جانا مراد لیا جائے تو نفس اور روح دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ اور ایسے دو نام ہیں جن کا مسمیٰ ایک ہی ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الخ یا جیسے کل نفس ذائقۃ الموت اہل عرب کا محاورہ ہے جب کوئی مرجاتا ہے تو کہتے ہیں فاضت نفسہٗ۔

نفس کا اطلاق جسم پر اکی عینیت کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً اصابت نفسہ ای عین نفس کا اطلاق ذات پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے حتّٰی تسلمو علی انفسکم یا جیسے ولا تقتلوا انفسکم خون کے معنی میں نفس کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے مالا نفس لہ سائلۃ اخلاق ذمیمہ پر بھی نفس کا اطلاق ہوتا ہے ان النفس لامارۃ بالسوء استاذ ابوالقاسم قشیری رح فرماتے ہیں نفس شے لغت میں اس شے وجود کو کہتے ہیں۔

اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ لا املک لنفسی میں نفس کے معنی "وجود" ہی کے متحقق ہوتے ہیں پھر آپ کا اپنے وجود میں مالکیت کی نفی فرمانا ملکیت کی نفی فرمانا اور متعلقات وجود یعنی نفع و نقصان کی اضافتوں کو اپنے وجود کی طرف مضاف نہ فرمانا مالک حقیقی کی معرفت کا کتنا اعلیٰ ترین مقام ہے! فنائے نفس اور بقائے بالحق کا کیسا ارفع ترین مرتبہ ہے؟ نبی صادق و امین کے کمال دیانت و امانت کا کیسا بیّن ثبوت ہے؟ آپکا یہ فرمانا بہ

سے موصوف ہونا اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہونا وجودِ حق سے موجود ہونا اس آسمانی اعلان سے کتنا نمایاں ہو رہا ہے۔ رسول کی عزت و وقار کو صدمہ پہنچانے والے آپ کو ایذا دینے والے آپ کی بے اقتداری اور بے اختیاری کے گرداب میں پڑ گئے ہیں اور آپ کے استخفاف و استحقار کو دین اور اسلام سمجھتے ہیں حالانکہ مسلمان تو خدا کی طرف سے اس کام پر مامور ہیں لتعزروہ وتوقروہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمت و وقار ملحوظ رکھیں۔ اگر قلبِ سلیم اور چشمِ بصیرت ہو تو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے جو قربِ فرائض و قربِ نوافل کی بنیاد ہے۔ ما رامیت اور بی یسمع الخ اور یہ کہ (۱) وہی مالک ہے اَلمالِکُ اللہ کا نام ہے۔

(۲) وہی نافع ہے اَلنّافِعُ اللہ کا نام ہے۔

(۳) وہی ضار ہے الضّارّ۔ اللہ کا نام ہے۔

جس دنیا میں ہم آباد ہیں کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ تھوڑی بہت زمین جائداد مال و متاع اثاث البیت سامان اسباب اپنے پاس رکھتا ہے، پاس رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیب میں لیے پھرتا ہے یا سر پر اٹھائے یا پیٹھ پر لادے پھرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ خود کو مالک سمجھتا ہے۔ حالانکہ مالک اسمِ الٰہی ہے۔

اس طرح ہمارا آئے دن مشاہدہ ہے کہ ہم تاثیراتِ اشیاء کے قائل ہونے کے علاوہ ان اشیاء کے ساتھ نفع و ضرر کی نسبت بھی کیے رہتے ہیں خصوصًا طب اور ڈاکٹری" میں تو نفع و نقصان کی نسبت معالج اور مریض دونوں ہی دواؤں کی طرف نہ کریں تو کام ہی نہیں چل سکتا۔ معالج یہ سمجھ کر دوا تجویز کرتا ہے کہ نافع ہوگی۔ مریض اس یقین کے ساتھ دوا استعمال کرتا ہے کہ نافع ہوگی۔ اگر دوا سے فائدہ ہو تو شفا کی نسبت بھی تدابیر نافعہ کی طرف ہی کی جاتی ہے۔ پھر خدا

کو المالک ۔ النافع ۔ الضار ۔ اعتقاد کرنے والو اپنے دلوں کو ٹٹولو، اپنے نفسوں کا جائزہ لو اور خدا لگتی کہو کیا المالک، النافع، الضار کا عقیدہ پیدا کر عمل میں منزلِ حیات میں کبھی اور کہیں بھی ثابت کر سکے۔ الانسان علی نفسہ بصیرۃ (ولو القیٰ معاذیرہ) تم خدا کو مالک سمجھتے ہو۔ ساتھ ہی ساتھ نہ صرف خود کو بلکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی "ملکیت" کا مالک ضرور سمجھتے ہو۔ تم خدا کو نافع سمجھتے ہو ساتھ ہی ساتھ دوا اور علم کو تجارت کو نافع اور ملازمت کو نافع سمجھتے ہو۔ تم خدا کو ضار سمجھتے ہو ساتھ ہی ساتھ درندوں کو سانپ زہر دوا کو ضار سمجھتے ہو۔

ہر فرد کوئی حد ہے جہاں تم نے لکیر کھینچ رکھی ہے کہ یہ دائرہ اللہ کی مالکیت کا ہے اور یہ دائرہ غیر اللہ کی مالکیت کا ہے۔ یہ حد اللہ کے نافع ہونے کی ہے یہ حد اللہ کے القادر ہونے کی ہے اور یہ غیر اللہ کے ضار ہونے کی ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ تم نے جو حدیں مقرر کر رکھی ہیں کہ یہاں تک اللہ مالک یہاں سے غیر اللہ مالک یہاں تک خدا نافع وضار یہاں سے غیر اللہ نافع وضار۔ یہ حد بندیاں شرک سے بچنے کے لئے کی گئی تھیں وہی تم کو منزلِ کفر تک لے آئیں۔ تم نے "محیط کل" کو محدود خیال کیا۔ علی کل شیئ قدیر کو اپنی حدوں میں نفی کر کے تم نے اللہ کے احاطہ اور قدرت کی نفی کی۔ اس کے لئے عجز ثابت کیا۔ اس طرح شرک فی التاثیر شرک فی الافعال شرک فی الصفات کے تو عامل تھے ہی کفر کے بھی قائل ہو گئے۔ نعوذ باللہ منہا۔ جواب دو اور واضح کرو تمہارا یہ کیا عقیدہ ہے کہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، مالکیت، نافعیت، ضاریت کو تم اللہ کی صفات بھی کہتے ہو اور اپنی غیر اللہ کی صفات بھی اعتقاد کرتے ہو یہ شرک نہیں تو کیا ہے؟ شرک نہیں تو کیوں نہیں؟

جواب میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہی کہ اللہ کی حیات کامل اور غیر اللہ کی حیات ناقص ہے۔ اللہ کا علم کامل ہے غیر اللہ کا علم

ناقص ہے۔ اللہ کی قدرت کامل ہے غیر اللہ کی قدرت ناقص ہے، اللہ کا ارادہ کامل ہے غیر اللہ کا ارادہ ناقص ہے غرضیکہ تمام صفات اللہ کے ساتھ کمالِ صفات سے منسوب ہیں بس اس سے زیادہ تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

یہ نفسِ صفات کو خالق و مخلوق میں مشترک ماننا پھر نقص اور کمال کے اعتبار سے مخلوق و خالق میں صفات کی یہ تقسیم ہی شرک کا سرچشمہ ہے یہی شرک فی الصفات کا نظریہ ہے جس سے شرک فی الافعال، شرک فی التاثیر، شرک فی الحکم کی صورتیں پھوٹتی ہیں۔ اور آخر کار کفر و طغیان کا آتشیں سمندر بن جاتے ہیں۔

اس عقیدے کی تباہ کاری یہ ہے کہ اس خیال کا انسان اس وسیع کائنات میں جہاں ماسوائے اللہ کی نفی اور اللہ کا اثبات پر مامور ہے۔ اس کے برعکس وہ غیر اللہ کا اثبات کرتا ہے۔ فکر و نظر کی ہر منزل میں دیدہ و دانش کے ہر مقام میں علم و آگہی کے ہر مرتبہ میں وہ غیر اللہ کو جانتا ہے غیر اللہ کو پہچانتا ہے خواہ زبان سے کہتا رہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں مگر وہ اللہ کو ماننے والا ہے نہ اللہ کا جاننے والا ہے۔

عرفانِ ذات ذات کے لحاظ سے معرفتِ الٰہی ممتنع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہے۔ لاتفکروا فی ذاتہ معرفتِ الٰہی باعتبار صفات قابلِ حصول ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے تفکروا فی صفاتہ گھڑی بھر کے تفکر کو ستر سال کی عبادت سے بہتر مانا گیا ہے۔ قرآن میں جابجا تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

عرفانِ صفات صفاتِ الٰہی میں تفکر کا نتیجہ معرفتِ الٰہی ہے معرفتِ الٰہی تخلیقِ جن و انس کی غایت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ لیعبدون کی

تفسیر حضرت ابنِ عباسؓ نے لیعرفون سے فرمائی اور ایک روایت میں لیوحدون
یہ تفسیر ہے۔ وحدت یا اس معرفتِ الٰہی کا نتیجہ ہے کہ ہر نظر میں ایک ایسا انقلاب رونما
ہوتا ہے کہ معرفت سے پہلے وہ اشیاء کو جانتا تھا۔ اور اشیاء کو پہچانتا تھا۔
اشیاء کو دیکھتا تھا مگر معرفت کے بعد اس کا جاننا پہچاننا دیکھنا خالقِ اشیاء کی طرف
منتقل ہو جاتا ہے۔ اس معرفتِ الٰہی کی اقسام کی کوئی انتہا نہیں۔ الطرق الی اللہ
بعدد انفاس الخلائق۔ ہر انسان اپنے رب سے جداگانہ نسبت رکھتا ہے
الانسان سری وانا سرہٗ انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید
ہوں۔

اے ترا با ہر دلے رازِ دگر ہر گدا را بر درت نازِ دگر

لیکن جو عرفات کا ثمرہ ہے وہ اپنے منبع کے اعتبار سے دو نظر رکھتا ہے۔
نبوت کی نظر (۲) ولایت کی نظر

نبوت کی نظر پہلے اشیاء پر پڑتی ہے پھر خالقِ اشیاء پر ولایت کی نظر پہلے
خالقِ اشیاء پر پھر اشیاء پر۔ اس کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے۔

قال ابوبکرؓ ما رأیت شیئاً الا ورأیت اللہ فیہ ط

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے کوئی شے نہ دیکھی۔ مگر یہ کہ اس شے میں
اللہ کو دیکھا۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ پہلے شے کو دیکھا پھر شے میں خدا کا مشاہدہ کیا
نبوت کی نظر اس لحاظ سے ہے کہ نبوت توجہ الی الخلق کی جہت ہے۔

دوسری نظر قال علی علیہ السلام ما رأیت شیئاً الا اللہ۔
حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے کوئی شے نہ دیکھی مگر یہ کہ اللہ کو دیکھا۔ یہ
ولایت کی نظر ہے جو صرف اشیاء میں اشیاء کو دیکھتی ہے۔ اور خالقِ اشیاء سے محجوب
ہے۔ اس کو پہلے دیکھنا ہے نہ پیچھے ایسی نظر کفر کی نظر ہے۔ یہ کافرین کا مشہد

سبحان کو اس دسیلے دنیا میں ہر چیز نظر آتی ہے۔ مگر وہ نظر نہیں آتا جو ان چیزوں کا پیدا کر لینے والا ہے۔

اس تفصیل کے بعد تمہیں اپنا مشہد سمجھنے میں آسانی ہوگی سمجھو اور اپنے علم و عرفان اور مشاہدہ کا جائزہ لو۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے مراتب لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں۔ اللہ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے تمام اسمائے حسنیٰ پر ایمان لایا جائے۔ آمنت باللّٰہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں جیسا کہ وہ اپنے اسمائے حسنیٰ اور صفات کے ساتھ ہے۔

ایک صفت کا منکر ایک اسم کا منکر ایسا ہے۔ جیسا کہ تمام اسمائے صفات کا منکر ہے۔

پھر کس قدر تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ ناواقفِ قرآن آج قرآن کی تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ ناآشنائے حدیث دھڑا دھڑ حدیثیں پیش کر رہے ہیں۔ نامحرمانِ اسلام احیاءِ اسلام کے مدعی ہیں۔ ناآشنایانِ دین اقامتِ دین کے علمبردار ہیں۔

ہاں ایک بات اور رہ گئی کہ اصحاب قبور میں صدیقین کے متعلق مودودی صاحب کیا فرماتے ہیں؟ جو مرتبہ میں شہداء سے پہلے اور نبیؑ کے بعد ان سے متصل ہیں۔ اور جب انبیاء سے لے کر شہداء تک کی طرف ہماری توجہ بید عون من دون اللہ کی زد سے باہر ہیں صرف ایک گروہ رہ گیا صالحین کا جن کے متعلق مولانا مودودی صاحب اہلِ حق سے جھگڑ سکتے ہیں تو آیئے اس کا فیصلہ ایک جملہ میں کیے دیا جاتا ہے وہ یہ کہ صالحین از روئے قرآن ایک مفہوم کلی ہے جو انبیاء کو بھی شامل ہے صدیقین کو بھی شامل ہے۔ شہداء کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا صالحین بمعنی عام اہلِ حق کے مرکزِ توجہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد تفہیم القرآن کا اقتباس جو مدیر فاران نے بطور سند پیش

لباب سے درج کرتے ہیں اور اس پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں۔

تفہیم القرآن !

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (النحل)

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی خالق نہیں ہیں بلکہ مخلوق ہیں مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملے میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے اس لئے مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے وہ انبیاء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی مراد ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز اور گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں صفحہ (۳۰ فاران اگست ۱۹۵۱ء)

اقتباس تفہیم القرآن (مودودی)

اس عبارت سے امور ذیل مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) من دون اللہ سے وہ کہتے ہیں کہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں مراد نہیں ہیں۔

(۲) وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کا اطلاق

نہیں ہو سکتا۔ اور یہی اس عقیدت کی بنا پر کہ شیاطین تو زندہ ہیں، انبیاء اور صالحین کو وہ مردہ اعتقاد کرتے ہیں بحث اموات غیر احیاء کا مصداق کہتے ہیں۔

(۳) وہ کہتے ہیں کہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بحث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔

(۴) مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ مورتیوں کو خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا زعم ہے۔

(۵) وہ کہتے ہیں یہ قرآن کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یدعون من دون اللہ سے مراد اصحاب قبور ہیں۔

(۶) وہ کہتے ہیں لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں۔

(۷) وہ کہتے ہیں کہ انبیاء، صالحین غیر معمولی انسان داتا، مشکلکشا، فریادرس، غریب نواز، اور گنج بخش سے استعانت یدعون من دون اللہ کا مصداق ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ یدعون من دون اللہ سے مودودی صاحب نے انبیاء و صالحین مراد لیے ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ یدعون من دون اللہ سے کیا مراد ہے؟ ہم اس سلسلے میں تفسیر کبیر کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں۔

(۱) لاسیما اذا کان ذالک الموجود احجارا لایفهم ولایقدر والهذالوجه قال بعد تلک الآیته افمن یخلق کمن لایخلق افلا تذکرون

ترجمہ:- بالخصوص جبکہ یہ موجود معبود محض پتھر ہے جو فہم و ادراک سے بے بہرہ قدرت و اختیار سے محروم ہے اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے اس آیت کے بعد فرمایا۔

هذه الاصنام جمادات
محضة فليس لها فهم
ولا قدرة ولا اختيار
فكيف تقدمون على
عبادتها وكيف تجوزون
الاشتغال بخدمتها
ولعلها المهم ارجل يمشون
بها يعني آلهة التي قدرتم
حالهم منحطة عن
حال من لهم ارجل وايد
واذان وقلوب لانهم
احياء وهم اموات فكيف
يليق بكم عبادتها۔
(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ج ۵ ص ...)

ترجمہ

بالخصوص جب کہ یہ موجود معبود محض
پتھر ہے۔ جو فہم وادراک سے بے بہرہ،
قدرت و اختیار سے محروم ہے۔ اسی
وجہ سے اللہ رب العزت نے اس
آیت کے بعد فرمایا:۔

أفمن يخلق كمن لا يخلق أفلا
تذکرون کیا پیدا کرنے والا اور کچھ
بھی نہ پیدا کرنے والا یکساں ہو سکتا
ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ
یہ لکڑی پتھر کی مورتیاں، یہ مجسمے اور
یہ بت یعنی اصنام محض جمادات ہیں
نہ انہیں فہم و شعور ہے نہ انہیں قدرت
اختیار ہے تعجب ہے کہ تم کس طرح انکی
پرستش اور عبادت کی طرف قدم
بڑھاتے ہو حیرت ہے کس طرح انکی
طاعت و خدمت میں مشغول رہنے
کو جائز سمجھتے ہو۔ کیا ان کے چلنے کو
پاؤں ہیں؟ یعنی یہ مورتیاں جن کی تم عبادت
کرتے ہو اور معبود سمجھ کر انہیں پکارتے ہو
اتنے گئے گذرے ہوئے ہیں کہ تمہارے
مقابلے میں بھی گرے ہوئے ہیں بت پرستوں
کے تو ہاتھ ہیں پاؤں ہیں کان ہیں آنکھیں ہیں
دل ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اور یہ لکڑی پتھر
کی مورتیاں محض بے جان بے روح بےحس
ہیں۔ ان کی پرستش نادانی ہے۔
(تمام ہوا ترجمہ تفسیر کبیر)

اب دیکھئے تفسیر ابن کثیر میں یدعون من دون اللہ کے کیا معنی بتلائے گئے ہیں۔ بقول مودودی صاحب "اصحاب قبور" انبیاء و اولیاء مراد ہیں یا نہیں ملاحظہ ہو۔

(۲) ثم اخبران اصنام التی تدعونہا من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون۔ — پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ اصنام، مورتیاں جنہیں خدا کے سوا اللہ تم پکارتے ہو وہ کسی چیز کے خالق نہیں۔ وہ تو مخلوق ہیں۔

آپ نے دیکھا یدعون من دون اللہ کے معنی ابن کثیر نے بھی "مورتیاں" اصنام بیان کئے ہیں۔ اب دیکھئے اموات غیر احیاء سے بقول مودودی صاحب نبی ولی صالحین مراد ہیں یا کیا؟ ابن اثیر فرماتے ہیں۔

وقولہ اموات غیر احیاء ای ھی جمادات لا اروح فیہا فلا تسمع ولا تبصر ولا تعقل وما یشعرون ایان یبعثون ای لا یدرون متی تکون الساعۃ (ابن امیر المحل) — اور اموات غیر احیاء یعنی مردے ہیں نہ کہ زندہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مورتیاں جمادات محض ہیں۔ ان میں جان نہیں ہے اس لئے نہ تو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ان میں یہ شعور ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی قیامت کب آئے گی؟

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالین میں ملاحظہ کیجئے۔

افمن یخلق وھو اللہ من لا یخلق وھو الا صنام (جلالین ص ۲۵۵) — کیا وہ جو خالق (اللہ تعالیٰ) ہے ان جیسا ہے جو کسی چیز کا خالق نہیں اور وہ مورتیاں ہیں۔

(۴) تفسیر بحر المحیط کے اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

ذکر اللہ تعالیٰ تباین بین من | اللہ تعالیٰ نے وہ فرق بیان کردیا۔
یخلق وھو الباری تعالیٰ و | جو اللہ تعالیٰ اور معبودوں میں ہے
بین من لا یخلق وھی الاصنام | یعنی یخلق سے مراد باری تعالیٰ
ہے اور لا یخلق سے مراد اصنام ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یدعون من دون اللہ سے جن، ملائکہ، شیاطین اور مورتیاں مراد نہیں۔ لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اسی لئے تو یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ یبعث الاصنام | اللہ تعالیٰ مورتیوں کو جاندار بنا کر
لھا ارواح ومعھا شیاطینھا | محشور کریگا۔ ان بتوں کے ساتھ انکے
فیؤمر بکلھم الی النار | شیاطین بھی ہونگے۔ پھر ان سب
(بحر المحیط فاتحہ) | کو جہنم میں جھونک دیئے جانے کا
حکم دیا جائے گا۔

جن، شیاطین اور مورتیوں کو مودودی صاحب جہنم سے بچانے کی کوشش فرما رہے تھے۔ حشر اصنام کے منکر ہو کر ان کے بجائے انبیاء، اولیاء اور اصحاب قبور کو الٰہ بنانا جائز فرما رہے تھے۔ حضرت ابن عباس کے قول سے ان کی تحقیق کی نہ صرف غلطی کھل گئی بلکہ ان کے اس فاسد عقیدہ کا ابطال ہوگیا کہ مورتیوں کے بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں اور یہ کہ شیاطین تو زندہ ہیں ہمیشہ زندہ ہی رہیں گے۔ اور ملاحظہ ہو۔

ایان یبعثون لظاھر ان ھذہ کلھا مما حدث بہ
عن الاصنام ویکون بعثھم اعادتھا بعد فنائھا الا
نزی الی قولہ تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ
حصب جھنم (بحر المحیط جلد ۵)

ترجمہ:- ایان یبعثون سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام مذکورہ
کیفیات سے واضح ہے کہ کلمہ من دون اللہ سے اصنام مراد ہیں اور ان کے بعث
حشر کا مفہوم یہ ہے کہ بعد فنا ان کا اعادہ ہوگا۔
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا اعلان صاف بتا رہا ہے۔ انکم وما تعبدون
من دون اللہ حصب جھنم یعنی اے بت پرستو! تم اور تمہارے اصنام
جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔
مودودی صاحب نے جنات اور شیاطین کو زندہ بتایا ہے، اور نبیوں
ولیوں، صالحین، داتا گنج بخش اور خواجہ غریب نواز کو مردہ فرمایا ہے۔ مگر قرآن
میں کافروں کو مردہ کہا گیا ہے اور مومنین کو زندہ کہا گیا ہے، کفار، شیاطین اگرچہ
بظاہر زندہ ہیں مگر وہ مردہ دل ہیں، گمراہ ہیں۔ کلام حق کو نہیں سنتے اس لئے ان کو مردہ
کہا گیا۔

(۱) انک لا تسمع الموتیٰ (القرآن) — کفار مردہ ہیں۔ آپ مردے کو نہیں سنا سکتے
(۲) لینذر من کان حیا (القرآن) — تاکہ آپ ہر ایسے شخص کو ڈرائیں جو زندہ ہے۔

یہاں زندہ سے مراد مومنین ہیں۔ یعنی اموات سے مراد کفار ہو سکتے ہیں۔
صاحب بحر المحیط فرماتے ہیں۔
الثانی کون قولہ اموات جن کی طرف یدعون میں ضمیر

مراد به الكفار الذين — ہے کفار کو جتایا گیا ہے کہ وہ مردہ
ضمير بهم في يدعون — ہیں یا کہ زندہ اس لحاظ سے کہ وہ گمراہ
بينهم بالاموات غير — ہیں۔
الاحياء من حيث — ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔
هم ضلال غير مهتدين

(بحرالمحیط ج ۵ النحل)

النحل کے شروع ہی میں یہ آیت ہے (يلقى الروح على من يشاء من عباده) اس آیت میں ربیع بن انس نے کہا کہ روح سے (هو القرآن) مراد ہے۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ (الروح رحمته) روح سے رحمت مراد ہے۔ وقال الزجاج ما معناه الروح الهدي ايه لانه لتحيا بها القلوب كما تحيا الابدان بالارواح۔

زجاج کہتے ہیں روح کے جو معنی ہیں وہ ہدایت کے ہیں۔ کیونکہ اس ہدایت سے قلوب زندہ ہوتے ہیں جیسے ارواح سے بے جان زندہ ہوتے ہیں۔

زمخشری کہتے ہیں۔ الروح ما تحيا به القلوب الميتة بالجهل من وحيه او بما يقوم في الدين مقام الروح في الجسد۔ روح سے مراد وہ وحی ہے جو ان کفار کو زندگی عطا کرے۔ جو جہل کی وجہ سے مردہ دل ہیں۔ یا وحی کے قائم مقام ہر وہ چیز مراد لی جاسکتی ہے یا ہر وہ چیز جو دین کے جسم میں روح کو مقام حاصل ہے وہی مقام دین میں اس کو حاصل ہو۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

ايان يبعثون اى ما يشعر — ایان یبعثون سے مراد یہ ہے
اولئك الالهة متى يبعث — کہ اصنام کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے

عبدتهم ۔ پجاری کب محشور کئے جائینگے
(دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۹۰

تفسیر فتح البیان ملاحظہ کیجیے ۔ یدعون من دون اللہ کے معنی مراد لئے ہیں
کیا انبیاء اولیاء مراد ہیں بقول مودودی صاحب ۔ یا کچھ اور؟

ان هذه الاصنام اجسادها جما
دٌ ميتة لا حياة لها اصلا فزاد
قوله غير احياء لبيان انها ليست
كبعض الاجساد التي يموت
بعد ثبوت الحياة لها بل لا حياة
لهذه الاصنام اصلا فكيف
تعبدونها وهم افضل منهم لانهم
احياء وما يشعرون اى الالهة
ايان يبعثون اى الكفار الذين
يعبدون الاصنام والمعنى
ما تشعر هذه الجمادات من
الاصنام ايان يبعث عبدتهم
ويؤيد ذلك ما روى ان الله
يبعث الاصنام ويخلق لها ارواح
معها شياطينها فيؤمر بكلها الى
النار ۔

یعنی یہ اصنام پتھر کی مورتیاں بیجان
قطعی ہیں ان میں حیات بالکل نہیں
پھر "غیر احیاء" فرمایا یہ بیان کرنے
کے لئے کہ یہ مورتیاں بعض ایسے اجساد
کی طرح نہیں جو زندہ رہے ہوں پھر
مرگئے ہوں بلکہ ان مورتیوں کو سرے
سے ہی زندگی نہیں ملی ان سے تو ان
کے پجاری افضل ہیں کہ زندہ ہیں۔
ان مورتیوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کے
پجاری کب محشور ہوں گے کیونکہ یہ تو
پتھر کی مورتیاں ہیں ان میں شعور کہاں اسکی
تائید میں روایت ہے کہ اللہ اصنام کو
محشور کرے گا ان میں جان ڈالے گا۔
ان کے شیاطین کے ساتھ ہوں گے۔

وقيل قد تم الكلام عند

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی آیت وہم یخلقون

قولہ وھم یخلقون ثم ابتدأ فوصف المشرکین بانھم اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (فتح البیان ص ۲۲۱)

یہ ختم ہو گئی پھر آغازِ کلام ہوا۔ اور مشرکین کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مردے ہیں نہ کہ زندہ اور ان مشرکین کو خبر نہیں کہ وہ کب محشور ہوں۔

(۱) تفسیر کبیر (۲) تفسیر ابن کثیر (۳) تفسیر جلالین (۴) تفسیر بحر المحیط۔ (۵) تفسیر روح المعانی (۶) تفسیر فتح البیان کی عبارتوں سے ہم نے امورِ ذیل ثابت کئے ہیں۔

(۱) یہ کہ تمام مفسرین کے نزدیک یدعون من دون اللہ سے مورتیاں مراد ہیں۔ مودودی صاحب نے اصنام یعنی مورتیوں کو اس آیت میں خارج از بحث اور مستثنیٰ قرار دیا۔

(۲) مودودی صاحب کا یدعون من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینا انبیاء اور اولیاء مراد لینا ان کا اپنا فاسد وہم ہے۔ جسے عقل و نقل سے باطل قرار دیا گیا ہے۔

(۳) مودودی صاحب نے یا تو علمی بحث کے اقوال کو دانستہ چھپایا یا ان معتبر اور مستند تفسیروں پر ان کو عبور ہی نہ تھا۔ دونوں صورتیں مذموم ہیں۔ پہلی صورت دیانتِ علمی کے خلاف ہے (العالم موتمن) دوسری صورت میں ان کا ضعفِ علمی ثابت ہوتا ہے۔ اگر مفسروں کے علم ہوتے ہوئے ان اقوال کو چھپایا ہے تو یہ صریحًا دیانتِ علمی کے خلاف ہے۔ اور اگر ان کو علمائے سلف اور مسلم الثبوت مفسرین کے اقوال پر عبور ہی نہیں ہے تو اس ضعفِ علمی کے باوجود تفسیرِ قرآن کی جسارت، جہل و تسفلے جا کے علاوہ اور کیا کہی جا سکتی ہے؟

مودودی صاحب نے جنات، شیاطین اور مومنوں کے حشر و بعث سے صریح انکار کیا ہے مگر کتاب و سنت سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ شیاطین اور اصنام سب محشور ہوں گے اور جہنم کے ایندھن بنائے جائیں گے۔

روایت ابن عباس الخ اور آیت مبارکہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم۔

کتاب و سنت سے اس مقام پر مودودی صاحب کا ناواقف ہونا ثابت ہوا یا پھر انھوں نے واقف ہوتے ہوئے مسلمہ طور پر حضرت ابن عباس کی روایت اور قرآن کی آیت کا کتمان کیا چھپایا جو اس آیت کی تفسیر میں شاہد عادل ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ قرب قیامت میں اہل ہوا ان آیات کو جو کفار و مشرکین کے بارے میں آئی ہیں مسلمان کے حق میں بیان کریں گے۔

(۵) وہ آیتیں جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں [redacted] آیتوں کو انھوں نے مسلمانوں کے حق میں نازل ہونے کا حکم قطعی لگایا اور اپنی اس رائے کو انھوں نے قرآن سے مستند بادو کرانے کے لئے اپنی تفسیر کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے۔

۔ قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ لکھنے کے بعد انھوں نے اپنے ذاتی خیالات، ذاتی اعتقادات، ذاتی رائیں لکھ ڈالیں۔

مثلاً اصحاب قبور مراد ہونا۔ جنات و شیاطین کا زندہ ہونا۔ انبیاء اور اولیاء کا مردہ ہونا۔ بعث و حشر کا انکار۔ داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز وغیرہ کو عبادۃً یدعون من دون اللہ سے مشخص کرنا اور اپنے ان خیالات فاسدہ پر قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہہ کر قرآنی غلاف چڑھایا صاف الفاظ میں قرآن کو ان خیالات کا ذمہ دار کیا تاکہ ساده خواں طبقہ اس فقرے

میں اگر ان خیالات ہی کو قرآن سمجھ لے جیسا کہ غریب مذیر فاران سمجھ بیٹھے۔ یہ کتنی بڑی فریب کاری، تلبیس اور افتراء ہے۔ خاک بدہن گستاخ یلبسون الحق بالباطل کا کتنا بڑا مظاہرہ ہے۔ مسخ قرآن کی کتنی بڑی ناپاک حرکت ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ کلمات کتاب کو ان کے اصل مقام سے ہٹانا۔ اسی کا نام تو تحریف ہے۔

مودودی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں: عبارۃ النص کی تعریف یہ ہے کہ جو معنی مطلوب ہیں ان میں سوق کلام ہو۔ سوق کلام جب ہوتا ہے کہ ان کے دعوے کے مطابق صاف الفاظ میں قرآن یہ بتلاتا۔ کہ والذین یدعون اصحاب القبور والذین یدعون الانبیاء والاولیاء والصالحین عبارت موجود ہوتے ہوئے اس قسم کے کلمات مطلقاً نہیں ہیں۔ مسلمہ طور پر نہیں ہیں تو ثابت ہوا کہ ان معنوں میں جو مودودی صاحب نے بیان کئے ہیں قرآن میں سوقِ کلام نہیں ہے۔ اس لئے عبارت موجود نہیں ہے تو یہ کہنا کہ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں قرآن پر کتنی بڑی تہمت ہے اور عبارت النص کے مفہوم سے کتنی بڑی ناواقفیت ہے۔ اور جہاں عبارت نہیں ہے وہاں دلالت بھی نہیں ہے اس لئے کوئی دلالت النص بھی نہیں ہے چونکہ اقتضاء فرع دلالت ہے اس لئے اور یہاں جس کی اصل نہیں ہے تو فرع کہاں سے آئے گی۔ اس لئے اقتضاء النص بھی نہیں ہے اور جہاں عبارت دلالت اور اقتضاء موجود نہیں وہاں کوئی اشارۃ النص بھی موجود نہیں اس طرح آیت زیر بحث میں مودودی صاحب کی مراد عبارت النص ہے نہ دلالت النص ہے نہ اقتضاء النص ہے نہ اشارت النص ہے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ کہ (قرآن کے یہ الفاظ) صاف بتا رہے ہیں کہ خاص طور سے اصحاب قبور انبیاء اولیاء وصالحین داتا گنج بخش خواجہ غریب نواز یدعون من دون اللہ سے

مراد ہیں ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے جھوٹے ہونے پر قرآن ہی کے کلمات گواہی دے رہے ہیں کہ انھوں نے اللہ پر افترا کیا۔ اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اپنی بات کو اللہ کی بات اپنی مراد کو اللہ کی مراد اپنے الفاظ کو اللہ کے الفاظ کہتے ہوئے وہ ذرا نہ جھجکے۔ خوف خدا دل میں نہ آیا فمن اظلم ممن کذب علی اللہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی قرآن کے معنی کو صحیح محمل سے ہٹا کر اپنی مراد اور اپنی خواہش کے مطابق دوسرے جدید معنوں میں استعمال کرنا تحریک انقلاب اسلامی سمجھتے ہیں۔ چونکہ اسلامی انقلاب کی تحریک کا یہی مقصد ہے کہ مسلمانوں کے افکار و عقائد میں انقلاب پیدا کیا جائے غالباً اسی ضرورت کے ماتحت قرآن کے معنوں میں انقلاب لانے کی مہم تفہیم القرآن کے نام سے جاری کی گئی ہے کیونکہ جب تک قرآن نہ بدلا جائے مسلمانوں کے اعتقادات نہیں بدلے جا سکتے۔ اب قرآن کس طرح بدلا جاتے۔ خدا کے فضل سے لاکھوں حافظ قرآن لاتعداد کروڑوں قرآن کو دیکھ کر پڑھنے والے موجود ہیں اس لئے قرآن کی ظاہری عبارت کو بدلنے کا کوئی امکان نہیں، صرف یہی صورت ممکن ہے کہ قرآن کی آیتیں اصلی حالت میں رکھی جائیں اور ترجمہ و تفسیر کے نام سے خارجی عقائد کو اس میں رچایا بچایا جائے۔ غریب مسلمانوں کی اکثریت جو ناخواندہ یا نیم جاہل افراد پر مشتمل ہے وہ اس فریب اور تلبیس کا شکار ہو جائے گی۔ یقین کریگی کہ تفہیم القرآن میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عین قرآن ہی ہے۔ ایسا یقین کرنا بالکل فطری بات ہے۔ ایمانی تقاضا ہے۔ عام مسلمان علماء کا احترام کرتے ہیں۔ انکی دینی بصیرت اور علمی تحقیق کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی مسلمان قرآن کو ہاتھ میں لے کر جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ پھر

وہ اس بات کا تو کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان قرآن کو ہاتھ میں لے کر جھوٹ بھی بول سکتا ہے یعنی اس وقت جبکہ قرآن اس کے ہاتھ میں ہے قرآن کی آیات لکھ رہا ہے کلام حق کے ساتھ اپنی مراد باطل کی آمیزش بھی کرتا جا رہا ہو۔ ایسی حسن عقیدت کی وجہ ہی سے عوام اور کم علم مسلمان گمراہی اور فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لوگ اپنے عقائد و افکار کو تفسیروں کے نام سے قرآن کے سر منڈھتے جا رہے ہیں اور ان کی نشر و اشاعت تبلیغ قرآن کی نیت سے نہیں بلکہ اپنے افکار و عقائد کی ترویج و عمومیت کے لیے پروپیگنڈے کے طور پر بڑے اہتمام سے جاری ہے۔ اس پروپیگنڈے کے نتائج بھی خاطر خواہ ظاہر ہوتے جا رہے ہیں۔ خصوصاً وہاں جہاں پروپیگنڈے کی تنظیم ہے وہاں مسلمانوں کے افکار و اعتقادات میں اس قسم کے لٹریچر سے انقلاب بھی رونما ہوتا جا رہا ہے۔ عہد حاضر نے سیاست کے نام سے جس دجل، فریب، اور ریاکاری کو عام کیا ہے وہ کون نہیں جانتا۔ ان کے توڑ پر ملک میں تحریکیں چلائی جاتی ہیں تاکہ وہ سیاسی مقاصد کے حصول میں کارگر ہوں۔ پاکستان کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں لادینی ریاست پر فی الحال نظام حکومت چل رہا ہے۔ اس لئے اس حکومت کے کامیاب حریف صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو دینی حکومت کا نعرہ لگائیں۔ اسلامی جماعت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کی علت غائی صرف حکومت پر قبضہ کرنا ہے۔ اسلام کے نام پر احیاء دین کی امامت کے عنوان میں مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا یہاں تک بھی خیریت تھی۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ سلف صالحین ائمہ مجتہدین انبیاء عظام اور اولیائے کرام بزرگان دین کی عزت و احترام کے خیالات جو مسلمانوں کے دل و دماغ میں جاگزیں ہیں ان کو اس قسم کے خبیث لٹریچر کے ذریعہ زائل کیا جائے اور صرف مودودی صاحب کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھایا جائے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا — کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

اس زمانہ میں عقائد باطلہ کی پیغمبر "مودودیت" ہے۔ اس مودودیت کا نشر و بلاغ ایک منظم پروگرام کے تحت جاری ہے۔ تمام علمائے امت، دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث بالاتفاق مودودیت کو گمراہی، بے دینی اور خارجیت بتا رہے ہیں۔ مگر مودودیت نہ صرف اپنے عقائد و رجحانات پر نظر ثانی کرنے پر آمادہ ہوئی بلکہ تمام علمائے امت کو غلط اور اپنے موقف کو صحیح سمجھتی ہوئی بدستور سرگرم عمل ہے۔ امت مسلمہ کی اکثریت ان بھولے بھالے مسلمانوں کی ہے جو اسلام اور قرآن کے نعروں پر اپنے جان و مال قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس دام فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لاکھوں روپیہ کھالوں اور رقموں کی صورت میں ان مسلمانوں سے بٹورا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے بزرگانِ دین، ائمہ کبار اور علمائے دین کے خلاف زہر افشانیوں میں خرچ کیا جا رہا ہے۔ قرآن کی من گھڑت غلط تفسیریں لکھی جا رہی ہیں، عقائد باطلہ کی نشر و اشاعت بڑے پیمانے پر اس روپے سے کی جا رہی ہے۔ جو مسلمانان دین اسلام کے نام پر، اسلامی خدمات کے لئے اسلامی جماعت سمجھ کر ان کو پیش کرتے ہیں۔ وہ اسلامی جماعت جس کی فہرست میں حق شناس باعمل اور سچے مسلمانوں کے نام درج ہیں اور جن کی تعداد ہزار پانچ سو افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ ان افراد کے علاوہ ان کے نزدیک کوئی مسلمان مسلمان نہیں، صالح نہیں، باعمل نہیں۔ اگر وہ اپنی جماعت کے افراد کی طرح دوسرے مسلمانوں کو مسلمان سمجھنے لگیں تو پھر اس جماعت اسلامی کا وجود ہی غیر ضروری اور عبث ہو جاتا ہے"۔

مسلمان کان کھول کر سن لیں کہ تمام علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق جماعت اسلامی کا وجود بجائے خود ایک بدعت ہے، احداث فی الدین ہے

جس طرح خوارج نے سوادِ اعظم سے کٹ کر اپنی ایک جماعت بنائی تھی۔ ان الحکم الا اللہ ان کا نعرہ تھا۔ بالکل اسی طرح جماعت اسلامی" سوادِ اعظم سے کٹ کر ان الحکم الا اللہ کا نعرہ لگا رہی ہے، خوارج کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی حاکمیت کا مطلب حضرت علیؓ۔ امیر معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کبار نے جو کچھ سمجھا ہے وہ غلط ہے صرف خوارج ہی صحیح معنوں میں خدا کی حاکمیت" کے علمبردار ہیں۔ یہی حال اس مودودی جماعت کا ہے، صحابہ کبار سے جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل میں سے کوئی بھی ان کی زبان سے نہیں بچا نہ قلم سے۔ مجتہدین محدثین، متفقہین، صوفیائے کرام، علمار کبار کسی کو بھی انھوں نے "ہدف" بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے ہیں کہ انھوں نے تصوف کیطرف امت کو متوجہ کیا۔ غرضیکہ دینِ اسلام پر جن ہستیوں کو فخر و ناز ہو سکتا ہے ان کی توہین و تحقیر مودودیت کا نصب العین معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود احیار دین، تجدید اسلام، کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کتاب و سنت کا بار بار نام لیکر اپنے ذاتی خیالات کو، فاسد عقائد کو خوارج کی ترجمانی کو کتاب و سنت کے سر منڈھتے ہیں۔ خوارج نے (ان الحکم الا للہ) قرآنی آیت کا مطلب یہ نکالا تھا کہ حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس لئے حضرت علیؓ کو حاکم سمجھنا یا حضرت علی کا تالتی فیصلہ کیلئے انسانوں کو حاکم بنانا کفر ہے۔

قرآن کی اس غلط تفسیر نے خوارج کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے چن چن کر ان صحابیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو مفسرین تھے، فقہاء تھے، علماء تھے، صالحین تھے۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں کو اپنی خونی تلوار سے قتل کر ادیں

فریضہ سمجھتے تھے۔ تا آنکہ خود حضرت علی علیہ السّلام بھی ان کی خون آشام تلوار سے نہ بچ سکے۔ اور ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں مسجد کوفہ میں شہید کر دیئے گئے۔ ان تمام اسلام کی مایۂ ناز ہستیوں کو صرف اس قصور میں شہید کیا گیا کہ وہ خارجیوں کی تفسیرِ قرآنی کو غلط اور باطل کہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کلماتِ حق سے خوارج باطل مراد لیتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ صحابۂ کبار جنہوں نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی وہ ان الحکم الا للہ کے معنی بھی نہ جانتے ہوں۔ وہ یقیناً جانتے تھے کہ اس آیت مبارکہ میں جو حکم کا حصہ اللہ کے لئے آیا ہے اس کے معنی جو خوارج مراد لیتے ہیں وہ تسلیم کئے جائیں تو قرآن میں تعارض و تضاد لازم آئے گا۔ الیس اللہ باحکم الحاکمین میں اللہ تعالےٰ نے خود کو حاکموں کا حاکم فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قرآنی اعلان ہے فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم۔ یعنی آپ کے رب کی قسم یہ لوگ صاحبِ ایمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے آپس کے جھگڑوں میں حاکم نہ بنائیں۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فاحکم بین الناس

یعنی اے داؤد علیہ السّلام ہم نے تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ آپ لوگوں پر حکمرانی فرمائیں۔ اسی طرح انبیاء علیہ السّلام کو حکم اور نبوت عطا فرمانے کا اعلان قرآن میں موجود ہے۔ پھر خوارج کا یہ اعتقاد کہ ان الحکم الا للہ (حکم اللہ ہی کے لئے ہے) اور اس آیت کی یہ تفسیر کہ

(۱) حکومتِ الٰہیہ قائم کرو۔

(۲) انسانوں کو انسانوں پر حکومت کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۳) حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں نے قرآن کو چھوڑ کر لوگوں کو "حاکم" سمجھ لیا اس لئے وہ کافر ہیں۔ واجب القتل ہیں۔

ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی کتنی غلط تفسیر و تعبیر تھی، جس میں خلافت راشدہ کو حکومت الٰہیہ کا حریف بنا کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اللہ میاں کو دوٹنگ اور انتخاب کے لئے لاکر کھڑا کیا گیا۔ بالکل یہی حال مودودیت کا ہے۔ وہ اللہ کی "حاکمیت" کا خارجیوں کی طرح غلط تصور پیش کر رہے ہیں اور خوارج کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ خوارج کے نعروں میں بظاہر عوام کے لئے بڑی جاذبیت تھی۔ ان کے نعرے عام فہم اور عام پسند تھے۔ مثلاً یہ کہ قرآنی دستور بناؤ۔ انسانوں پر انسانوں کو حکومت کا کوئی حق نہیں، دنیا طلب حاکموں اور قرآن پر عمل نہ کرنے والے خلفاء کو قتل کر دو۔ بیت المال سب پر برابر برابر تقسیم کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ نعرے عوام کو متوجہ کرنے کے لئے ایک کارگر حربہ اور مؤثر ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ مگر ان نعروں کے پس پردہ جو مراد باطل ہے وہ خارجی تصورات کا نفوذ و اجراء ہے۔ اس کو عوام بیچارے کیا سمجھیں؟ خوش فہم کے سمجھنے کی بات ہے۔

بحمد اللہ ہر مکتب خیال کا عالم فتنۂ مودودیت کی گمراہیوں سے باخبر ہو چکا ہے اور ہر طرف سے ملمانوں کو بروقت خبردار کیا جا رہا ہے اور کیا جا چکا ہے۔

گزشتہ اشاعت میں ہم نے "تحریف القرآن بنام تفہیم القرآن" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے وہ ہر مسلمان کو جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نور ایمان ہو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیگا کہ مودودی صاحب نہ علم دین رکھتے ہیں نہ فہم دین۔ کوئی دینی فہم رکھنے والا عالم کبھی ایسی فحش اور خطرناک غلطیاں نہیں کر سکتا۔ جو انھوں نے تفہیم القرآن میں کی ہیں۔ محض انشاپردازی اور صحافت کے بل بوتے پر کلام اللہ کی تفسیر کا بار انھوں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ یہ عوام کی بے علمی اور سادگی پر اعتماد کا نتیجہ ہے۔ مگر اہل علم کی تنقید و تعریض سے بچنے کے لئے انھوں نے محض اپنی صحافتی قابلیت پر بے جا اعتماد کیا ہے۔ ورنہ وہ تفسیر لکھنے کی جرأت کبھی نہ کرتے۔ اس سے بڑھ کر ظلم

علم دین پہ مسلمانوں پر کتاب اللہ پر، سنتِ رسول اللہ پہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جو مودودی صاحب نے ڈھایا ہے دین کے نام پر بے دینی تفہیم کے نام سے تجہیل، تعبیر کے نام پر تخریب۔ یہ ہم جذبات کی رو میں نہیں کہہ رہے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے کافی غور و خوض کے بعد نرم سے نرم الفاظ میں "تفہیم القرآن" پر ہمارے خیالات علم و بصیرت کی بنیادوں پر ہی ہیں۔ اور انشاء اللہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد آپ ہم سے اتفاق رائے پر مجبور ہوں گے بشرطیکہ آپ غیر جانبدار ہو کر دلائل و شواہد کی روشنی میں مودودی صاحب کے ادعا کو اور ہمارے اعتراضات کو دیکھیں۔ اب ہم مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ پہلے انھوں نے آیتِ مندرجہ ذیل لکھی ہے، پھر اس کا ترجمہ لکھا ہے، پھر تفسیر لکھی ہے جو بجنسہٖ بالترتیب نقل کی جاتی ہے۔

والذین یدعون من دون اللّٰہ لایخلقون شیئاً وّھم یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایّان یبعثون ؕ	اور وہ دوسری ہستیاں جنھیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی خالق نہیں ہیں بلکہ مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ نہیں معلوم ہے کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

تفسیر مودودی

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور سے جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے۔ وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحابِ قبور ہیں۔ اس لئے کہ شیاطین اور فرشتے تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں

ہے۔ اس لئے مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انھیں خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے وہ انبیاء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا، مشکلکشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دیکر اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں " (فاران اگست ۱۹۵۶ء)

(اقتباس تفہیم القرآن)

مودودی صاحب کے قول پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں

اعتراض اوّل:۔ قرآن کی آیت میں کہیں اصحابِ قبور کا ذکر نہیں ہے اس لئے۔ یدعون من دون اللہ از خود مراد لینا اور یہ ظاہر کرنا کہ قرآن کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یدعون من دون اللہ سے مراد اصحاب قبور ہیں صریحاً قرآن پر افترا ہے۔ تلبیس اور فریب کاری ہے۔ عوام کو دھوکہ دینا ہے۔ قرآن کے الفاظ صاف طور پر اصحاب قبور سے متعلق ہوتے والذین یدعون اصحاب القبور یا اس کے مماثل دوسرے الفاظ وارد ہوئے ہوتے۔ والذین یدعون الانبیاء والاولیاء وغیرہ میں کوئی صراحت لفظی اصحاب قبور مراد لینے کے لئے نہیں ہے نہ کوئی صراحت انبیاء و صدیقین ہونے کی موجود ہے تو اصحابِ قبور مراد لینا اور پھر اصحاب قبور سے انبیاء و صالحین کو خاص طور سے نامزد کرنا کہ یہ قرآنی صراحت ہے کتنا بڑا افترا اور جھوٹ ہے۔ توبہ۔ توبہ۔۔

اعتراض دوم:۔ اگر اصحاب قبور یدعون من دون اللہ کا مصداق ہوں اور بقولِ مودودی صاحب لکڑی پتھر کی مورتیاں اس سے مراد نہ ہوں تو پھر

بت پرستی اس آیت مبارکہ سے مستثنیٰ ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ)

اعتراض سوم:۔ یہ کہنا کہ شیاطین اور فرشتے تو زندہ ہیں اس لئے اموات غیر احیاء کے الفاظ ان کو بھی یدعون من دون اللہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہو تو شیطان پرستی، ملائک پرستی بھی یدعون من دون اللہ کے حکم سے خارج ہو جائے گی۔ (نعوذ باللہ نعوذ باللہ)

اعتراض چہارم: جمہور مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یدعون من دون اللہ سے اصنام لکڑی، پتھر کی مورتیاں مراد ہیں۔ جلالین، روح المعانی، بحر المحیط، فتح البیان مشہور و معروف مستند تفسیروں کی عبارتیں گذشتہ اشاعت میں درج کی جا چکی ہیں، یہ مفسرین اہل زبان تھے، محاورات عرب سے واقف تھے، کتاب و سنت کا علم صحیح رکھتے تھے، جمہور امت کے نزدیک معروف و مسلم حیثیت رکھتے تھے۔ ان سب کی تفسیروں کے صریح خلاف اصنام کو مودودی صاحب مستثنیٰ فرماتے ہیں اور ان اصحاب قبور کو اصنام کے بجائے تجویز کرتے ہیں۔ اور اصحاب قبور میں سے بھی انبیاء، صدیقین، شہدین اور صالحین کو چھانٹ چھانٹ کر یدعون من دون اللہ کا صریح قرآنی مفہوم بتاتے ہیں۔ یہ انبیاء اور صالحین سے بغض و عناد کی دلیل ہے ورنہ آیت میں لفظی صراحت تو درکنار کوئی اشارہ اور کنایہ بھی اس معنی میں نہیں ہے جو مودودی صاحب نے بیان کئے ہیں۔

اعتراض پنجم:۔ اموات غیر احیاء کا مصداق اصحاب قبور کو بتانے میں خطرناک غلطی کی گئی ہے کیونکہ اصحاب قبور سے انبیاء و صالحین مودودی صاحب نے مستخص کئے۔ اور واقعہ اس طور پر ہے کہ نبی علیہ السلام نے ہم کو خبر دی ہے کہ انبیاء علیہ السلام زندہ ہیں، اسی طرح صالحیت کے متعلق قرآن نے ہمیں بتلایا ہے کہ مومن صالح مرد ہو یا عورت وہ حیات طیبہ سے موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح

اصحاب قبور میں شہداء بھی شامل ہیں جن کو قرآن میں زندہ کہا گیا ہے اور ان کو مردہ کہنے کی ممانعت وارد ہے۔ پھر اموات غیر احیاء کہنا قرآن کا صریح انکار نہیں تو کیا ہے؟ تمام اصحاب قبور کو بلا استثناء انھوں نے اموات غیر احیاء کا مصداق بنا کر حیاتِ شہداء کے قرآنی اعلان اور حیاتِ انبیاء کی معروف و مسلم حقیقت کی خلاف ورزی اور صالحین کی حیاتِ طیبہ کے تردید کا ارتکاب کیا ہے۔ اور مسلمہ طور پر قرآن کی ایک آیت کا منکر پورے قرآن ہی کا منکر ہے۔

اعتراض ششم :- اموات غیر احیاء کے معنی مودودی نہیں سمجھے۔ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اموات غیر احیاء کا ترجمہ کیا ہے کہ مردے ہیں نہ کہ زندہ۔ اس ترجمہ سے جو انھوں نے کسی اردو ترجمہ سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ ان کا ذہن "اموات" سے مُردوں کی طرف اور مردوں سے اصحاب قبور کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس طرح وہ غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ اس سے اصحاب قبور مراد ہیں۔ حالانکہ۔

اموات غیر احیاء کے معنی ہی جمادات محض ہیں جو صفتِ حیات سے کبھی موصوف نہیں ہوئے محض بے جان ہیں۔

اموات غیر احیاء اموات سے مردے اور مردوں سے اصحاب قبور مراد ہوں تو کلام الٰہی میں اموات کے آگے غیر احیاء جو ارشاد فرمایا گیا بھر حشو و زائد قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اموات میں تمام ہی مُردے شامل ہیں اور مودودی صاحب کی مُراد "اموات" کے قرینے سے اصحاب قبور رہے۔ وہ "اموات" پر ختم ہو جاتی ہے۔ اموات کے "غیر احیاء" جو فرمایا ہے اس پر مودودی صاحب نے غور و تدبر نہیں کیا۔ اموات اور اموات غیر احیاء میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ انھوں نے صرف اموات کے معنی مردہ سمجھ لئے اور مردوں ہی پر اصحاب قبور مراد ہونے کا حکم لگایا۔ اموات کے آگے جو غیر احیاء فرمایا گیا ہے

اس کو برائے بیت بھرتی کے الفاظ سمجھکر ان کی طرف اعتنا نہیں کیا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن بلیغ ترین کلام ہے۔ ایسا بلیغ کہ طاقتِ بشری سے اس کی بلاغت خارج ہے۔ اس میں کوئی کلمہ غیر ضروری، بیکار، برائے بیت حشو و زوائد اور ضرورتِ شعری کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ غیر احیاء فرما کر اللہ تعالےٰ نے ان مردوں کو جو کبھی صفتِ حیات سے موصوف تھے۔ اس آیت کے مفہوم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں۔ یعنی وہ جو اصحابِ قبور مراد لیتے ہیں۔ اور ان اصحابِ قبور کو اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں مستثنیٰ فرمایا ہے کیونکہ وہ اموات ہوں بھی تو غیر احیاء نہیں ہیں ان پر احیاء کا اطلاق ہو چکا ہے۔ حیات ان کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔ وہ احیاءً کا مصداق رہ چکے ہیں اس لئے اموات کے حکم میں صرف وہی چیزیں آسکتی ہیں جو کبھی صفتِ حیات سے موصوف نہیں ہوئیں احیاء کی صفت میں کبھی اس کا کوئی مقام ہی تجویز نہیں ہوا۔ حیات سے ان کو کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ زندگی سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں پڑا۔ حیات سے مطلقاً خالی اور زندگی سے بالکل بے بہرہ۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی چیزیں ہیں جنھیں حیات سرے سے ملی ہی نہیں۔ اصنام اور مورتیاں ہی ہیں جو محض بے جان اور بے روح جمادات ہیں۔ یہی معنی ہیں اموات غیر احیاء کے جو اموات کے معنی سے ممتاز ہیں۔ ہمارے قول کی تائید تفسیر فتح البیان سے ہوتی ہے جہاں اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں۔

ان هذه الاصنام اجسادها
جماد میتة لاحیاة لها اصلاً
خزانه قوله غیر احیاء لبیان
انها لاجساد التی یمیتون
بعد ثبوت الحیاة لها مثل

ان مورتیوں کے جسم بیجان پتھر کے
جسم ہیں۔ انہیں بالکل کوئی زندگی
نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اموات
کے آگے غیر احیاء کا جو اضافہ فرمایا
ہے وہ اسی حقیقت کو بیان کرنے

لاحیات لھذہ الاصنام اصلا۔ | کے لئے ہے کہ یہ مورتیاں ان بعض اجسام کی طرح نہیں ہیں جو ثبوتِ حیات کے بعد مردہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ مورتیاں سرے سے کوئی حیات رکھتی ہی نہیں ہیں۔

اموات غیر احیاء جو قرآن میں وارد ہوا ہے اعجاز بلاغت ہے۔ دریا کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ تدبر فی القرآن سے مراد حق تک اہل ایمان کی رہنمائی ہوتی ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اموات غیر احیاء سے اموات کی دو قسمیں متعین ہوئیں۔

(۱) اموات غیر احیاء

(۲) اموات عین احیاء

اس طرح ان دونوں اقسام کے متقابل دو قسمیں متعین ہوئیں۔

(۱) احیاء غیر اموات

(۲) احیاء عین اموات

قرآن نے کفار و مشرکین کو جو بظاہر زندہ ہیں مردہ کہا ہے۔ وجہ ظاہر ہے وہ صورت میں زندہ ہیں سیرت میں مردہ ہیں۔ لفظوں میں زندہ ہیں معنوں میں مردہ ہیں ظاہر میں زندہ ہیں باطن میں مردہ ہیں۔ اسم جسم رسم میں زندہ ہیں حقیقت میں مردہ۔

قاعدہ کلیہ ہے الجنس الی الجنس یمیل کند ہم جنس باہم جنس پرواز، کفار و مشرکین خود مردے ہیں اس لئے وہ جن معبودین کو پوجتے ہیں۔ ان کے وہ معبودین مردے ہی ہیں" اموات غیر احیاء "، احیاء عین اموات"۔ جیسے دیوتا ویسے پجاری۔

اس کے برعکس مومن صفاتِ الٰہی میں فنا ہو کر خدا کے ساتھ باقی ہیں، انکو

موت سے کوئی تعلق نہیں۔ اختیاری موت سے مر کر اموات میں احیاء کا مصداق ہوتے ہیں اور مرتبہ شہادت "من شہد بالحق غیب الغیب" کے مشاہدہ میں قائم و دائم ہو کر احیائے غیر اموات کا مصداق ہوتے ہیں۔

زندہ آنست کہ با دوست لقائے دارد

اعتراض ہفتم (الف)

قرآن سے قرآن کی تفسیر کے اصول سے بھی مودودی صاحب ناواقف محض ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی قرآنی آیت کی تفسیر لکھتے وقت اس مضمون کی دوسری آیتوں پر ان کا لحاظ نہیں ہوتی اس کی وجہ قرآنی آیات کے وہی معنی جو مودودی صاحب نے بیان کئے ہیں مراد لئے جائیں تو لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا کا مصداق ہو جاتا ہے۔ آیات قرآنی میں تضاد اور اختلاف لازم آتا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت میں یدعون من دون اللہ سے انھوں نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اصحاب قبور مراد لئے ہیں۔ مگر دوسرے مقامات پر جہاں قرآن مجید نے یدعون من دون اللہ کی صراحت فرمائی ہے۔ وہ مقامات انکی نظر سے یا تو پوشیدہ رہ گئے یا پھر انھوں نے دیدہ و دانستہ آنکھیں بند کر کے جو جی میں آیا تفسیر کے نام سے لکھدیا۔ ہم ان مقامات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جہاں یدعون من دون اللہ کے معنی خود اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائے ہیں اور مودودی صاحب کے علم و فہم کو مراد حق سمجھنے کی سعادت سے محروم رکھا گیا۔

قل انی نہیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو کہ تم لوگ اللہ کے سوائے جن دوسروں کو پکارتے ہو۔ ان کی بندگی کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔ (ترجمہ تفہیم القرآن ص ۵۴۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ (من دون) غیر اللہ کو پکارنے کے یہ معنی

ہیں کہ غیر اللہ کی بندگی عبادت اور پرستش نہیں کی جائے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کفار و مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ وہ اصنام تھے اور اجسام کو وہ (الٰہ اور آلھتہ) معبود اور معبودین کے نام سے پکارتے تھے، تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان "معبودین" باطلہ، کی بندگی سے منع فرمایا جن کی اس حکم کے مخاطب کفار و مشرکین بندگی کرتے تھے۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ الوہیت کے اعتقاد سے غیر اللہ کی عبادت کرنا ہی یدعون من دون اللہ کا مصداق ہے۔ اس کو مختلف پیرایہ بیان میں اللہ نے منع فرمایا ہے جیسے

(الف) لا تدع مع اللہ الٰھا آخر اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ کو مت پکارو۔ اس سے اگر محض غیر اللہ کا اللہ کے ساتھ پکارنا ممنوع سمجھا جائے اور بقول مودودی صاحب من دون اللہ سے انبیاء مراد ہوں تو لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پکارنا اذان و اقامت میں شرک ہوگا نعوذ باللہ اور لا تدع مع اللہ الٰھا آخر کی نہی تمام مسلمانوں کیطرف رجوع کریگی کیونکہ الٰہ حقیقی کے سوا جو معبودین باطلہ اور بناوٹی معبود ہیں وہ بقول مودودی صاحب اصحاب قبور ہیں جن میں خاص طور پر انبیاء و صالحین کا نام انھوں نے تجویز کیا۔ پھر انبیاء کو بناوٹی معبودوں میں شامل کرکے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ میں کلمۂ رسالت کو آدم صفی اللہ سے لے کر محمد رسول اللہ تک آدم سے تا ایندم اعلانِ شرک قرار دیتا ہے۔ (تفو بر لبکار شیطان)

(ب) دوسری آیت مبارکہ ہیں جس سے مودودی صاحب کے اوہام فاسدہ اور عقائد باطلہ کی جڑیں صاف کٹ جاتی ہیں اور یدعون من دون اللہ سے جو مراد حق ہے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے ملاحظہ کیجئے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا " (النساء رکوع ۱۸)

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ خود مودودی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں۔

وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں۔

آپ نے دیکھا وہی یدعون من دون اللہ سے اصحاب قبور مراد لینے والے مجتہد اور مجدد دین جو مورتیوں اور شیاطین کو مستثنیٰ قرار دینے والے بناوٹی معبودوں میں انبیاء اور صالحین کو خاص طور سے مشخص کرنے والے، یہاں یدعون من دون اللہ کے کیا معنی بیان کر رہے ہیں وہاں من دون اللہ سے مورتیاں اور شیاطین مراد نہیں یہاں مورتیاں اور شیاطین مراد ہیں۔ اس تعارض اور تضاد کا کیا ٹھکانہ ہے اس سے بڑی ہٹ دھرمی اور انبیاء و صالحین سے عداوت کوئی ہو سکتی ہے کہ یدعون من دون اللہ کی جو صراحت قرآن مجید نے خود کی ہے۔ وہ مودودی صاحب کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ دیویوں کو معبود بنانا اور باغی شیطان کو معبود بنانا یہاں (اناث) اور شیطان کے لئے کھلم کھلا قرآنی اعلان موجود ہے کہ کفار و مشرکین ان کو اپنا معبود بناتے ہوئے ہیں۔ وہ بناوٹی معبود، مورتیاں اور شیاطین ہی ہیں جیسا کہ خود مودودی صاحب کو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑا کہ یہاں راہ فرار مسدود تھی۔ فاسد قیاس آرائی اور بر خود غلط اجتہاد کے دروازے قرآنی اعلان سے بند ہو چکے تھے پھر بھی آیتِ مبارکہ میں جو حصر کا مفہوم تھا اس کو یا تو کم علمی کی وجہ سے سمجھ ہی نہ سکے یا جانتے ہوئے ترجمہ میں خیانت کی، آیت مبارکہ کا صحیح ترجمہ جب ہی ہو گا کہ مشرکین کے حق میں بت پرستی اور شیطان پرستی کا حصر، جو قرآنی منشا ہے ثابت کیا جائے۔ وہ اس طرح ہو

سکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑکر صرف بتوں ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑکر وہ صرف شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ شرک دو امر میں منحصر ہے۔

(۱) اعتقاد الوہیت میں خدا کے ساتھ غیر خدا کو شریک کرنا۔

(۲) اعتقاد الوہیت کے ساتھ غیر خدا کی عبادت کرنا۔ اس طرح مشرکین کی تعریف بھی واضح ہوگئی۔

(۱) وہ بتوں اور شیاطین کو اعتقادِ الوہیت میں ان کو الٰہ حقیقی کے ساتھ شریک سمجھتے تھے۔

(۲) وہ بتوں کو اور شیاطین کی اعتقاد الوہیت کے ساتھ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح یدعون من دون اللہ سے جو مراد حق ہے وہ بھی غیر مبہم الفاظ میں واضح ہوگئی۔

(۱) یدعون من دون اللہ سے صرف مورتیاں مراد ہیں۔

(۲) یدعون من دون اللہ سے صرف شیاطین مراد ہیں۔ جو ان مورتیوں کے ساتھ اس دنیا میں ہیں اور قیامت کے دن ان مورتیوں کے ساتھ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے۔

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم اے مشرکین تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم سوائے خدا کے پوجتے ہو۔ سب کے سب دوزخ میں جھونکے جائیں گے یا جیسا کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مورتیوں کو جاندار بنا کر محشور فرمائیگا۔ ان بتوں کے ساتھ ان کے شیاطین بھی ہوں گے پھر ان سب کو جہنم میں جھونک دیئے جانے کا حکم دیا جائے گا۔

ان وضاحتوں کی روشنی میں کوئی مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان

ایسی ناپاک جرأت کر سکتا ہے کہ شیاطین اور بتوں کے بجائے خدا اور رسول کی مراد کے خلاف یدعون من دون اللہ سے انبیاء اور صالحین مراد ہونا بیان کرے۔ خدا کی پناہ ہزار بار پناہ۔ تمام بناوٹی معبود جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ تو بناوٹی معبودوں میں نبیوں کو صدیقین کو شہیدوں کو اولیاء اللہ کو نام لے کر گنانا اور اس ناپاک خیال کو قرآن کا مفہوم بتانا سب کو جہنمی قرار دینا ہے۔ توبہ۔ توبہ۔

تمام بناوٹی معبودوں کا جہنم میں جانا قرآنی فیصلہ ہے۔ مودودی صاحب کے علم سے آخر یہ اعلانات قرآنی کس طرح باہر تسلیم کئے جائیں۔ پھر ان بناوٹی معبودوں میں انبیاء اولیاء شہداء صالحین کو آخرہ کس دل سے شامل کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا ہے۔؟

قرآن میں دوسری جگہ وارد ہوا ہے۔ لوکان ھٰؤلآءِ آلھۃً مّا وردوھا یعنی اگر بناوٹی معبود مورتیاں واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔

انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین بالاتفاق انعمت علیہم کا مصداق اللہ کی طرف سے صاحبانِ نعمت ہیں۔ اہلِ نعیم ہیں۔ صراطِ مستقیم کے قائد امام رہنما ہیں۔ اگر وہ بقول مودودی صاحب یدعون من دون اللہ کا خاص طور سے مصداق ہوں گے۔ اور وہ جو یدعون من دون اللہ کا مصداق ہیں جہنم میں جائیں گے جیسا کہ قرآنی اعلان ہے۔ تو پھر انبیاء صدیقین، شہیدین وصالحین جہنم میں جائیں گے۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔

لیکن اس تجویز کے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ یہ نفوس قدسیہ اگر جہنم میں وارد ہوئے تو جہنم جنت بن جائے گا۔ آگ گلزار ہو جائے گی۔ دوزخ تو مومن ہی سے پناہ مانگتی ہے کہ یا اللہ مجھکو بندۂ مومن سے محفوظ رکھنا۔ مومن کا وہاں گذر ہوگا تو دوزخ عرض کرے گی۔ جز یا مومن ان نورک یطفی ناری۔

اے مومن جلدی سے گذر جا۔ تیرا نور تو میری نار کو بجھائے دے رہا ہے۔ مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

در حدیث آمد کہ مومن در دعا | چوں اماں جوید ز دوزخ از خدا
دوزخ از وے ہم اماں جوید بجاں | کہ خدایا دور دارم از فلاں

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ مومن جب خدا سے یہ عرض کرتا ہے کہ وقنا ربنا عذاب النار یا اللہ مجھے دوزخ سے بچانا تو دوزخ بھی اللہ سے یہ التجا کرتی ہے کہ یا اللہ مجھکو اپنے اس بندہ مومن سے بچانا مفسر مجتہد اور مجدد ہونے سے پہلے اگر وہ طالب علم ہوتے یا قرآن کسی سے پڑھا ہوتا سمجھا سیکھا ہوتا کسی عالم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہوتا کسی مستند درسگاہ سے تحصیلِ علم کی ہوتی جو شخص علوم ظاہری کی تحصیل میں کسی استاد کی ضرورت نہ سمجھے اور علوم باطنی کی تحصیل میں کسی شیخ کی ضرورت نہ سمجھے ایسا بے استاد بے پیر خود رائی اور خود بینی میں مبتلا ہوکر جو کچھ بھی ذکر کرے کم ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔ من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان جس کا کوئی استاد نہیں اس کا استاد شیطان ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں ۔

ہر کہ او بے مرشدے در کار شد | او ز غولاں ہر زہ د د چار شد

جو شخص بغیر مرشد کے راستہ اختیار کرتا ہے وہ غول بیابانی اور شیاطین کا ہم سفر ہوتا ہے۔

بے عنایات حق و خاصان حق | گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اللہ اور اولیاء اللہ کی عنایتوں کے بغیر انسان تو انسان فرشتہ بھی ہو تو ان عنایتوں سے محروم ہونے کی وجہ سے اس کا نامہ اعمال سیاہ ہے۔

اعتراض ہشتم

مودودی صاحب اصولِ دین سے بھی واقف نہیں۔ یدعون من دون اللہ غیر اللہ کو پکارنے کا کیا مطلب ہے۔

وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یدعون من دون اللہ سے یعبدون من دون اللہ مراد ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ورنہ پھر ظاہر ہے کہ جو شخص غیر اللہ کو معبود نہیں جانتا نہ اس کی پرستش کرتا ہے، وہ غیر اللہ کو پکارتا ہے، آواز دیتا ہے۔ یہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ غیر اللہ کا پجاری ہے۔ پھر جو شخص کہ صفات الوہیت اور اللہ کی معبودیت میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے۔ تو اس میں اصحاب قبور کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر زندہ انسانوں کو کوئی معبود سمجھتا ہے یا جن، شیاطین فرشتوں، جانوروں، درندوں، پہاڑوں غرضیکہ جمادات نباتات، حیوانات میں سے کسی کو بھی پوجتا ہے۔ ہر معبود باطل یدعون من دون اللہ کا مصداق ہوگا۔ اس میں کوئی تخصیص کوئی استثنا درست نہ ہوگا۔ رہا یہ شبہ کہ اموات غیر احیاء کا جملہ مردہ پرستی کے لئے مشکل ہے یہ وہم باطل ہے۔ ... اس طرح رفع ہوگا کہ یہ جملہ اموات غیر احیا معبودین باطلہ کی صفت نہیں ہے بلکہ پجاریوں کی صفت ہے، یعنی کفار و مشرکین کو مردہ کہا گیا ہے کہ وہ مردہ ضمیر ہیں مردہ دل ہیں، اس مدعا پر ہم قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار کو قرآن نے مردہ کہا ہے حالانکہ دیکھنے میں وہ زندہ نظر آتے ہیں۔

اعتراض نہم

من دون اللہ سے تمام مفسرین نے اصنام مراد لئے ہے۔ اس کی وجوہات مودودی صاحب کے علم سے باہر ہیں۔ مثلاً

الف:- وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ آیات کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں پھر ان آیات کو مسلمانوں کے حق میں نافذ کرنا جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں۔ آیاتِ قرآنی کو اپنے مقام سے ہٹانا ہے اور یہ اہل ہوس کا شعار ہے۔

(ب) نزول آیات کے وقت عہد نبوی میں خود مسلمانوں کا ارباب من دون اللہ کا پرستار ہونا عقل و نقل سے ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ مودودی صاحب کی تفسیر سے یہ لازم آتا ہے کہ عہد نبوی میں مسلمان پرستارانِ غیر اللہ موجود ہوں اور ان کے حق میں یہ آیات نازل ہوئی ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے ان آیاتِ مبارکہ کا جو مطلب آج بیان کر رہے ہیں وہ اس مطلب سے قطعی مخالف اور متضاد ہے جو مطلب کہ خدا و رسول کی مراد ہے اور جو عہد نبوی میں سمجھا سمجھایا گیا تھا لازم ہے۔

(ج) عہد نبوی میں زیارتِ قبور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آپ نے زیارتِ قبور اور مافی القبور کی خبر دی ہے۔ مثلاً مردوں پر عذاب و ثواب ہونا۔ قبر کا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہونا یا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہونا۔ آپ کی دعا سے عذابِ قبر رفع ہونا پھر آدابِ زیارتِ قبور میں آپ کا یہ تعلیم فرمانا کہ صاحبِ قبر کو سلام کیا جائے۔ سماع موتی پر دلالت کرتا ہے۔ لیسمع قرع نعاله (البخاری) صاحب قبر قبر پر آنے جانے والوں کے پاؤں کی چاپ بھی سنتا ہے۔ اے عمر یہ مردے تجھ سے زیادہ سنتے ہیں یہی حال موتی کے دیکھنے کا ہے وہ قبر سے باہر کے مردوں کو بھی دیکھتا ہے زائرین کو پہچانتا ہے۔ منکر نکیر کو دیکھتا ہے۔ ان کے سوالات سنتا ہے جوابات دیتا ہے اور ما تقول فی ھذا الرجل اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ ؟ حدیث مبارکہ کا یہ جملہ نہ صرف سماع موتی پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ

اللہ تعالیٰ کی سبعہ صفات، امہات علم، حیات، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام اس مظہر اسم ممیت سے متعلق ہونا ظاہر کر رہا ہے، اگر مقبور ان صفات سے موصوف نہ ہو تو پھر قبر میں سوال وجواب عذاب وثواب کے کچھ معنی نہ ہوں ان حقائق سے بے خبری ...... ہی مقبور کو مٹی کا ڈھیر کہنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ اور مایشعرون ایان یبعثون کا مصداق قرار دے سکتی ہے ورنہ کوئی صاحب ایمان وان الدار الآخرۃ لہی الحیوان لو کانوا یعلمون (بے شک منزل آخرت ہی حقیقی زندگی کی منزل ہے۔ کاش تمھیں معلوم ہوتا) کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی مسلمان اس سے منحرف ہو سکتا ہے۔ کہ آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل قبر ہے۔

جہاں ظاہر پرستوں کی سطحی نگاہیں زندگی کے ختم ہونے کا یقین حاصل کرتی ہیں ٹھیک اسی نقطہ سے صحیح معنوں میں اصلی زندگی شروع ہوتی ہے جہاں مادہ پرست نگاہیں انقطاع حیات کا حکم لگاتی ہیں عین اسی مقام پر ایمان کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ حیات حقیقی کا آغاز ہوا ہے؟

اعتراض دہم مایشعرون ایان یبعثون کے معنوں میں مودودی صاحب نے سخت غلطی کی فاحش اور خطرناک بھی۔ خصوصاً لکڑی پتھر کی مورتیوں کو من دون اللہ سے خارج کرنے میں جہاں انھوں نے حکم لگایا کہ مایشعرون ایان یبعثون کے الفاظ ان مورتیوں کو خارج از بحث کر دیتے ہیں اور یہ کہ ان مورتیوں کے محشور ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت دن بتوں کو مبعوث فرمائے گا۔ اس مقام پر مودودی صاحب کا احادیث سے بے خبر ہونا ثابت ہوا۔ یا انھوں نے اپنی رائے کو حدیث

کے مقابلہ میں زیادہ قبیح سمجھا۔

وجہ غلطی محاورہ شرعی نہ سمجھنے کی غلطی سرزد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرع شریف میں دعوت، نداء اور دعا جو کتاب و سنت میں وارد ہوئے ہیں۔ ان سے مدعو کی الوہیت کا اعتقاد کے ساتھ اقرار کرنا ہے۔ نہ کہ صرف پکارنا، یا محض آواز دینا۔ مثلاً کلام الٰہی میں ہے۔

(۱) ومن یقل منہم انی اللہ من دونہ فذالک نجزیہ جہنم	فرشتوں میں سے جو کوئی یہ اعتقاد کرے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں تو اس کو جہنم میں اس کا بدلہ دوں گا۔
(۲) لا تقولوا ثلثۃ ولا تتخذ وا الٰہین اثنین انما ھو الٰہ واحد۔	تین خداؤں کا اعتقاد نہ رکھو اور دو خداؤں کا عقیدہ اختیار کرو کوئی خالق نہیں ہے مگر خدائے واحد۔

اسی طرح ومن یدع مع اللہ الٰہًا آخر، میں دعا سے مراد دوسرے خدا کا اعتقاد ہے نہ کہ صرف پکارنا یا آواز دینا۔ یہ معنی جو محاورہ شرعی میں اگر مودودی صاحب کو معلوم ہوتے تو وہ ہرگز یہ نہ کہتے کہ انبیاء و اولیاء من دون اللہ میں شامل ہیں۔ لہٰذا استغاثت کو شرک سمجھنا اور انبیاء کو اس میں شامل کرنا باطل مبنی بر جہل ہے اس کے چند وجوہ اور بھی ہیں۔

وجہ اوّل بفرض محال انبیاء و اولیاء من دون اللہ میں شامل ہوں تو بھی (ندا، دعا) اور منشاء شرک ان آیات میں اقرار اور اعتقاد الوہیت کے ساتھ مدعو کی دعوت یعنی پکارنا مراد ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے بتوں کو الٰہ اور معبود کہتے تھے۔

وجہ شرک ان بتوں کے حق میں اقرار الوہیت اور ان کی عبادت کرنا ہی وجہ شرک تھا یا کوئی اور چیز۔ پھر وہ کون سا مسلمان ہے جو انبیاء اور اولیاء کے حق میں اقرار الوہیت کرتا ہے؟ تاکہ لا تدع مع اللہ الٰہا آخر کی نہی اس کی طرف رجوع کرے۔

وجہ دوئم اللہ تعالیٰ معبودانِ کفار کے حق میں لا ینفع ولا یضر (نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان) فرماتا ہے ان آیتوں کا مصداق انبیاء اور اولیاء کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیاء نفع نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں۔ حالانکہ انبیاء رحمۃ اللعالمین وشفیع المذنبین ہادی مضلین، سراپا خیر و برکت اور دافع حرج و معفرت ہیں۔ انبیاء کو بتوں کی طرح لا ینفع ولا یضر سمجھنا کس قدر ایمان فروشی ہے؟

وجہ سوئم پیغمبر کی عاجزی اور مجبوری کا گمان انکار نبوت کو مستلزم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں عالم کا نظم انبیاء کے سپرد فرمایا ہے، اگر نبیوں کو قدرت تام اور تصرف عام خدائے تعالیٰ نہ فرماتا تو فریضہ نبوت کا سر انجام ہونا ممکن ہوتا سو اگر قہر کا ارادہ کریں تو عالم ایک آن میں برباد ہو جائے۔ ان کے مہر سے ویران ملک ایک آن میں آباد ہو جائیں جیسا کہ قصص و معجزات اور واقعات قہری قوم نوح وعاد و ثمود و موسیٰ اور فرعون سے کلام اللہ بھرا ہوا ہے۔

وجہ چہارم انبیاء اور اولیاء اللہ سے استعانت کا انکار اس سبب سے کیا جاتا ہے کہ منکرین ارواح کاملین اور ارواح ناقصین میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے فیر و شر

اور نفع و ضرر کی قدرت اپنے اختیار میں رکھی ہے کسی جن کسی آدمی کسی فرشتہ کسی نبی کسی ولی کو کسی کام کی کوئی قدرت اور کسی بات کا کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔

اختیار سے مراد اگر انبیا کی ذاتی حول و قوت مراد ہے جو خدا کی طرف سے نہ ہو تو اس معنی میں کوئی مسلمان قائل نہیں اور اگر اختیار سے خدا کی بخشی ہوئی حول و قوت مراد ہے جو خدا کی طرف سے نہ ہو تو اس معنی میں کوئی مسلمان قائل نہیں۔ اور اگر اختیار سے خدا کی بخشی ہوئی حول و قوت مراد ہے تو اس اختیار کا انکار خلاف عقل و نقل ہے۔ شیاطین اور جن و ملائک کے تصرف و قدرت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح قرآن شریف ناطق ہے۔ کہ حضرت آصف وزیر حضرت سلیمان نے جو کہ ولی تھے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں لاکر رکھدیا۔ حضرت مریم ولیہ تھیں۔ یہ ان کی کرامت تھی کہ مسجد بیت المقدس کی محراب میں گرمیوں کے میوے سردی میں اور سردیوں کے میوے گرمی میں موجود ہوتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

کلما دخل ذکریا المحراب وجد عندھا رزقا

حضرت ذکریا علیہ السلام مسجد کی محراب میں جب بھی داخل ہوئے تو حضرت مریم کے پاس اشیاء خوردنی تر و تازہ میوے پاتے۔

تبصرے پر تبصرہ

ماہنامہ فاران جون ۵۶ء میں زیر عنوان ہماری نظر میں محترم مدیر رسالہ ماہر القادری صاحب ماہنامہ تلخیص پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔

(خلاصہ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا کے سامنے ایک اعلیٰ مدبر سیاسی اور مثالی حکمراں کی حیثیت سے اب تک پیش کیا جاتا رہا

لیکن ماہنامہ تاج نے اپنی اشاعت مجریہ ماہ اپریل میں صاحب کشف و کرامت کی حیثیت سے پیش کیا ہے)

ماہر صاحب کے یہ خیالات قابلِ قدر ہیں مگر ماہنامہ تاج، پر تبصرہ کے سلسلے میں ان کو پیش کرنا جس سے اس رسالہ کی اہمیت میں فرق آئے حیرت انگیز بات ہے مدیر "فاران" کو سمجھنا چاہیے کہ اگر کسی اعلیٰ شخصیت کی زندگی کے مختلف پہلو ہوں اور ہر پہلو اپنی جگہ مثالی ہو تو کسی فن میں اس پہلو کو زیر غور لایا جائے گا جو موضوع کتاب کے مناسب ہو بلا شبہ جب اسلامی سیاست کا ذکر آئیگا تو آپ ——— سیدنا فاروق رضی کے کشف و کرامات کیا۔ ہم حضور سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم کے معجزات سے بھی بحث نہیں کریں گے۔ جناب ماہر صاحب کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ ماہنامہ تاج، تصوف کا ترجمان ہے یہاں تجلیاتِ روحانی ہی سے بحث کی جائے گی اور کشف و کرامات انھیں تجلیات کی شعاعیں ہیں۔

۲۔ کلمۃ الحق کی عبارت نقل کرنے کے بعد ماہر القادری صاحب اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی ؒ کے بیان کے مطابق صوفیاء کی ایک محدود جماعت کے سوا سلف سے لے کر خلف تک تمام عوام و خواص مسلمان جن میں محدثین و مفسرین وغیرہم بھی داخل ہوں کلمۂ طیبہ کے منحرف اور مرتکب شرک قرار پاتے ہیں حالانکہ جنبیت اور غیریت کا نظریہ یونانی عجمی اور آریائی ہے اس کو اسلامی تصورات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

یہ باتیں بڑی دقیق ہیں جن کو ماہر صاحب کا علم و فہم برداشت نہیں کر سکتا پھر بھی ان کے جذبات کا ہم احترام کرتے ہیں اور ان کی حق گوئی کی داد دیتے

ہیں کہ ایک سچے مسلمان کی طرح ایمان اور عقائد کے متعلق اپنے نظریات برملا پیش کر دیئے۔ ذیل کی چند سطروں میں ہم ماہر صاحب کے علمی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مخلوق ظلمت امکان و حدوث میں اس طرح تہ بہ تہ لپٹی ہوئی ہے کہ تو بحت کی تجلیات کا مشاہدہ اور حقیقت الحقائق کی معرفت اس کے بس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی معرفت کی نعمت عطا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق فرمایا جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں بھی اسی لئے کلمہ توحید میں اقرار الوہیت کے ساتھ اقرار رسالت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسّلام توحید کا جزو قرار پایا اور نہ توحید میں تشریک کیسی؟ ایک کے اقرار کے لئے دوئی کا اعلان ہو رہا ہے۔ ماہر صاحب ذرا قرآن پڑھئے سیدنا یعقوب علیہ السّلام اپنے مرض وفات میں تمام اولاد کو بلاتے ہیں اور وصیت کرتے ہیں جن میں ایک وصیت یہ ہے کہ میرے بعد تم لوگ کس کی عبادت کرو گے۔ تمام مکرم و محترم بیٹوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰق اللہ و احد کیا آج کل کے تیس مار خانوں کی طرح بنی اسرائیل کا قبائلی خدا دینا والوں کے خداؤں سے علیحدہ تھا۔ جو ان بزرگوں نے اپنے آباء کرام کی نسبت سے ایک خدا کی پرستش کا اعلان کیا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی معرفت انبیاء علیہ السّلام کی وساطت و وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے اللہ کی حقیقی معرفت تو انبیاءؑ ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ رہے عوام تو ان کی معرفت کا سارا تعلق نبی کی تصدیق پر موقوف ہے جس طرح مقتدی کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے۔ جو شخص نبیؐ کی ذات سے جتنا قریب ہوتا جائے گا ان کے فیضان

کے نتیجہ میں اللہ رب العزت کی معرفت سے بقدر مراتب بہرہ ور ہوگا۔ اگرچہ نجات کے لئے نفس تصدیق رسالت کافی ہے لیکن تصدیق رسالت سے حقیقتِ الٰہی کی معرفت ضروری نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ آخری مقتدی جو امام سے بہت پیچھے صف کے دور آخری حصے میں ہے۔ نماز اس کی بھی ہو جاتی ہے لیکن امام سے متصل جو ذوی الاحلام ہیں بہرحال ان کی نماز زیادہ فضیلت و رفعت کا مقام رکھتی ہے بلکہ اصل نماز امام کی ہے۔ اسی لئے قرأتِ فاتحہ وضم سورہ امام پر واجب ہیں اور مقتدی کی نمازیں متابعت امام میں مستحق ہوتی ہیں لہٰذا ان کے ذمے قرأت، فاتحہ، وضم سورہ عائد نہیں ہوتے۔

کاش ماہر القادری صاحب اگر مضمونِ کلام کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ تو کم از کم مولانا عبدالرحمٰن کی پوری تحریر ہی پڑھ لیتے تو اس مسئلہ زیر بحث میں دلائل سے ثابت کرتے ہوئے مولانائے مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لفظوں میں بیان کر دیا کہ تمام علماء و عوام جو کلمۂ توحید کے جزو ثانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ صاحب ایمان ہیں۔ یہ اور اس طرح جزو اول لا الٰہ الا اللہ کے بھی تبعاً و تضمناً مصدق ہیں۔

شاید ماہر صاحب اس وضاحت کو بھی نہ سمجھ سکیں تو ہم ایک اور مسلّمہ مثال کے ذریعہ ان کی تسکینِ خاطر کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہمارے آپ کے اور سلف سے خلف تک تمام ملّت اسلامیہ کے عقیدہ کی بنیاد ہے کہ حضور سیّد عالم ہر گناہ سے معصوم اور پاک ہیں اور کوئی الزام اعلانِ نبوّت سے پہلے یا بعد کے دور زندگی میں اگر متصوّر ہو تو ما تقدم من ذنبك وتاخر کی سند کی روح سے مغفور و بخشیدہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا یہ بھی جانتا ہے کہ للاخرۃ خیر لك من الاولیٰ حضور

اکرم علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ لاحق آن سابق سے بہتر ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام تصریحات کے باوجود حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ استغفار کی ہدایت ملتی رہی گناہ سے آپ ہر حال میں پاک تمام محامد آراستگی نے آپکو محمد اور آپکے مقام بلند کو بنادیا پھر بقول سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنکی طرف ماہر صاحب اپنا انتساب کرتے ہیں) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں ستر ہزار بار استغفار کرتے تھے غور طلب مسئلہ ہے کہ اللہ کا حکم اور حضور کی تعمیل کا مفہوم کیا تھا۔ اہل حق جانتے ہیں ہر استغفار سے شیون و تجلیات کا تجدد و تجدید وابستہ تھا اور آنحضرت لمحہ بہ لمحہ معرفت کی منزل اعلیٰ سے مقام اعلیٰ کیطرف ترقی کرتے رہے اور ہر مقام کی معرفت سابقہ عرفان کی غیر تھی اس لئے کہ شیونِ الہیہ اور تجلیاتِ حق میں تجدد ہے تکرار نہیں۔ مبدا فیاض بخیل نہیں ہے اور نہ اس کی صفات کے گرد حدود قائم ہیں نہ تکرار و سکون کا گذر ہے یہی حال کلمۂ توحید کی معرفت کا ہے لفظی و عامی مفہوم کلمہ بھی حق ہے جس کی تشریح علمائے مفسرین و محدثین کا کام ہے اور اس پاک کلمہ کے وہ مفہومات جو اہل شہود کو دوسرے مقامات میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی حق ہیں دونوں مفاہیم کی غیریت نجات اخروی سے مانع نہیں۔ غلطی دراصل یہ ہے کہ ایک مقام کے پیمانہ معرفت کو بلند تر مقام کے لئے بھی معیاری تسلیم کیا جائے۔

ماہر القادری صاحب جب معرفت کے ابتدائی مفہوم کو نہیں سمجھ سکتے تو نہیں معلوم حضرت عبدالقادر جیلانی کے اس قول کو سنکر کتنے پریشان ہوں گے کہ جب عارف مقام توحید میں پہنچتا ہے تو نہ خود رہتا ہے نہ خدا نہ جنت نہ دوزخ نہ کفر نہ ایمان نہ عذاب نہ ثواب وغیرہ اور یہ کہ من اسا د العباد بعد الوصول فقد کفر۔

ماہر صاحب اپنی بے علمی کا تو اقرار نہیں کرتے اور فہم قرآن کے مدعی ہوجاتے

یہاں کہتے ہیں کہ لا الٰہ کا مفہوم جو سیدنا قطب عالم لکھنوی نے بیان فرمایا وہ قرآن کی روشنی میں قابل رد ہے۔ کاش اتنا بڑا دعا اور ایسے الزام سے پہلے قواعد عربی اور لغتِ زبان کی پابندی کے ساتھ ان کلمات قرآنیہ کی تلاوت کر لیتے۔ ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئٍ علیم۔ نیز اس حقیقت مطلقہ کا ادراک کر لیتے کہ کان اللہ ولم یکن معہ شیئٌ اور اس کے ساتھ ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ ام خلقنا کم من غیر شیئٍ تو بقدرِ ضرورت حضرت صوفی عبدالرحمٰن صاحب کی تحریر سمجھ میں آجاتی۔

مذکورہ بالا سطور کی مدد سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوحات کے عبارت محولہ کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ماہرالقادری صاحب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ افعالِ عباد مخلوقۃ اللہ ہیں اور ہر مخلوق اپنے وجود وظہور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت وارادہ کے تابع ہے لہٰذا جو فعل بھی کسی بندے سے صادر ہوتا ہے اس کی ابتدا و انتہا اللہ جل وعلا کی مشیت وارادہ ہے چونکہ یہ مسئلہ خود اپنی جگہ بہت دقیق ہے کہ معتزلہ اور اہل السنت اشاعرہ کے دو مستقل گروہ بن گئے اور اصول وفروع میں دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں لہٰذا ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ماہر صاحب اگر چاہیں تو مدیر "تاج" کی طرف زبانی رجوع کر سکتے ہیں۔

ماہر صاحب بابا تاج الدینؒ کو شہنشاہ ہفت اقلیم کے کہنے کے متعلق جو مخالفت ہے وہ مطلق ہے نہ کہ مقید بہ ہفت اقلیم۔ اللہ کی شاہنشاہی کو اگر مقید کر دیں گے تو جرم ہوگا۔ مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ ربّ السماوات والارض ہے تقاضا ادب یہی ہے کہ ہم بھی ان دونوں مضاف الیہ کے ساتھ یا مطلق یا سم رب اللہ کو پکاریں کسی ایک مضاف الیہ پر اضافتِ رب کی قناعت گستاخی ہے یہاں

ہفت اقلیم کی قید کے بعد از روئے حدیث الزام کی گنجائش نہیں رہی ۔

دوئم :۔ حدیث قدسی ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے مقامِ تقرب حاصل کرلیتا ہے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے کان بن جاتا ہوں جن سے سنتا ہے ۔

خیر اس حیثیت کو آپ کیا سمجھیں گے کہ جب تک پیشتر کوئی وجودی وحدت نہ ہو موعودہ اتصال عقلاً ممکن نہیں ۔ مگر یہ تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ تقرب حق کے بعد ارادہ قدرت بندہ مقرب کے ذریعے سے بھی کائنات میں نافذ العمل ہوتا ہے اور بقول مولانائے روم ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لہٰذا بندۂ مقرب کے اختیارات در اصل اللہ بزرگ برتر کے اپنے اقتدار کا اظہار ہے ۔ خداوند قدوس اپنے مقام اطلاق میں شہنشاہ کل ہے مگر بندۂ مقرب کی وساطت سے اظہار قدرت میں بندہ مختار مقید ہوتا ہے تاکہ قدم وحدوث کا امتیاز باقی رکھا جائے ۔ لہٰذا شہنشاہ کل ہے یا شہنشاہ ہفت اقلیم حقیقی شہنشاہی تو اللہ ہی کی بالواسطہ بلا واسطہ دونوں صورتوں میں ہے ۔ فرق صرف اطلاق وتقیید اور قدم وحدوث کا ہے جو بہ پاس ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور ہفت اقلیم کی قید لگا کر اس میں امتیاز ظاہر کر دیا گیا ۔

ماہر صاحب عینیت وغیریت کے مسئلے کو یونانی، عجمی اور ویدانت کہہ کر خارج از اسلام قرار دے رہے ہیں کسی نظریئے کو رد کرنے کے لئے ماہر صاحب کا انداز بیان بالکل ناکافی ہے اس کی تردید وابطال کی کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے ۔ ہم آپ سبھی اقرار کرتے ہیں کہ وجود بحث کی معرفت اور اللہ بزرگ برتر کا عرفان

ایک ایسا مسئلہ ہے جو افکار انسانی کے لئے انسان اوّل سے شروع ہوا۔ ہر دور میں نبی آئے اور اللہ کی طرف بلایا۔ اور ہر زمانے میں انسان نے حقیقت الحقائق کی معرفت کی کوششیں شروع کیں۔ لہٰذا سابقہ تعلیمات کے اثرات اگر دنیا کی قدیم اور غیر قوموں کے عقائد و نظریات میں نظر آئیں تو آپ ان کو غلط کیونکر ٹھیرا سکتے ہیں۔ یا اپنے فہم و فکر اور عقل و شعور کی مدد سے انسانوں نے وجود الوجود کے ادراک کی سعی کی تو آپ اسے بالکل کلیہ باطل کس دلیل سے قرار دیں گے۔ ہاں اگر قرآن و حدیث عینیت و غیریت کی تردید کریں۔ تو آپ کا اعتراض صحیح تھا مگر حقیقت آپ کی موافقت نہیں کرتی۔ اور قرآن و حدیث آپ کی تائید سے دستکش ہیں اب آپ خود اپنا موقف سمجھ جائیں۔

ماہر صاحب نے بڑی نفیس بات کہی کہ شریعت تو ہر مسلمان کو مبارک ہے مگر شریعتِ محمدی جو منسوب ہے سیدنا رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اور وہ شریعت جو مخاطب کی طرف مضاف ہے اپنا حکم الگ الگ رکھتی ہے۔ تمام مسلمان آنحضرت کی شریعت کے پابند ہیں نہ کہ ہر فرد کی اپنی اپنی شریعت لوگوں پر لازم قرار دی جائے۔

ماہر صاحب آخر میں جناب سبھہ کی طرف سے فرستادگی پر اظہار پشیمانی کر رہے ہیں اور فٹ نوٹ میں قادیانیوں کو خردہ سنا رہے ہیں۔ کہ ان کے لئے تازیانہ ارسال کیا گیا ہے۔

حیرت ہے کہ فاران کے "مدیر" نبوت و رسالت کے مفہوم سے بھی غافل ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ قادیانیوں کے اور مسلمانوں کے درمیان مفہوم نبوت میں کیا اختلاف ہے؟

اچھا تو سن لیجئے کہ اصطلاح شرع میں نبوت و رسالت اللہ تبارک و تعالے کیطرف بعثت کا نام ہے اور نزولِ ملک اس نبوت کی تعریف میں داخل ہے۔ تمام مسلمان سلف و خلف بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم آخری مبعوث من اللہ صاحب نبوت و رسالت اور مہبط ملک ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث من اللہ نہیں ہوگا۔

جبکہ قادیانی اپنے مرزا کو مہبط ملک اور مبعوث من اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ دونوں فریق کا موقف ظاہر ہے جن میں ایک مومن اور دوسرا کافر ہے حضور سیّد عالم کو نبی آخر ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں اور عقیدہ اہل اسلام کی رو سے آنحضرت کے بعد کسی کو وحی صاحب وحی و مہبط ملک قرار دینے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ بابا تاج الدین ناگپوری کو پیغمبر فاطمی کہنے سے قادیانیوں کو فردہ سناتے ہیں تو یہ آپ کی ناواقفیت ہے۔ رہا یہ سوال کہ نبی عرفی شرعی کے علاوہ کسی اور کو از روئے لغت یا بہ اصطلاحِ خاص نبی و رسول کہہ سکتے ہیں یا نہیں تو یہ الگ بات ہے۔

سنئے زبانِ صوفیا میں ولایت ظل نبوت ہے اور ہر ولی کسی نہ کسی کے برزخ میں مقام رکھتا ہے اور کسی ولی کے لئے برزخ نبی کا حصول دراصل اس کے ایک منزل کی تکمیل ہے۔ یہاں پہنچکر وہ مختلف برازخِ انبیا سے گذرتا ہے۔ جب فیضانِ الٰہی سے برزخِ محمدی میں پہنچتا ہے تو پھر مقاماتِ محمدیہ کی تفصیلی سیر شروع ہوتی ہے اور یہی غیر نبی کی معراجِ کمال ہے۔ جبکہ انبیا علیہ السلام صفاتِ الٰہیہ کی سیر سے سرفراز ہوتے ہیں اور یہ ان کے کمالات ہیں۔ لیکن جب تک ایک غیر نبی ترقی کرکے کسی نبی کے برزخ میں پہنچتا ہے۔ متقدمین صاحبِ ولایت اسی کی تعیین کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ باطنی نشو و

عمل کے ذریعے قوس ولایت میں داخل ہو۔

بابا صاحب ناگپوری اگر اپنی تربیت کا ذکر فرمائیں اور برزخ نبی تک رسائی سے پہلے سیدہ پاک کے ظلِ ولایت کی تربیت میں رہیں تو سمجھدار اور واقف کار کے لئے مقام اعتراض نہیں ہے اور اس ظلِ فاطمی کا ذکر بہ لفظ پیمبر کیا جرم ہوگا۔

جبکہ رسول کا لفظ از روئے لغت عرف اصطلاحی مفہوم کے علاوہ بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سیدنا معاذ کو یمن کا والی بنا کر روانہ کر رہے تھے تو کچھ سوال وجواب کے بعد فرمایا کہ ساری حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے رسول کو توفیق خیر عطا فرمائی یہاں سیدنا معاذ کو بلقب رسول یاد فرمایا۔

ماہر صاحب کو جاننا چاہیئے کہ علماء کے نزدیک یہی مسئلہ قابل غور ہے کہ عجمی الفاظ اسلام کے اصولی اصطلاحات کی پوری نیابت کر سکتے ہیں یا نہیں اور اصل عربی اصطلاح کا حکم عجمی کلمہ اصطلاحی کی طرف منتقل ہو سکتا ہے یا نہیں لہٰذا جب تک پیغمبر اور نبی کو بہمہ وجوہ شرعاً مساوی نہ قرار دیا جائے ماہر صاحب کو خود ساختہ اجتہاد کا ثواب نہیں مل سکتا۔

تیری شریعت تجھے مبارک یہ ماہر صاحب نے طبع آزمائی فرمائی ہے جیسے وہ نہیں جانتے ہوں کہ قرآن مجید میں بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں صاحب الہام ولی یا نبی کو ظاہر احکام شرعی سے تجاوز کرنا پڑا ہے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے تو وہ موسیٰ اور خضر علیہ السلام کا قصہ قرآن میں پڑھیں۔

بیٹے کو ذبح کرنا شریعت ابراہیمی میں کہاں جائز تھا۔ مگر سیدنا ابراہیم

نے خواب میں مشاہدہ کیا کہ وہ اپنے صاحبزادے کو ذبح کر رہے ہیں۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ شرع و عقل سے تجاوز کر کے اپنے کشف پر سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے عمل فرمایا۔

ام موسیٰ پر الہام ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دو۔ کوئی ماں اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں دریا میں ڈالنا پسند کرتی ہے۔ نہ عقل و شرع اس کی اجازت دیتے ہیں۔ مگر صاحب الہام اس حکم کی تعمیل پر مجبور ہے۔ چنانچہ اُم موسیٰ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی۔

ماہر صاحب ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست　　سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

آخر میں پیمبر زہرا پر اعتراض ہے

ماہر صاحب اگر قرآن مجید سے واقف ہوتے تو یہ لغو اعتراض نہ کرتے شہر صبا کی ملکہ اپنے قاصد سلیمان علیہ السّلام کے پاس تحفہ تحائف کے ساتھ بھیجتی ہے۔ قرآن شریف میں قاصد بھیجنے والے مرسل اور قاصدوں کو مرسلین کہا گیا ہے۔ وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْہِمْ بِھَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ؀ (پ ۱۹ س کوع ۱۷) اور میں ان کی طرف کچھ تحفے بھیجتی ہوں، قاصد کیا جواب لے کر پھرتے ہیں؟)

اسی طرح سورۂ یوسف رکوع ۱۶ میں فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ (آپ کے پاس جب قاصد آیا تو فرمایا اپنے آقا کے پاس واپس جا۔)

ہم نے رسول کا ترجمہ قاصد کیا ہے اور رب کا ترجمہ آقا کیا ہے۔

قال یا قوم اتبعوا المرسلین (یٰسٓ رکوع ۲)

یہاں مرسلین سے رسول مراد نہیں کیونکہ صیغہ جمع ہے۔ تین یا تین سے زیادہ افراد پر جاتا ہے۔ اور تین رسول بیک وقت کسی قوم پر مبعوث نہیں ہو سکے۔ اسی لئے تمام مفسرین متفق ہیں کہ یہاں مرسلین سے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین مراد ہیں جو رسول ہی نہیں تھے رسول کے رسول تھے۔ جیسا کہ حضرت معاذؓ نے خود کو رسول اللہ کا رسول کہا ہے۔ اگر ماہر صاحب پیغمبر خدا اور پیغمبر پیغمبر ہیں کوئی امتیاز نہیں کرتے تو بے بصیرتی کی انتہا ہے اپنی فہم کا ماتم کیجئے۔ ہم نے قرآن و حدیث سے لفظ رسول کا اطلاق لغوی معنی میں ثابت کر دیا اور ارجع الی ربک میں مجازاً آقا کو رب کہنے کی نظیر قرآن کریم سے پیش کی ہے۔

دوسری آیت وارحمھما کما ربیانی صغیرا یاد آئی ماہر صاحب قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ کریں۔ ترجمہ پڑھیں تفسیر معلوم کریں اگر معترض یہ کہے کہ جس قرآن مجید میں اللہ نے اپنے آپ کو رب فرمایا ہے۔ اسی قرآن مجید نے آدمی کو آدمی کا رب کہا گیا ہے تو کیا جواب ہے؟ وہی جواب جناب سیدہ کی تربیت فرمانے پر آپ کو اعتراض ہے۔ اس کا جواب ہوگا۔!

ہم آخر میں ماہر صاحب کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ مذہب کے معنی راستہ کے ہیں پھر راستہ وہی اچھا ہے جس پر چلنے والوں کے متعلق ہمیں یہ رسید ملے کہ وہ خیریت سے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یا وہ راستہ اچھا ہے جس پر چلنے والوں کی کوئی رسید نہ آئی۔ نہ جانے کہ وہ کس گڑھے میں گر کر ہلاک ہو گئے۔

مسلمہ طور پر اولیاء اللہ کو تمام امت خدا رسیدہ تسلیم کرتی ہے، ملاء اعلیٰ میں ان کی مقبولیت کا اعلان ہو چکا ہے اور اہل ایمان کے قلوب میں ان کی محبت مقبولیت ودیعت کی گئی ہے۔ آپ اس راستہ کو اختیار کیجئے صراط الذین انعمت علیہم ہے، اس راہ راست سے کٹ کر دوسرا راستہ صرف مغضوبین اور ضالین کا ہے خدا ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

رہا یہ ارشاد "ہم معجزات وکرامات کے منکر نہیں مگر زمانہ کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے" (فاران) جواباً عرض ہے کہ من احب شیئاً فکثر ذکرہ ہمیں معجزات وکرامات کا ذکر اس لئے محبوب ہے کہ یہ محبوبین حق سے منسوب ہیں۔ لوگوں کو زمانے کے تقاضے اس لئے ملحوظ ہیں کہ ان کا روئے توجہ ابنائے زمانہ کی طرف ہے المرء مع من احب (الحدیث) ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ محشور ہوگا۔ اگر "تاج" میں کشف وکرامات کا ذکر خلاف مزاج زمانہ ہے تو پھر قرآن شریف میں معجزات وکرامات کا ذکر جو بکثرت موجود ہے اسکی نشرواشاعت بھی محل اعتراض ہوگی؟ استغفر اللہ

ماہر صاحب خوب جانتے ہیں کہ اس دور میں جو موثر اور کارگر حربہ دشمنان اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ وہ یہی زمانہ کے تقاضوں کا بہانہ ہے چنانچہ خود ماہر صاحب نے انتہائی غیض وغضب میں ان لوگوں کو بے دین، ملحد، مجوسی، کمیونسٹ کہا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی نظریے اس زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ فاران" صفحہ ۵ ۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اسی فاران میں صفحہ ۳۶ پر وہ خود زمانے کے تقاضوں کے قائل ہو گئے۔

ماہر صاحب! معادات اولیاء اللہ سے بچئے۔

آہستہ کہ رہ بر سر تیغ است قدم را

پھر تبصرہ پر تبصرہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

فاران نے پھر تبصرہ کے عنوان سے اپنی اشاعت اگست ۵۶ء میں ایک مضمون لکھا ہے، علم و ادب کی حدود سے گذر کر جو چاہے لکھا جا سکتا ہے جو چاہے کہا جا سکتا ہے۔ خصوصاً اس دور میں جبکہ لسانی، لفاظی اور زبان درازی کو علم سمجھا جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو دین خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی رائے اور خواہش کا نام لوگوں نے شریعت رکھ لیا ہے۔ مسلمانوں پر نکتہ چینی، ان کی عیب جوئی اور بدگوئی صالحیت کہلاتی ہے، اور علمائے دین، سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کو برائی سے یاد کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ انبیاء عظام اور اولیائے کرام سے بغض و عناد اور ان کے اقوال کی مخالفت کا نام اقامتِ دین رکھا گیا ہے اسلام کی معنویت کا انکار کرنا اسلام کی روحانیت کا مذاق اُڑانا احیائے دین کہلاتا ہے۔

مضمون زیر نظر میں ان باتوں کے علاوہ وجود باری کی وحدت کا تمسخر اڑایا گیا ہے۔ موحدین کو ہدفِ ملامت بنایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار دکھلایا گیا ہے۔ اولیاء اللہ کے تصرفات سے انکار کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم اور اور آپ کے اہلبیت اور آپ کے صحابہؓ کی حیاتِ طیبہ سے انکار کرتے ہوئے تبعنا روح کا امتناع تجویز کیا گیا ہے۔ اختیار ذاتی و عطائی کی تفریق کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔

اور یہ سب باتیں۔ لطف یہ ہے کہ قرآن کے سر منڈھ دی گئی ہیں۔ آیات سے سند پیش کی گئی ہے۔ یدعون من دون اللہ کے معنی میں مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن بڑے فخر و غرور سے بطور سند پیش کی گئی ہے۔

تفسیر ہے یا تحریف اس کی حقیقت آگے چل کر روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگی
یہاں ہم نے جمہور مفسرین کے اقوال کو جو یدعون من دون اللہ کے معنی میں نقل
کیا ہے یا تفسیر کبیر، ابن اثیر، تفسیر جلالین، تفسیر بحر المحیط، تفسیر روح المعانی، تفسیر
البیان میں جملہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یدعون من دون اللہ سے
اصنام اور جمادات مراد ہیں۔ مگر ان سب کے خلاف مودودی صاحب نے
اصحاب قبور مراد لئے ہیں۔ انبیاء، اولیاء اور صالحین کو من دون اللہ
مصداق ٹھیرایا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ داتا گنج بخش، غریب نواز،
کلکتہ، فریاد رس (غوث) کے نام لکھکر معاداتِ اولیاء کا مظاہرہ کیا ہے۔
صالحین کو انھوں نے زندہ کہا ہے اور نبیوں کو مردہ تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے
حشر و نشر اصنام کا صریح انکار کیا ہے، جہاں انھوں نے کہا ہے کہ لکڑی پتھر کی
مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے، حالانکہ ان کا
قول کتاب و سنت اور جمہور مفسرین کے خلاف ہے اور ان کفار کے اقوال
سے بالکل موافق ہے جو حشر اجساد کے منکر ہیں۔ جن کی تفصیلات آئندہ اوراق
میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں صرف یہ ظاہر کر دینا کافی ہے کہ مدیر فاران
نے اپنے عقائد کا سرچشمہ مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کو قرار دیا ہے اور
تسلیم کیا ہے اس لئے مزید شاہ ان کی تفسیر کو دیکھا اور بطور نمونہ اس کا رد کیا ورنہ
علمی اعتبار سے اس قسم کی تفسیر بالرائے کا مطالعہ کرنا نہ صرف تضیع وقت بلکہ
گناہ ہے۔

حق گوئی و بے باکی مدیر فاران کہتے ہیں۔ فاران نے جس بات کو حق سمجھا اس کی
حمایت میں کسی مصلحت خوف اور طمع کی پرواہ نہیں کی۔ اس نے
ڈنکے کی چوٹ اعلانِ حق کیا ہے۔ (فاران)

فاران کے صفحات شاہد ہیں کہ اس نے جس بات کو حق سمجھا ہے وہ مرد
مودودی صاحب کی بات ہے۔ اس کی حمایت اور حقانیت کا اعلان بے شک
وہ ڈنکے کی چوٹ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ "فاران" جولائی صفحہ ۷ پر ان کے یہ کلمات جو
بطور "اعلانِ حق" موجود ہیں۔

"ایسے مخلص حق شناس اور باہمت لوگ میدان میں آ چکے ہیں جو اللہ کے دین کو غالب کرنے کا سودا اپنے سروں میں رکھتے ہیں جو اسلامی انقلاب کی تحریک کے داعی ہیں جنھوں نے انتہائی ناسازگار حالت میں بھی اقامتِ دین کی جدوجہد کو جاری رکھا ہے کوئی رکاوٹ انھیں اپنے مقصد اور مشن سے دل برداشتہ نہیں بناتی خدا کے ان نیک اور مخلص بندوں کے پاس صرف جوش اور ولولہ ہی نہیں، دین کی صحیح فہم بھی ہے اور ساتھ ہی زمانہ کے تقاضوں سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہیں۔ اس تحریک سے اسی جماعت سے اور اسی اندازۂ فکر و عمل سے اقامتِ دین کی توقعات وابستہ ہیں۔ آپ کو اسلام کی سربلندی مطلوب ہے تو اس تحریک کا ساتھ دیجئے۔ (فاران)

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مدیر فاران کی اصطلاح میں "حق اور حمایت حق" صرف مودودیت کے ہم معنی ہیں، مودودی جماعت کے افراد مخلص، حق شناس، باہمت، دین کی صحیح فہم رکھنے والے، زمانہ کے تقاضوں سے باخبر اسلام کی سربلندی کے علمبردار اقامت دین کی امید گاہ۔ باقی رہے دوسرے غریب مسلمان اگر ان کو بھی مخلص، حق شناس، وغیرہ کے دلفریب خطابات حاصل کرنے ہیں تو مدیر فاران کے مشورہ پر عمل کریں۔ وہ یہ کہ ان

ہم جماعت ہو جائیں، ان کی تحریک کا ساتھ دیں۔ اسی تحریک سے، اسی جماعت سے اسی انداز فکر و عمل سے اقامتِ دین کی توقعات وابستہ ہیں!

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاراں ہمہ کار | بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

منزلِ حق کی طرف رہنمائی کے بعد "راہ و رسمِ منزل" سے سالکِ فاران آگاہ فرماتے ہیں۔

اسلام کی سربلندی مطلوب ہے تو اس تحریک "مودودیت" کا نتھا دیکھئے اور پھر خود ہی اس کے مسلّمہ نتائج کا ان الفاظ میں اعتراف فرماتے ہیں۔ "سب سے پہلے تو بعض تنگ نظر مولویوں اور صاحبانِ دلق و سجادہ کی کفر ساز مشینوں کی چاند ماری سے آپ کا سابقہ پڑیگا آپ پر گمراہی اور بے دینی کی تہمتیں جوڑی جائیں گی۔ لعنتیں کی جائے گی کہ آپ محمدی اسلام کو چھوڑ کر مودودی اسلام کی جانب جا رہے ہیں اس راہ میں قدم رکھتے ہی کتنی لمبی داڑھیاں، کتنی نیچی قبائیں اور کتنے سجادے آپ کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ کوئی کہے گا آپ خارجی ہو گئے ہیں، کہیں سے آواز آئے گی کہ آپ منکرِ حدیث ہیں، مگر آپ کو یہ سفر جاری رکھنا ہے تو زہر کے ان جرعوں کو بھی گوارا کرنا ہوگا۔ (فاران)

دین میں صحیح فہم رکھنے والے، اقامتِ دین کے ساعی "اسلامی انقلاب کے داعی، حق شناس، مخلص اور باہمت افراد کے طریقۂ فکر، طرزِ تحریر اور ان کے ادبِ صالح کی داد دیجئے اور غور کیجئے کہ دینی بصیرت رکھنے والے فرد کی زبان سے، قلم سے اس قسم کے سوقیانہ کلمات کبھی ادا ہو سکتے ہیں؟ داڑھی اور قبا رسول عربی کی سنت ہے، اس کا مذاق اڑانا، پھبتی کستا، تمسخر کرنا دینی فہم بدرجہ بینی خود اندازہ کیجئے۔ مولویوں اور سجادوں تصوّف کے خانوادوں پر دشنام طرازی

کیا یہی وہ اندازِ فکر و عمل ہے جس پر اقامتِ دین کا سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے دینی رہنماؤں کی توہین و تذلیل۔ کیا یہی وہ اسلامی انقلاب ہے جس کی طرف مسلمانوں کو دعوتِ عام دی گئی ہے؟ جو شخص فعلِ رسولؐ اور سنتِ رسولؐ کا تمسخر کر سکتا ہے۔ اس سے رہنمایانِ قوم، بزرگانِ دین، اولیائے کبار اور علمائے کرام کی جناب میں گستاخیوں کا سرزد ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔" فاران کے صفحات گواہی دیتے ہیں کہ وہ ماہر القادری جو کبھی "طیبہ" جیسی حسین اور ایمان افروز نعت لکھ سکتا تھا اور بارگاہِ نبوی میں حاضری کے آداب اس انداز میں تعلیم کرتا تھا ؎

کوئے نبی میں اس طرح جانا نہ چاہیئے — ہر ہر قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے

وہی قدم قدم پر سجدۂ شکرانہ ادا کر کے حاضر ہونے والا ماہر مزعومہ اسلامی انقلاب کی تحریک سے متاثر ہونے کے بعد آج بڑے غرور و تکبر سے یہ اعلان کر رہا ہے جو ابلیٰ و استکبر کا آزاد ترجمہ ہو سکتا ہے۔

"ہماری گردن اپنے نبی کے آستانے پر نہیں جھکی تو پھر کس کے آستانے پر جھکے گی۔؟ (فاران)

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا؟ لطف یہ کہ گردن کشی اور سرکشی کا جذبہ دین کی فہم صحیح اور اسلام کی سچی روح سے ہمدوش سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کے معنی ہی گردن نہادن ہیں نہ کہ گردن کشیدن۔ کاش مدعیانِ اسلام یہ سمجھتے ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

مزارات کی زیارت مسنون ہے۔ خود سرکارِ دو عالم کا معمول یہ رہا ہے جو صحابہؓ تابعین تبع تابعینؒ اور تمام امتِ مسلمہ کا عملِ متوارث ہے۔ مدیر فاران اسکو

بدعت اور قبر پرستی کہتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ بات کہاں پہنچتی ہے، پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کے بالکل برعکس وہ خود قبر پرستوں اور بدعتیوں کے دوش بدوش ہی نہیں بلکہ ان سے چار قدم آگے نظر آتے ہیں اور مزار پاک کے انوار پر پروانہ دار نثار ہو جانے کا فتوی دیتے ہیں۔ ان ہی کے شعر کے آئینہ میں ان کے جذبات اور خیالات کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔

جالی سے چھن رہا ہے وہ نورِ مزارِ پاک
ایسے میں صرف جرأتِ پروانہ چاہیے (فاران جنوری ۱۹۶۶ء)

خدا ہی جانے کہ یہ شعر مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہے یا گرمئ محفل کیلئے موزوں کیا گیا ہے۔ بمصداق ما لا یفعلون کا مصداق ہے یا قلبی کیفیت کا آئینہ بردار ہے یا پھر نثر میں مودودی صاحب کی اتباع اور نظم میں جامیؒ کی پیروی کا کوئی جواز مدیر فاران نے تلاش کر رکھا ہے۔

اب ہم .... ان کے اعتراضات کا ایک ایک کرکے جواب دینا چاہتے ہیں ، ہر اعتراض کا جواب تفصیل چاہتا ہے، کوشش کی جائیگی کہ مضمون طویل نہ ہو۔

تمام اعتراضات کا جواب صرف اس قدر ہے کہ ماہر صاحب کا عقیدۂ توحید ناقص ہے۔ صفاتِ الٰہیہ کا مسئلہ ان کے ذہن میں الجھا ہوا ہے اور وجود باری تعالےٰ کی وحدت کے وہ قائل نہیں ہیں ، وحدت کی مثال دے کر انھوں نے اپنی نارسائی فہم کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ کسی شخص کو الو کا پٹھا فرض کرکے ایسی مختصر اور جامع جواب، جو ان آیت قرآنی سے دابۃ کا اسم مشترک مزاج پیش کرکے دن

کا استہزا کیا ہے۔ دوسرے خالق اور مخلوق میں خلق کا تعلق تجویز فرمایا ہے تیسرے صفاتِ الٰہیہ کو انھوں نے مخلوق بیان کیا ہے۔ جہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنیٰ الاوّل و الآخر، الظاہر و الباطن کا خالق اور رب بتایا ہے، چوتھے اَنَا کا تصور ان کے ذہن میں کلی نہیں ہے۔ ورنہ حق کے ساتھ انا کی نسبت کو وہ کفر نہ کہتے۔ پانچویں وجود کلی کا تصور بھی ان کے ادراک کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ موجوداتِ ممکنہ جو نفس الامر میں خلقت کی جہت سے معدومات ہیں اور حق کی جہت سے موجودات ہیں، اس کے بالکل برعکس وہ موجودات کو قائم بنفسہٖ اعتقاد کرتے ہیں اور فعل و اثر جو وجود کی فرع ہے۔ موجود ظاہری سے حقیقتاً منسوب کرتے ہیں۔ نتیجہ میں عقیدہ توحید ناقص اور نظریہ شرک کامل، یہی نظریہ تمام اعتراضات کا سرچشمہ ہے۔ اس اجمالی جواب کی روشنی میں ہمارے تفصیلی جوابات کو دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ ہمارا خیال کہاں تک درست ہے؟

صوفیوں پر اعتراضات

اپنی اور مودودی جماعت کی حمد و ثنا کے بعد مدیر فاران فرماتے ہیں کہ "صوفی گانا سنتے ہیں اور رقص و غنا کے اس طوفانِ بے تمیزی کو سماع شریف کا لقب دیا گیا ہے ہندوؤں کو بیعت کرتے ہیں، قبروں کا طواف اور سجدے کرتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں، سدا سہاگ بن کر ناچتے ہیں، مدک، بھنگ، چرس، سلفہ اور شراب پیتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ لایعقل مجاذیب کو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں، گیارہویں کے تبرک کا ادب کرتے ہیں۔ بعض عقیدت مند اپنے بزرگوں کی تصویروں کو ہار پہناتے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی تصوف کے نام پر ہو رہا ہے۔

(فاران اگست ۵۶ء)

تقریباً دو صفحات میں صوفیوں کے عیوب گنائے گئے ہیں۔ ہم نے اصل

بارت میں سے مشتے نمونہ از خروارے اخذ کیا ہے۔ صوفیا میں یہ تمام عیوب
وراں کے علاوہ بہت سارے عیوب اور بھی ہوں تو اس کی ذمہ داری کیا
فقوف پر ہے۔؟

صوفیوں کے بجائے مسلمانوں کے نام مدیر فاران کی عبارت میں لکھد یجے
بائیں اور اس امکان کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ تمام عیوب جو مسلمان صوفیوں سے
منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ آخر کار مسلمانوں ہی سے منسوب ہو سکتے ہیں تو پھر
واری اسلام پر ہے؟ مدیر فاران مسائل تصوف پر علمی اور تحقیقی
انداز میں کچھ لکھنے کے بجائے بڑے صوفیوں کے بُرے حالات سے بحث کرنے
لی بحث سے ہٹ گئے یہ نہ سمجھا: ۔ گرنے نخوری طعنہ مزن مستانرا گردست دہد توبہ کنم یزداں را
چہ فخر باین کنی کہ تو مے نخوری صد کار کنی کہ مے غلام است آں را

فاعل حقیقی سے بُعد

مدیر فاران پر واللہ خلقکم وما تعملون کی حقیقت علمی اور اعتقادی طور پر بھی منکشف
نہیں ہے۔ وہ غالباً تعدد الٰہ کے قائل ہیں یا الٰہ واحد کے اثبات سے متردد ہیں
حالانکہ الحق ایک ہی ہے اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مشیت سے ہو رہا
ہے۔ خدا شرع شریف سے خیر کثیر کا حکم دیتا ہے۔ اور عمل کے وقت
وہی نمایاں کرتا ہے جو بندے کی طبیعت اور فطرت کے مطابق ہو۔ مشیت
شرع میں تقرر و تعیین خیر کثیر ہے۔ نہ کہ عمل بالمشیت۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے
کہ لوگ گناہ کرتے ہیں امر الٰہی کے خلاف کرتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ اس امر الٰہی
کا خلاف واقع ہوتا ہے۔ جو امر الٰہی انبیاء کے توسط سے دیا جاتا ہے۔ امر تکوینی
یعنی حکم کن کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ مخالفت سے تو امر تشریع سے ہے نہ کہ
امر تکوینی سے اور نہ کہ خود اللہ سے یا اس کی مشیت سے کوئی مخالفت ہوتی

ہے یا ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشیت کا
بندے کے فعل کو ستا سے نہ کہ بندے کو جس سے فعل ظاہر ہوتا ہے۔ جب
حق تعالیٰ کسی فعل کو کن کا حکم دیتا ہے تو محال ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ
حکم انبیاء کے توسط سے بندوں کو پہنچایا جاتا ہے بعض بندوں کی طبیعت
کا اقتضاء اطاعت اور تعمیل حکم ہوتا ہے تو وہاں اس کے فعل کو امر کن دیا جاتا
ہے اور وہ فعل موجود ہو جاتا ہے جس کی طبیعت تعمیل حکم سے انکار کرتی ہے
وہاں فعل کو کن کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ اور وہ فعل پیدا نہیں ہوتا۔ یہ
کہ ایسے بد طبیعت کو پھر امر تشریعی دیا ہی کیوں جاتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ اطاعت
اس کی طبیعت کے اقتضاء کے موافق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
فطرت تمام اشخاص کو معلوم کرانے کے لیے امر تشریعی دیا جاتا ہے لہذا بندہ
عاصی کا فعل ایک لحاظ سے امر الٰہی کے مخالف ہے اور ایک لحاظ سے
موافقت و اطاعت امر الٰہی بھی ہے۔ حسب حالت مدح بھی ہوتی ہے
مذمت بھی لہذا مآل خلق کا اس کی سعادت پر اور اس کے کمالات کے ظاہر
ہونے پر ہے۔ باوجودیکہ سعادت کے اقسام مختلف ہیں اور ان
کمالات کا ظہور جدا جدا ہے۔ ہر شے کے اظہار کمال کو اللہ تعالیٰ نے اس
طرح فرمایا ہے وسعت رحمتی کل شئی۔ میری رحمت میں ہر ایک
کی سمائی ہے اور سبقت رحمتی علی غضبی۔ میری رحمت میرے غضب
سے سابق ہے اور سابق تو پہلے ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھو تو پہلے
رحمت کا اثر ہوا تھا جس سے وہ عاصی مخلوق ہوا اور بوجہ عصیان غضب
الٰہی ہوا تو سابق نے پھر اپنا عمل کیا یعنی اس عاصی کو رحمت نے گھیر
لیا کیونکہ غضب سے پہلے رحمت ہی متقدم و سابق تھی یہ معنی سبقت رحمتی

علی غضبی کہ رہا تا کہ رحمت اپنا کام کرے۔ راہ دار پر جو اس حد تک پہنچتا ہے رحمت سب کے آخر میں غایت و انجام میں قدم جمائے کھڑی ہے۔
ہر ایک اپنی غایت کی طرف سالک اور رواں ہے، لہٰذا وہاں پہنچنا بھی ہے۔ جس کے ساتھ رحمت کا پہنچنا اور غضب کا ختم ہونا بھی ہے۔ لہٰذا ہر رحمت تک پہنچنے والے کو حسب استعداد حسب حیثیت رحمت کا پہنچنا بھی ہے، پھر یہ کہ اور تصوف عشق و محبت کی دنیا میں، ماہر صاحب کا فتویٰ صادر کرنا، دیوانِ گانِ عشق کو اپنے عقل کے پیمانے سے ناپنا نادانی ہے۔
بقول مولانا رومؒ سے

درِ درونِ کعبہ رسم قبلہ نیست ۔۔۔ چہ غم از غواص را پاچیلہ نیست
تو زسرمستاں قلاؤزی مجو ۔۔۔ جامہ پاکاں را چہ فرمائی رفو
در خطا گوید ورا خاطی مگو ۔۔۔ گر شود پُر خوں شہید او را مشو
خوں شہیداں را ز آب اولیٰ تر است ۔۔۔ ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

پھر قرآن نے لا تزکوا انفسکم سے اپنی پارسائی بگھارنے کی ممانعت فرمائی لا یریدون علوا و لا فسادا سے اپنی برتری کے زعم نے اور دوسروں کو پست سمجھنے کے فساد سے روکا عسیٰ ان یکون خیرا منہ فرما کر یہ امکان تجویز کیا کہ شاید وہ لوگ جن کو تم برا سمجھتے ہو اللہ کے نزدیک تم سے اچھے ہوں۔ اگر اللہ اپنی رحمت سے ان کو بخشے تو کون منع کرنے والا ہے، اور جھوٹے مدعیان تقویٰ کو اس خودنمائی ریا کبر نفس جیسے اخلاق ذمیمہ کی سزا میں مسلمانوں کو برا سمجھنے کے قصور میں جہنم داخل کر سکے تو کیا تعجب ہے۔

التوحید | اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب ہم۔
جس وقت ... لگا ... کی ... [illegible]

لگتے ہیں، مدیر فاران کو نہ جانے توحید سے کیا دشمنی ہے کہ وہ اہل توحید پر بے جا طعن و تشنیع سے نہیں چوکتے کبھی عجمیت کے بہانے سے کبھی مسیحیت کے نام سے کبھی ہندویت کے نام سے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی لوائح پر تبصرہ موزوں فرمایا ہے" وجود صرف " اور" ہویت صرفہ" صوفیا کی اصطلاح ہے اس کے بجائے وجود محض تجویز کر کے شحنۂ علمی " کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مولانا جامی قدس سرہ پر وحدۃ الوجود کا غلبہ ہے لہذا" لوائح جامی" کے بعض مقامات محل غور ہیں۔ ؎

آنرا کہ فنا شیوۂ فقر آئین است ۔ نے کشف و یقین نہ معرفت بیدین است
رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا ۔ الفقر اذا تم ھو اللہ این است

کی معقولیت سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نری شاعرانہ شوخیٔ فکر ہے۔

(فاران) جو شخص تصوف سے نا آشنائے محض ہو صرف اسی کی زبان سے یہ جملے نکل سکتے ہیں۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ان کی تحریر پر اعلان کر رہی ہے کہ

اگر وہ فنائے فقر کے معنی جانتے ہوتے اور لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ان کے ذہن میں ہوتا تو جامی پر اعتراض نہ کرتے کیونکہ ماسوا اللہ کے وجود کی نفی وجود حق کی وحدت کا اثبات اس رباعی کا مفاد ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا مدلول حقیقی ہے۔ کوئی مومن باللہ اس سے اختلاف کر سکتا ہے؟ یہ شرف ماہر صاحب ہی کو حاصل ہے۔ وہ تو خیر ہوئی جو جامی علیہ الرحمۃ سے اتفاق نہ کرنے پر ہی بات ختم ہوئی ورنہ یہی مضمون میرے اس شعر کا ہے ؎

اے ذہین ابن فراقی من تیم اصلا تیم
ظاہرم عبد الکریم و باطنم رب الکریم

یا جیسے خواجہ صاحب (فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں) ؎

شو بباطن ربوبیت پرداز — کن بظاہر عبودیت اقرار

یا مثلاً مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

چوں خلیل آمد خیال یار من — ظاہرش بت معنیٔ آں بت شکن

مدیر فاران کے الفاظ ہیں ......

"عبارت سے صاف طور پر نہیں کھلتا کہ کہنے والے نے خود اپنے کو بباطن رب الکریم کہا ہے یا اپنے مرشد کو بہر حال جس کے لئے بھی کہا ہے غلط کہا ہے اور غلط تو ہلکے سے ہلکا لفظ ہم نے استعمال کیا ہے پھر مرید کی لغو بیانی پیر و مرشد مبارک کہکماس بے ہودہ گوئی پر مہر تصدیق ثبت فرما دیتے ہیں (فاران) ملاحظہ کیا ادب صالح کا شاہکار اور متانت تحریر کا نمونہ۔ ہر دنی الطبع کو دشنام طرازی آتی ہے ہر سفلہ لعن و طعن بک سکتا ہے۔ ایک عالم کا یہ شعار نہیں۔ نحن احق بکارم الاخلاق جناب مولا علی علیہ السّلام کا وہ مقولہ ہے جو خوارج کے لعن طعن کا جواب نہ دینے کے جواز میں آپنے فرمایا تھا۔ ہم اس کا اعادہ جواب میں کافی سمجھکر کہتے ہیں کہ فاضل مدیر فاران معترف ہیں کہ عبارت سے صاف طور پر نہیں کھلتا ...... جب وہ عبارت میں متوقف تھے تو محکمہ میں متوقف ہونا تھا بات سمجھ میں نہیں آئی تھی تو اس پر تبصرہ کیا ضرور تھا؟ پھر یہ کہنا کہ "رب الکریم جس کے لیے بھی کہا گیا ہو غلط ہے کس قدر غلط ہے۔ جب کہ رب الکریم ہی کے لئے رب الکریم سمجھتے ہیں تو آپ کا سوء اعتقاد ہے شعر اپنے مقام پر ہے لا الٰہ الا اللّٰہ کی منظوم تصدیق ہے۔

کلمۃ الحق | جیسے مشرکین عرب کو استعجاب اور استکبار لاحق ہوا اور انھوں نے کہا کہ اجعل الالھۃ الٰھا واحدا ان ھذا

الشئ عجاب کیا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے معبودین کثیر کو الٰہ واحد بنا دیا یہ تو تعجب انگیز چیز ہے لا الٰہ الا اللہ سے جو معنی متبادر فی الذہن ہوتے ہیں وہ کثرت کو وحدت بنا دینے کے معنی تھے اہل عرب اہل زبان تھے، وہ کلمہ توحید کی مراد سمجھ گئے مگر ان کو حیرت استعجاب اس چیز میں لاحق ہوا کہ کثرت عین وحدت کس طرح ہو سکتی ہے؟ ان ھذا لشئ عجاب کہکر اس تعجب کا انھوں نے اظہار کیا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو گے کہ زمین آسمان کا خالق کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ، وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے، بتوں کو وہ خدا نہیں کہتے تھے تقرب خدا کا وسیلہ کہتے تھے۔

مدیر فاران توحید اور جمع سے کوسوں دور، تفرقہ اور غیریت سے دست گریباں، کلمہ توحید سے انکیں استکبار کیوں نہ ہو؟ اہل توحید سے مکابرہ کیوں نہ کریں۔؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ کلمۃ الحق لآ الٰہ الا اللہ کی بلا تاویل تفسیر میں ایک ایسی کتاب ہے جو علوم مروجہ اور اصول متفقہ کی روشنی میں لکھی گئی ہے علماء نے مسلمہ طور پر کلمہ طیبہ میں تاویل کی جس سے کلمہ کی عبارت لا الٰہ موجود مستحق العبادۃ الا اللہ ہو گئی۔ بغیر اس اضافہ کے علماء کے نزدیک کلمہ طیبہ کے معنی متصور نہیں اس اضافہ کو مقدر کہکر اختیار کیا یہی تاویل ہے۔ ظاہر ہے کہ تاویل کی صورت میں کلام محکم نہیں رہتا متشابہ ہو جاتا ہے "کلمۃ الحق" اس تاویل کی رد میں ایک عالمانہ تصنیف ہے نہ کہ "صوفیانہ" اس کتاب میں قرآن مجید، حدیث، تفسیر، منطق، فقہ، نحو، بلاغت وغیرہ علوم متداولہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے کیونکہ خطاب جمہور علماء ہی سے ہے۔ اس لئے اس کتاب کو سمجھنے کے

لئے ان علوم میں بصیرت کامل مطلوب ہے۔ مدیر فاران یا ان کے ہم جماعت" اگر ان علوم سے موسوم ہیں تو وہ علمی روشنی میں شوق سے لکھیں۔ ہم ہر وقت خیر مقدم کے لئے تیار رہیں۔

فارانی توحید

اسلامی ادب اور مسلمہ نظریات کو جب تک نہ ٹھکرا دیا جائے۔ اس وقت تک دین کی تجدید اور اسلامی انقلاب صورت پذیر نہیں ہو سکتا۔ غالباً اس ضرورت تجدید کے لئے مدیر فاران کو توحید کی نئی تعبیر موضوع فرمانے پر مجبور کیا جو کتاب و سنت، اقوالِ صحابہؓ اور ارشادات اولیاءؒ کے بالکل منافی ہے۔ دین کی پرانی اصطلاح میں اس تجدید کا نام کفر ہی تجویز کیا جاسکتا ہے۔ اچھا سے دین کی اصطلاحاتِ جدیدہ سے ہم ناواقف ہیں، ممکن ہے سادہ اور خالص دین کے خوش آئند نام اس کو دیئے جائیں۔ مدیر فاران فرماتے ہیں۔

"ھو الاول، الآخر، الظاہر، الباطن، کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کی خالق و رب ہے۔ لیکن اس کا ٹھیٹ لفظی ترجمہ "یہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے" وہی کی معنویت پر کوئی اصرار کرے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ متشابہات ہیں اور محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ قرآن اس بات پر شاہد ہے" (فاران)

دین کے صحیح فہم کے مدعیوں کا قرآن کے ساتھ یہ تمسخر کہ آیتِ قرآن کے جو معنی "سادہ مفہوم" کے نام سے وہ بتائیں ان کو مان لیا جائے تو آیت محکم ہے ہرگز متشابہ نہیں اور اگر اس آیت کا ٹھیٹ لفظی ترجمہ بغیر کسی تاویل کے کلام نام

کی صورت میں کوئی مانے تو اس کے دل میں کجی ہے اور پھر وہ آیت ہی متشابہ ہو جائے گی۔ کوئی پوچھے آیت متشابہ ہے تو اپنی قیاس آرائی کو سادہ مفہوم کے نام سے اس آیت کے معنی میں کیوں شامل کر رہے ہیں۔ کیا یہ دل کی کجی نہیں ہے؟ جس پر قرآن کا شاہد ہونا آپ ہی نے لکھا ہے۔ اور اگر یہ آیت محکم ہے تو خود آپ ہی کے الفاظ میں آپ کا بیان کیا ہوا، سادہ مفہوم ٹھیٹ لفظی ترجمہ کے خلاف ہوتے ہوئے بھی سادہ مفہوم کس طرح ہوا؟

مدیر فاران یہ نہیں جانتے کہ جو الفاظ وہ استعمال کر رہے ہیں ان کے معنی کیا ہیں؟ ورنہ ان کو ایسی خطرناک جرأت کبھی نہ ہوتی کہ وہ خدا کے لیے ایک اور خدا اور رب کے لئے ایک اور رب تجویز کریں اور اس کو قرآن کا سادہ مفہوم بتانے کا کذب مول لیں، —— اس آیتِ مبارکہ میں جو موضوع ہے۔ الاول الآخر الظاہر الباطن چاروں محمول ہیں اور حمل اولی ہے جس میں محمول اس موضوع پر ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسماء ہُو کا عین واقع ہوئے ہیں۔ مدیر فاران کی مزید تشفی کے لئے اس آیتِ کریمہ کے سلسلے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تفسیری بیان درج کیا جاتا ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں اللھم انت الاول فلیس قبلک شیئ و انت الآخر فلیس بعدک شیئ و انت الظاہر فلیس فوقک شیئ و انت الباطن فلیس دونک شیئ۔

مدیر فاران کے خیال سے اس کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں۔ اے اللہ تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے لہٰذا تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے لہٰذا تیرے ظہور پر کوئی فائق نہیں اور تو ہی باطن ہے لہٰذا تیرے سوا کچھ بھی نہیں۔

کائنات کی تمام اشیاء محسوس ہوں یا معقول کلی ہوں یا جزوی۔ کل ہوں یا جزو۔ سب انھیں صفات چہارگانہ میں منحصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کو باقی نہ چھوڑا جو ان اسماء مبارکہ کے تحت نہ آگئی ہو اسم اوّل نے مرتبۂ ذات بحت کان اللہ ولم یکن معہٗ شیئی غیرہٗ ثابت کیا اسم آخر نے موجودات ممکنات کے حدوث فنا و زوال کو متحقق کیا الظاہر نے اس تکوینی دنیا کو اپنی تلوینی تجلیوں سے آباد فرمایا۔ اسم باطن نے عالم مثال و ارواح اور عالم امر کا تعین عطا فرمایا۔ اور غیر اللہ کے وجود کی کلیتہً نفی فرمائی۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کا مفہوم بتایا۔

معترضین، کو، معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ چاروں اسمائے الٰہی تمام اسمائے الٰہی کو جامع ہیں امہات و اصول ہیں۔ ان سب کو اسم اللہ اور اسم رحمٰن جامع ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ادعو اللہ او ادعو الرحمٰن ایما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ۔ (اے محمد کہدیجیئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کسی اسم الٰہی سے تم پکارو وہ اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں اور وہ ان ہی دونوں اسماء کے احاطہ میں داخل ہیں اور ہر اسم کا مظہر ازلی و ابدی ہے۔ اولیت اسم الاوّل سے ثابت ہے ابدیت اسم الآخر سے ثابت ہے الظاہر کے اسم سے علم ظاہر ثابت ہے اور بطون اسم الباطن سے ثابت ہے۔

جتنے اسماء الٰہی ابداء و ایجاد سے متعلق ہیں وہ سب الاوّل میں داخل ہیں۔

جتنے اسماء الٰہی اعادہ و جزا سے متعلق ہیں وہ الآخر میں داخل ہیں۔

جتنے اسماء الٰہی عام ظہور و حس و شہادت سے متعلق ہیں وہ الظاہر میں داخل ہیں۔

الاوّل جل شانہٗ الآخر جل شانہٗ الظاہر جل شانہٗ الباطن جل شانہٗ اللہ کے اسمائے مبارکہ ہیں، سب جانتے ہیں صفات الٰہیہ حادث نہیں قدیم ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوتا تو وہ یہ کلمات کفر کہنے کی کبھی جرأت نہ کرتے کہ اللہ اپنے صفات کا خالق اور رب ہے استغفر اللہ (نقل کفر کفر نہ باشد)

مدیر فاران نہ صاحب تحقیق معلوم ہوتے ہیں نہ اہل تقلید اور نہ انکا دینی مطالعہ اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیات قرآنی کی تفسیر کا بلا اپنے ذمہ لیں۔ یہ ہم نہیں کہتے ان کی تحریر سے یہ بات اس راز کو فاش کر رہی ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ دین شعر و صحافت کی ▪ نیا نہیں ہے یہاں طبع آزمائی یا زور قلم سے کام لینا خطرناک ہے۔ مسائل دینی میں لب کشائی کے لئے علم دین سے موصوف ہونا ضروری ہے یا علمائے دین سے رجوع کرنا لازم ہے۔ مدیر فاران کی آگاہی کے لئے ترمذی کی ایک حدیث بھی اس آیت مبارکہ کے سلسلے میں ہم پیش کرتے ہیں، حدیث مبارکہ بھی آیت کی طرح عبارۃً وحدت الوجود پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلٰی لہبط علی اللہ ثم قرأ ھو الاول والآخر والظاہر والباطن وھو بکل شیئ علیم ۰ یعنی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر تم ڈول کو رسی باندھکر زمین زیریں تک لٹکاؤ تو وہ ڈول اللہ پر گرے گا۔ اس کے بعد بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے وہی ہر شئے کے ساتھ حقیقی علم رکھتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ رسی باندھکر ڈول کو زمین زیریں تک پہنچایا جائے گا تو وہ ڈول زمین زیریں پر ہی گرے گا۔ مگر مخبر صادق اپنے قول موکد بالقسم میں

ہنا زمین پر گرنے کے بجائے اہبط علی اللہ فرماتے ہیں جس کے معنی ہیں کہ یقیناً وہ ڈول اللہ پر گرے گا۔ چونکہ یہ مضمون حدیث جو کہ زمین ہیبا کے ساتھ اللہ کی عینیت پر عبارتاً اور دوسری ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ عینیت کو دلالتہً ثابت کر رہا ہے بظاہر بعید از فہم اور قابل انکار مقولہ تھا اس لئے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل تو اپنے قول مبارک کو قسم کے ساتھ موکد فرمایا، اپنے ارشادِ مبارک کی تائید ی شہادت میں یہ آیت تلاوت فرمائی جو وجود باری تعالیٰ کی وحدت پر عبارۃً دلالت کرتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا حقیقی علم رکھتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی تاویل ترمذیؒ نے کی ہے اس پر بحث اس کتاب میں دوسری جگہ ملے گی یہاں اسی آیت مبارکہ سے اس حدیث میں ذکر میں استہزاد اور استشہاد فرمایا گیا ہے۔

مقصود نگارش یہ ہے کہ جس آیت مبارکہ کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاویل نہ کی ہو بلکہ تفسیر فرمائی ہو اور وجود باری تعالیٰ کی وحدت میں اس سے سند اور شہادت حاصل کی ہو۔ اس آیت کی تکذیب تو کجا اس کی تاویل کی جرات تو کوئی مسلمان کر نہیں سکتا۔ احیاء دین کے مدعی ہی خود کو اس کا مختار سمجھ سکتے ہیں نہ معلوم ان کے نزدیک پھر کفر کس چیز کا نام ہے جب اللہ کو اللہ کا خالق اور رب کہنے سے بھی وہ کافر نہیں ہوتے نعوذ باللہ خود ... ت خدا ہر مسلمان کو محفوظ رکھے اور جو جاہل یا نیم جاہل مسلمان اس فتنہ مودودیت کا شکار ہوئے ہیں خدا ان پر رحم فرمائے اس علم و تحقیق پر یہ لوگ صوفیائے کبار کے بخئے ادھیڑتے ہیں۔۔۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنہ پاکان نہد

خالق و مخلوق میں تعلق صفتِ خلق کا ہے

افسوس ہے کہ وحدۃ الو... کے انکار کی صورت پر صرف ایک آیت ھو الاول والآخر میں تحریف لفظی و معنوی پر مجبور نہیں ہوں گے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآن ہی بدل دینا پڑے گا۔ اور یہ جو ایک نیا گل آپ نے کھلایا ہے کہ خالق و مخلوق میں صفتِ خلق کا تعلق ہے۔ آپ کی زبان و قلم سے تو چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔ ہاں یہی بات اگر کوئی عالم کہتا تو پھر جو دشواریاں سامنے پیدا ہوتیں کچھ ان کو ایک عالم ہی سمجھ سکتا ہے۔ از فہم و ... کی نازک ... جانے دیجئے خدا صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اس تاویلی سانچے میں ڈھال کر دیکھئے خود آپ کو ہنسی آ جائے گی۔ مثلاً عابد و معبود میں تعلق عبادت کا ہے۔ رازق و مرزوق میں علاقہ رزق کا ہے۔ اسی طرح تمام صفاتِ الٰہیہ کو غور کر جائیے اور جو نتائج ان سے مرتب ہوں ان پر دھیان دیجئے۔ اور سمجھنے کی کوشش کیجئے آپ کی تاویل کا بودا پن آپ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ خالق، خلق، مخلوق کی تثلیث کا اعتقاد اور توحید کا دعویٰ۔ تجدید اسلام! یا ایہا الذین آمنوا آمنوا ایمان رسمی سے ایمانِ حقیقی کی طرف آئیے۔

معجزات و کرامات

مدیر فاران نے اپنے اس جوابی مضمون میں لفظی صراحت سے نہ سہی معنوی صراحت سے یہ بتا دیا کہ معجزہ کرامت کا اظہار کسی نبی و ولی سے اعلانِ قرآنی کے خلاف ہے۔ اب تک جن لوگوں نے انبیاء اور اولیاء کے تصرف اور اقتدار کی کوئی توجیہہ کی ہے تو عموماً ان کی عبارتیں دو طرح پر دیکھنے میں آئیں۔ اول یہ کہ قدرت کاملہ اور اقتدارِ حقیقی تو اللہ کی صفت ہے لیکن بندگانِ خاص سے کائنات میں

تصرف کا اظہار عطائے الٰہی کی نشانی ہے۔ دوئم ولی کی کرامت دراصل نبی کا معجزہ ہے جو بواسطہ ولی ظاہر ہوتا ہے اور نبی کا معجزہ دراصل اللہ کا فعل ہے جو نبی کے ذریعہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ غرض دونوں تعبیرات کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقی وذاتی اقتدار تو اللہ کی صفت ہے اور بندگانِ حق محض آلات ووسائط ہیں مگر مدیر فاران کو اس سے انکار ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مافی الضمیر کے ثبوت کے لیے قرآن مجید کی تین آیتیں درج کی ہیں، اس سے پہلے کہ آیاتِ مذکورہ بالا کے متعلق ان حضرات کی پیدا کردہ غلط فہمی دور کرنے کی سعی کی جائے بہتر ہے کہ دینی ذمہ داری کے پیش نظر آئندہ غلطیوں سے بچنے کے لئے ان کو ہم ایک کیفیت کردیں۔

معلوم ہونا چاہئے اب تک مسلمانوں میں جو فرقہ بندیاں راہ پاتی رہیں اور بہ خیر الامم مختلف ٹولیوں میں بٹ گئی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اہلِ بدعت نے اپنے مفید مدعا قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت سامنے رکھی اور مقابل کے رد میں اس کو پیش کردیا۔ بسا اوقات اس طرزِ عمل اور طریق فکر سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اول قرآن مجید کی دوسری آیات اور کتب حدیث میں مندرج صحیح روایات کی طرف سے غفلت ہوجاتی ہے، دوئم آیاتِ قرآنیہ میں تعارض۔ کلام الٰہی میں تضاد اور قرآن و حدیث میں باہم مخالفت ہوجاتی ہے۔

ان خرابیوں کا نتیجہ ظاہر ہے۔ فرقہ کے اندر سے فرقہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اپنے نظریات میں لوگ پہلے تصلب کو پھر تعصب کو جگہ دیتے ہیں تاآنکہ کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث سے متعصبانہ وابستگی پورے قرآن و کامل سنت سے استفادہ کی راہ روک دیتی ہے تاکہ تاثر یہ فرقہ بندا در

فرقہ پرست اپنی تنگ نظری سے تائب ہو کر پورے قرآن و کتب حدیث کو سامنے رکھکر کوئی عقیدہ و نظریہ اختیار کرتے۔ ان کو صحیح ہدایت بھی ملتی اور ان کی اپنی کوتاہ نگاہی سے قرآن میں تعارض و تضاد پیدا نہ ہوتا۔

ان آیتوں سے استدلال میں آپ سے بھی وہ قصور ہوا جو تفہیم القرآن کی محولہ عبارت میں آپ کے پیر میخانہ سے سرزد ہوا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے جس کا ترجمہ ہوا ہے "اے محمدؐ آپ کہدیجئے کہ میں نہیں مالک اپنے لئے برے کا یا بھلے کا مگر جو اللہ چاہے۔"

دوسری آیت کا ترجمہ آپ نے لکھا ہے" اے محمد آپ کہدیجئے میرے اختیار میں نہیں تمہارا نقصان و ضرر اور نہ راہ پر لانا" تیسری آیت کا ترجمہ ہے:" اے محمد آپ کہدیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے "

مذکورہ بالا آیت کریمہ کو سامنے رکھئے اور مندرجہ ذیل آیات مقدسہ اور احادیث نبویہ میں غور فرمایئے۔

علہ اغناھم اللہ ورسولہٖ مغنی اللہ کی صفت ہے اور یہاں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت بھی قرار دی جارہی ہے۔

اس آیت کو سمجھنے میں ان کو زیادہ دشواری اس لئے ہوگی کہ ذاتی و عطائی کے فرق کا بھی یہ لوگ انکار کرچکے ہیں۔

عہ یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ والرسول اذا دعاکم لما یحییکم یہاں احیاء یعنی حیات بخشی کی نسبت رسول ؐ کی طرف ہے۔

عہ یزکیھم یہاں تزکیہ کی نسبت رسولؐ کی طرف ہے۔

ھ۴ اِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یہاں ہدایت کی نسبت رسول کی طرف ہے یعنی ان " اور لام " دو کلمہ تاکید کے ساتھ۔ مگر مدیر فاران کا رشتہ والی آیت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یا لا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ والی آیت حالانکہ تمام آیت میں جمع و توفیق کی ضرورت ہے۔ اور دونوں جبری ممکن ہے نہ ذاتی۔ یہ عطائی کا اصول حقہ مانا جائے ورنہ یُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضٍ وَّیَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ یہود کا شعار ہے جو مدیر فاران نے اپنایا ہے۔

(۵) یعنی روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں اللہ نے مجھے دیدیں۔

(۶) اللہ معطی وانا قاسم یعنی عطا و موہبت اللہ کا فعل ہے اور تقسیم میرا کام ہے۔

(۷) انا اعطینک الکوثر یہ سورۃ آپ کی مندرجہ آیات سے بہت پہلے نازل ہوئی اور آپ کے حق میں کوثر کی ملکیت کا اعلان ہوا۔ کوثر سے ذخیرہ خیر لیجئے یا حوض کوثر۔ بہرحال آپ بے اندازہ خیر و بے حساب نفع کے مالک ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۸۔ من یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اور کون انکار کریگا۔ کہ آنحضرت کو حکمت ملی اور اس حد تک ملی کہ آپ دوسروں کے دامن فہم بیان کو اس سے بھرتے رہیں۔

ھ ۹۔ وہ تمام حدیثیں جو واقعات قیامت سے متعلق ہیں کسی بھی فرقے کے عالم کے پاس بیٹھکر پڑھیئے تو آپ کو اپنی جرأت و بیباکی کا اندازہ ہوجائیگا۔

دلائل اب چند روایات آپ کے پیران پیر قاتیز و ربانی کی کتاب "نیل الاوکار" کے حوالے سے ہدیہ ہیں دیکھئے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

ذاتِ اطہر تو کیا جس ذی روح یا بے جان کو آپ کے ساتھ نسبت قائم ہو گئی وہ نفع بخش و مفید بن گئی۔

(الف) عام الرمادہ میں حضرتِ فاروق اعظم نے حضرت عباس کو وسیلہ بنا کے ان کا دامن پکڑ کر اللہ سے دعاء باران کی اور خوب پانی برسا اور حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ واتخذوہ وسیلۃ الی اللہ لوگو تم عباس کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہلِ خیر و اہل صلاح اور اہل بیت کو شفیع بنانا، مستحب ہے۔

(ب) قاضی شوکانی حضرتِ ام سلمیٰ اور حضرت اسماء کی روایتیں درج کرتے ہیں کہ ان دونوں صحابیہ کے پاس حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیراہن مبارکہ تھا، جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا غسالہ مریض کو پلا دیتے صحت ہو جاتی۔ ان روایتوں کے اندراج کے ساتھ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ صالحین کے آثار و تبرکات سے برکت حاصل کرنا یا دوسرے الفاظ میں نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک آثار صالحین سے برکت حاصل کرنا عہد صحابہ کا اجماعی مسئلہ ہے بلکہ عہد صحابہ سے لے کر مابعد عہود و اعصار میں تمام اُمت کا مجمع علیہ مسئلہ رہا کیونکہ ام المومنین اُم سلمیٰ اور ذات النطاقین اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مروج عمل عہدِ صحابہ میں ثابت ہے اور کسی نے اس چیز میں انکار نہیں کیا۔ اور نہ بعد کے زمانوں میں اس کا منکر ہوا۔ قدرت کی نیرنگی تو دیکھیے کہ خود انبیاء و اولیاء کو اپنے حق میں اور دوسروں کے حق میں لوگ مجبور و بیکس کہتے ہیں حالانکہ ان کی نسبت سے جاندار و بے جان چیزیں نافع متبرک و فیض رساں بن جاتی ہیں۔

پیغمبر زہرا پیغمبر زہرا کے سلسلے میں ماہر صاحب کی سند قائم ہے صرف یہ امر تسلیم کیا ہے کہ قرآن میں رسل مرسل تشریعی رسول و رسل کے علاوہ بھی مستعمل ہوا ہے ساتھ ہی انھوں نے قادیانیوں کو فرقہ سنانا بھی بند کردیا ہے۔ مگر ابھی پیغمبر زہرا کو جو انھوں نے پیغمبرِ خدا کے ہم معنی سمجھا تھا اس قصور فہم کے اعتراف سے کتراتے ہیں۔ در اصل وہ مشترک لفظی و معنوی کے مفہوم اور اس کے قرینے سے ناواقف اور مطلق و مقید کی معرفت سے قاصر ہیں ورنہ پیغمبر زہرا کے نام سے پیغمبرِ خدا کے معنی مراد لینا، قادیانیوں کو فرقہ سنانا اپنے علم و فہم کا مذاق اڑانا ہے۔"

شہنشاہِ ہفت اقلیم مطلق اور مقید کی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے مدیر فاران نے نادانی میں شہنشاہ ہفت اقلیم پر یہ اعتراض کیا کہ شہنشاہ خدا کا نام ہے اور تائید میں حدیثِ مبارک پیش کردی جس میں شہنشاہِ مطلق کہنے کی غیر خدا کو ممانعت ہے۔ جب ہم نے یہ جواب دیا کہ مدیر فاران حدیث کا مطلب نہیں سمجھتے۔ شہنشاہِ کل، شہنشاہِ مطلق اس حدیث میں اللہ کا نام قرار پایا ہے نہ کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم تو ہمارے جواب کے بعد حدیث سے استدلال چھوڑ دیا۔ حدیث کا مطلب غلط سمجھا اس کا اعتراف چبا گئے، ہاں ظہور قدسی کے لیے علامہ شبلی کا وہ اقتباس فاران شائع کرتا ہے جس میں شہنشاہِ کونین رسول اللہ کو بجا طور پر کہا گیا ہے پھر تعجب ہے کہ غیر اللہ کو فاران کا شہنشاہ کونین بھی کہنا درست۔ مگر بابا صاحب کو شہنشاہ ہفت اقلیم کہنا غلط۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی حکیم محمد علی ترمذیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور تمام اولیاء اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ قطب الاقطاب، شہنشاہِ ہفت اقلیم ہوتا ہے اور تمام عالم کون

فساد حکم الٰہی سے اس کے زیر اقتدار اور تحت اختیار رہتا ہے۔ اس حقیقت کا مشاہدہ لاکھوں افراد نے شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین کے دربار میں کیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ خواص و عوام امت کی تکذیب ہی کسی کا مذہب ہو۔

تربیتِ روحانی

مدیر فاران پورے قرآن اور تمام احادیث پر استقصاء کا دعویٰ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی نبی رسول صحابی نے وفات کے بعد کسی کی تربیت کی ہو اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی، مدیر فاران کے اس شبہ پر ہمیں حیرت نہیں۔ تمام مادہ پرستوں کا یہی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی خاک کا ڈھیر ہو جاتا ہے کفار قریش حشر و نشر کی تردید میں ایسی ہی باتیں کہا کرتے تھے۔ آج بھی دہریت اسی غلط تصور پر زندہ ہے۔ اس خیال کے کچھ لوگ مسلمانوں میں بھی قدیم سے لگے بندھے چلے آ رہے تھے جو عذاب و ثواب برزخ و ارواح کے کلیتہً منکر ہیں۔ ماہر صاحب نے تربیتِ روحانی کے انکار کی بنیاد مودودی صاحب کی تفہیم القرآن پر رکھی ہے۔ یہ طبعزاد تفسیر صحابہ اور مفسرین کی تفسیروں کے خلاف ہے تفسیر نہیں تحریف ہے۔

اگر مودودی صاحب، انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کو اموات غیر احیاء قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کی تفسیر سے ظاہر ہے تو قرآن مجید کی ان آیتوں کو جو ان کے مقصد کی راہ میں مزاحم ہیں قرآن سے نکال دیں۔ بہر حال وہ مجتہد ہیں معنوی تحریف جب کر سکتے ہیں تو لفظی تحریف میں کیا دشواری ہے رہے مدیر فاران تو ان کے پیران پیر قاضی شوکانی کا فیصلہ بحوالہ نیل الاوطار

درج ذیل ہے۔

حیاتِ نبی محققین کی جماعت کا فیصلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعت سے مسرور و شادماں ہوتے ہیں کیونکہ بلاشبہ انبیاء علیہ السلام پر بوسیدگی کا اثر نہیں ہوتا یوں تو مطلق ادراک مثلاً علم اور سماعت تمام مردوں کے لئے ثابت ہے ... کتاب اللہ میں شہداء کے حق میں اعلان کیا ہے کہ

انہم احیاء یرزقون ۔ سب زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور یہ ان کی حیات جسدی ہے۔ تو پھر انبیاء اور مرسلین کا کیا کہنا حدیث سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت نے شب معراج اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء و شہداء کے حق میں حیات برزخی کا تصور بھی غلط ہے کیونکہ برزخی زندگی تو بلا فرق تمام اموات کو حاصل ہے۔ ہاں انبیاء و شہداء کو حیاتِ جسدی حاصل ہے وہ سرور و غم کا احساس بھی کرتے ہیں اچھے عمل بھی کرتے ہیں اور رزق بھی پاتے ہیں۔

ابنِ ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے راوی ہیں کہ ـــ مومن کو عذاب مرگ زندگانی کی اذیت کی طرح ہے اور ابن حجر کہتے ہیں کہ مردہ اذیت رسانی سے رنج و الم محسوس کرتا ہے اور جن چیزوں میں ایک زندہ لذت محسوس کرتا ہے مُردہ بھی ان سے لذت گیر ہوتا ہے (مرقاۃ)

فیوضِ روحانی رہا یہ سوال کہ بعد از وفات صالحین کسی کی تربیت کرتے ہیں یا نہیں تو اس سلسلے میں طویل بحث کے بجائے دو بزرگوں کے حوالے دیتے ہیں۔ ماہر صاحب جن کی عظمت ...

معترف ہیں اور جی چاہے تو تین نام تاکہ تمام اہل دیوبند کو بھی سند مل جائے۔

اوّل شاہ ولی اللہ صاحب کی (۱) فیوض الحرمین (۲) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کو مطالعہ کریں۔ ان دونوں کتابوں میں اس ایک مضمون کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آئیگا۔ کہ اولیاء اللہ بالعموم بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحیح وابستگان کی تربیت فرماتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو سرکار دو عالم سے مسئلہ وحدت الوجود کی تصدیق حاصل کی ہے اور بہت سے علوم اخذ کئے ہیں فیوض الحرمین حافظ علامہ شمس الدین ابن قیمؒ کی کتاب الروح دیکھیں۔

دوم حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کے حوالہ سے حضرت خواجہ محمد معصوم کی عبارت درج ذیل ہے۔

۱۔ مکتوب ۱۴۲ اہل صدق و یقین مرقد مطہر حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ مکتوب ۲۳۹ فقیر کو مدینہ منورہ کا شوق تھا۔ روضۂ انور سے وہ فیوض و برکات حاصل ہوتے رہے جو بیان سے باہر ہیں۔

۳۔ شیخ ابوالحسن خرقانی نے حضرت بایزید بسطامی کی روح سے تربیت پائی۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ سلسلۂ نقشبندیہ اس نسبت روحانی پر قائم ہے۔

۴۔ حضرت بایزید بسطامی کی تربیت حضرت امام جعفر صادق سے بعد وفات ہوتی رہی (رسالہ قدسیہ ملفوظات حضرت بہاؤالدین نقشبندیہ۔ تذکرۃ الاولیا فریدالدین عطار۔ رسالہ قشیریہ)

۵۔ مولانا عبدالقدوس گنگوہی کی تربیت حضرت احمد عبدالحق ردولوی نے اپنی وفات کے بعد کیا مولانا گنگوہی اپنے شیخ الشیوخ کے مزار اقدس سے فیوض و

برکات حاصل کرتے رہے۔

۱۶۔ استمداد بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمائے راسخین قرآن و حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ آیت قرآنی ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک الآیہ اور دوسرے دلائل کے ساتھ یہ بھی ایک دلیل ہے۔

احادیث:۔ مشکوۃ باب الکرامات۔ مدینہ میں قحط پڑا۔ لوگ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی جناب میں حاضر ہوئے۔ صدیقہ طاہرہ نے فرمایا کہ روضۂ انور سے ایک روشن دان آسمان کی سمت بنا دو حسب ہدایت لوگوں نے ایسا کیا خوب بارش ہوئی کہ اہل مدینہ خوشحال ہو گئے یاد رہے یہ عہد صحابہ ہے یہ روایت دارمی میں بھی ہے۔

مشکوۃ زمانۂ فاروقی میں قحط پڑا تو ایک شخص روضۂ انور پر حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا۔ رات کو سید عالم قاسم النعم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ نے فرمایا کہ عمر کو نماز استسقاء پڑھنے کے لئے کہو اور کہدو کہ عقل اور سمجھ سے کام لیں۔ یہ روایت بیہقی ابن ابی شیبہ میں بھی موجود ہے۔ فتوح کے بیان کے مطابق خواب دیکھنے والے حضرت بلال مزنی صحابی ہیں۔

ابن انس سے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ جا رہے تھے کہ پاؤں بے حس ہو گیا تو وہ معذور ہو کر بیٹھ گئے۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ محبوب ترین خلق کو ندا دو۔ انھوں نے کہا یا محمد اور پاؤں درست ہو گیا۔ چلنے لگے۔ یہ روایت مختلف سندوں سے مروی ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کاظمؓ کی قبر قبولِ دعا

کے لئے تریاق مجرب ہے۔

۸۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ جن سے استمداد ان کی زندگی میں جائز ہے بعد وفات بھی جائز ہے۔

۹۔ امام محمد بن مرزوق اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ اولیا سے استمداد ان کی وفات کے بعد نہ صرف جائز ہے بلکہ ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ بہت مؤثر ہے۔

۱۰۔ امام ابن حجر شارح بخاری کہتے ہیں کہ ابو علی نیشاپوری سخت رنج میں مبتلا تھے خواب میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ یحییٰ کی قبر پر جاؤ۔ چنانچہ گئے اور حاجت براری ہوگئی۔

۱۱۔ ابن عابدین شامی اپنی مشہور و معروف کتاب رد المختار کے حاشیہ پر خود ہی لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس کی واپسی کا متمنی ہو تو چاہیئے کہ کسی بلند مقام پر قبلہ رو کھڑا ہو اور فاتحہ پڑھ کر سید احمد بن علوان کو بخشے اور گم شدہ چیز کی واپسی کی درخواست کرے شے گم شدہ مل جائے گی مجرب ہے۔

۱۲۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قصیدہ سمجھ کر پڑھنا بھی مفید ہوگا خوب خوب اشعار ہیں۔ ماہر القادری صاحب تو پھر قادری ہی کہلاتے ہیں۔ یہ قصیدہ ان کے لئے تو ضرور سند ہوگا اگر ماہر صاحب مناسب سمجھیں تو فیوض الحرمین کے علاوہ دو کتابیں مصباح الظلام اور وفاء الوفا کا مطالعہ کرلیں۔

۱۳۔ حضرت طلحہ کی وفات سے ۶۰ سال بعد ان کی صاحبزادی بنت طلحہ کے حکم سے جسد اطہر کو قبر سے نکالا گیا تو صحابی شہید کی لاش بالکل زندوں کی

طرح سے صحیح وسالم تھی۔

۱۴۔ حضرت عثمانؓ شہادت سے کچھ دن بعد دفن ہوئے آپ کے جسم پر کوئی تغیر اثر انداز نہیں تھا۔

۱۵۔ شہدائے اُحد کی لاشوں کو کچھ عرصہ بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کیا گیا۔ ان کے اجسام مقدسہ پر کوئی تغیر نہ آیا تھا۔ بلکہ تازہ خون جاری تھا۔

۱۶۔ سلطان نورالدین زنگی کا تاریخی واقعہ شاہد ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حاضر ہوئے اور روضہ مطہرہ کی تعمیر مستحکم کی، بے ادبوں کو قتل کیا۔

۱۷۔ جب بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے نکلے تو راستہ بھٹک گئے یہاں تک کہ سیدنا یوسفؑ کی وصیت یاد آئی کہ جب بنی اسرائیل مصر سے باہر نکلیں تو میرا جنازہ یہاں سے نکال لے جائیں چنانچہ آپ کا جنازہ یہ لوگ ساتھ لے گئے۔ حالانکہ سیدنا یوسف و سیدنا موسیٰ علیہم السلام کے درمیان ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔ جنازہ اٹھاتے ہی راستہ مل گیا۔

۱۸۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شہید کے خواب کی بنا پر مال متروکہ میں اس کی وصیت جاری فرمائی تھی۔

۱۹۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے اجسادنا ارواحنا وارواحنا اجسادنا۔ ظاہر صاحب کا یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ یہ جنید و شبلی کا تصوف نہیں ہے۔ بھائی یہی ان کا بھی تصوف تھا۔ اب آپ کی نگاہ میں ظاہر و باطن کا فرق محسوس نہ ہو تو اور بات ہے۔ کائنات میں جو کچھ نظر آ رہا ہے سب

کے سربر ذاتِ الٰہی کے تنزلات کا ظہور ہے ، باطن میں ایک ہی حیثیت ہے جو اصل وجود اور سرچشمہ حیوانات ہے ۔ پھر دونوں بزرگ وحدت الوجود کے کان اللہ ولم یکن معہ شئی غیرہ کے ساتھ الآن کما کان

حضرت جنید کا مقولہ ہے وہ تصوف کو صفتِ حق فرماتے ہیں ، آپ کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا تاکہ توحید عوام میں نہ پھیلائیں ۔ شبلیؒ کو پاگل خانہ میں قید کیا گیا ۔ صرف اسی اظہار توحید کے جرم میں آپ کا ارشاد ہے ۔

الصوفی لا یری الی مع اللہ غیر اللہ صوفی دونوں جہان میں غیر خدا کو نہیں دیکھتا ماہر صاحب اپنے قول کے مطابق ان دونوں بزرگوں کے اقوال کی صحت تسلیم کرنے کا اعلان فرمائیں ۔

سماع شریف

مدیر فاران نے ، رقص غنا ، اور مزامیر کو "سماع شریف" کے نام سے نشانہ ملامت بنایا ہے

کاش انہیں علم ہوتا کہ یہ مسئلہ کتنا نازک ہے اور اس پر طعنہ زنی خود علماء و محدثین فقہا و مجتہدین کے نزدیک مذموم ہے چہ جائیکہ ایک غیر عالم طعنہ زن ہو مگر غیر عالم ہی طعنہ زن ہو سکتا ہے ۔

چونکہ تواصی وتناصح اسلامی فریضہ ہے ۔ اس لیے اہل ظواہر کی خیرخواہی میں رقص ، غنا و مزامیر ، سماع شریف " کے متعلق چند باتیں بتا دینا ضروری ہیں تاکہ وہ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں ، وہ پیش نظر غلطی سے تائب ہوں ۔

بہتر ہوتا کہ جناب مدیر فاران امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب بوارف اللماع مطالعہ کر لیتے ، اگر امام غزالی کی صوفیت ماہر صاحب کو راس نہ آئے تو مندرجہ ذیل محدثین کی اسی موضوع پر کتابیں مطالعہ کر لیں ۔

کتاب السماع (ابو الفضل بن طاہر) ، سماع ، آنوی ، کتاب السمعہ (ابن ملقن)

الامتاع فی احکام السماع ادفوئی، وغیرہ۔

غیر مذکورہ بالا کتابیں اور ان کے مصنفین کو جانے دیجئے چونکہ ماہر صاحب کو علامہ شبلی عرب سے عقیدت بھی ہے اور ان سے فخر تلمذ بھی ہے، لہٰذا اسی سلسلے کے پیران پیر قاضی شوکانی کا تحقیقی رسالہ "ابطال دعوی الاجماع" ضرور دیکھ لیں، یہ قاضی شوکانی وہ بزرگ ہیں جن کے نام سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی ان کی موت کے بعد غائبانہ استغاثہ کرتے ہیں ع قاضی شوکان مددے" انھیں قاضی شوکان کی کتاب سے چند باتیں درج کی جاتی ہیں۔

۱؎ ابن طاہر حلت سماع پر صحابہ و تابعین کے اجماع کے قائل ہیں۔

۲؎ تاریخ الفزازی اور ابن قتیبہ حلت سماع کو منسوب کرتے ہیں۔

۳؎ ماوردی کا قول ہے کہ اہل حجاز سال کے ان ایام میں جنھیں عبادت سے ذکر کا حکم ہے۔ سماع کو جائز کہتے ہیں۔

۴؎ امام شافعی اہل مدینہ بلکہ اہل حجاز کی طرف حلت سماع کو منسوب کرتے ہیں

۵؎ ابن نحوی شرح العمدہ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت اور تابعین سے سماع ثابت ہے اور وہ اس کو جائز کہتے ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل صحابہ کی فہرست پائی جاتی ہے۔

۶؎ عمر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، ابومسعود بلالی، عبداللہ بن ارقم، اسامہ بن زید، ضمرہ، ابن عمر، براء بن مالک، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، حسان، عبداللہ بن عمرو، قرظہ بن کعب، خوات بن جبیر، رباح المعترف، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن عاص، ام المومنین عائشہ، ربیع، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ

تابعین میں سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن حسان،
خارجہ بن زید، شریح القاضی، سعید بن جبیر، عامر الشعبی، عبداللہ بن عتیق، عطاء
بن ابی رباح، محمد بن شہاب زہری اور عمر بن عبدالعزیز۔

۶۔ اتباع تابعین میں حلت سماع کے قائلین شمار سے باہر ہیں، چنانچہ
ائمہ اربعہ (ابوحنیفہؒ۔ مالکؒ۔ شافعیؒ۔ ابن حنبلؒ) اور دیگر۔ فرق یہ ہے کہ
مجوزین سماع میں کچھ لوگ اس کو مباح کہتے ہیں، کچھ لوگ مستحب کہتے ہیں اور
بعض لوگ مکروہ کہتے ہیں مگر حرمت سماع کا دعوی اتنا نازک ہے کہ امام ابوالفتوح
کا قول ہے کہ مطلق سماع کو حرام کہنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے استماع غنا ثابت ہے اور ارتکاب حرام کی نسبت حضورؐ کی طرف کفر
ہے اور غنا "آلات کے ساتھ" کے متعلق مشہور احادیث وارد ہیں۔ اس
لئے منکر کے فاسق ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

۷۔ امام ابن طاہر کہتے ہیں کہ غنا مع آلات سنت مطلقہ اور درجہ قربت
ہے کیونکہ اس کی نذر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جائز قرار دی اور ایفائے
نذر کا حکم دیا۔

۸۔ ائمہ احناف میں صاحب بدائع، صاحب ہدایہ، شمس الائمہ سرخسی
اباحت غنا کی تصریح کرتے ہیں۔

۹۔ امام ادفوی کہتے ہیں کہ ممانعت سماع کے متعلق جتنی روایتیں
ہیں سب کی سب ضعیف . . . اور ناقابل استناد ہیں، چنانچہ مالکیہ، شافعیہ
حنابلہ، بلکہ تمام ائمہ اربعہ، داؤد ظاہری، سفیان وغیرہ ائمہ مجتہدین و اصحاب
مذاہب متبعہ میں سے کسی نے بھی ان روایتوں کو مستند نہیں مانا،

۱۰۔ امام ابوبکر بن عربی کہتے ہیں کہ غنا اور آلات غنا کی ممانعت کے

متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب موضوعات ہیں۔

۱۱۔ امام ابنِ طاہر کہتے ہیں کہ روایات حرمت میں ایک حرف بھی صحیح نہیں ہے۔

۱۲۔ علاءالدین قونوی کہتے ہیں کہ ابو محمد بن حزم کا قول ہے کہ حرمتِ غنا کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ سب کی سب موضوعات ہیں اور ان کے وضعی اور جعلی ہونے کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ مگر کسی ایک حدیث ممانعت کی سند میں ثقہ راوی نظر بھی آتے ہیں تو وہ روایت حضور اکرم علیہ السلام تک نہیں پہنچتی (غیر رسول کی طرف منسوب اکیلا قول جبکہ رسول کے عمل و قول کے خلاف ہو کیونکر معتبر و قابلِ قبول ہوگا۔

۱۳۔ امام ابو مالک تنوخی کہتے ہیں کہ فاکہانی کی تحقیق یہ ہے کہ نہ اللہ کی کتاب میں اور نہ سنتِ رسول میں کوئی حدیث صحیح ملتی ہے جس سے ملاہی و غنا و آلاتِ غنا، رقص، کی حرمت معلوم ہو سکے۔

۱۴۔ علامہ ابن نحوی "عمدہ" میں رقم طراز ہیں کہ غنا، عود، و دیگر ملاہی کو حرام سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

۱۵۔ کتاب اللہ میں "کل لهم الطیبات" میں الف لام کی وجہ سے تمام طیبات حلال میں داخل ہیں۔ طیبات مستلذات کے ہم معنی ہیں۔ اور جب کوئی قرینہ مخالف موجود نہیں ہے تو معانی سرگانہ اس میں داخل ہیں (ابن عبد السلام)

۱۶۔ حلتِ سماع عہدِ صحابہ میں اجماعِ سکوتی کا حکم رکھتی ہے کیونکہ سیدنا علی، سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دورِ خلافت میں متعدد صحابہ کا سماع مع آلات ثابت ہے ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

قاضی شوکانی تمام بحثوں کو پیش کرنے کے بعد فیصلہ دیتے ہیں کہ آلات و

بغیر آلات کے سماع کے متعلق جب اہلِ علم میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو کم از کم اتنا خیال رہے کہ اہلِ سماع پر انکار میں سختی نہ ہو۔ چنانچہ قاضی موصوف کہتے ہیں کہ بعض کم علموں اور نادانوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ غنا قطعی دلیلوں سے حرام ہے اور اس کی حرمت گویا اجماعی حیثیت رکھتی ہے تو یاد رہے کہ اس طرح کا خیال محض افترا اور جہالت ہے کیا کوئی شخص یہ ماننے کو تیار ہے کہ صحابی کی ایک جماعت تابعین اور ائمہ ہدایت فعل حرام کے ارتکاب میں متفق و متحد ہو سکتے ہیں، معاذ اللہ ایسا خیال باطل اور حد درجہ فاسد ہے، لہٰذا (قاضی شوکانی) نے ان نجوم ہدایت کے ناموس کی حفاظت اور ان کی جانب سے معترضین کے اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نہ تو سماع کی مجلس میں کبھی بیٹھے نہ اہل سماع سے ملے اور نہ اقسام سماع سے آگاہ ہوئے لیکن ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ طرفین کے دلائل لکھ دیں اور جاہلوں کے سینے سے بیماری و فساد دور کر دیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اہلِ سماع کو برا کہنے والے کسی اچھے موقف میں نہیں کھڑے ہیں (قاضی شوکانی)

ان اقوال کے درج کرنے کی غرض یہ ہے کہ ماہر صاحب اگر حق گوئی کے مدعی ہیں تو اس کا اعلان کر دیں کہ وہ آئندہ کبھی سماع شریف اہلِ سماع کا استخفاف نہیں کریں۔

نتائج :-
فراستِ مومنہ کا فقدان

حدیث شریف ہے۔
اتقوا من فراسۃ المومن انہ ینظر بنور اللہ

مومن کی فراست سے ڈرو۔ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔ علم کو

نور کہا گیا ہے (العلم نور) قرآن میں ہے، اللہ جس کو ہدایت فرماتا ہے اسکو حقائق اسلام کے لئے "شرح صدر" فرماتا ہے۔ اس کے برعکس حسد، کینہ، بغض وعناد، تنگ نظری اور تعصب کے امراضِ خبیثہ سوءِ اعتقاد، سوءِ ظن، سوءِ اخلاق، کی مہلک بیماریاں صرف انہی قلوب کو لاحق ہوتی ہیں جو قلوب یادِ الٰہی سے غافل ہیں (من اغفلنا قلبہ) کا مصداق ہیں واتبع ھواہ کا مظہر ہیں۔ کفر و نفاق ان دلوں میں اپنی جڑیں پھیلا چکا ہے۔ ایسے قلوب قبول ہدایت سے محروم ہیں۔ انہی پر اللہ کی مہر لگی ہے۔ ختم اللہ علی قلوبہم ان دلوں کو اندھا کہا گیا ہے تعمی القلوب التی فی الصدور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے علم کو ان کے حق میں حجاب بنایا ہے۔ من اضلہ اللہ علی علم اعلیٰ کیطرف متوجہ ہونے کے بجائے ادنیٰ کیطرف متوجہ ہوکر مخلوق کی عیب جوئی، نکتہ چینی بدگوئی کو انھوں نے اپنا علمی مشغلہ بنایا اور اس پر مطلع نہ ہوسکے کہ یہ فریب نفس ہے۔ کہ خود کو اصلاح یافتہ صالح اور دوسروں سے اچھا سمجھتے ہیں پھر اس برائی کو وہ بھلائی سمجھنے لگے۔ بیدینی کو دین خیال کرتے ہیں یہ عین گمراہی ہے۔ الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا یحسبون انہم یحسنون صنعا۔

ان کے رسائل وجرائد کو دیکھو، ان کی تصانیف وتالیفات ملاحظہ کرو۔ ان کا ادب صالح اور دینی لٹریچر دیکھو۔ شیاطین کیلئے تو ان کو یہ حسن ظن ہے کہ وہ زندہ ہیں، اور انبیاء و تابعینِ انبیاء کے ساتھ ان کو یہ عناد کہ ان کو اموات کہتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ قرآن ہی سے سند پیش کرتے ہیں (اموات غیر احیا) حالانکہ وہ تو "احیاء" غیر

اموات ہیں۔

جب نبیوں کی جناب میں ان کی یہ گستاخانہ اور کافرانہ روش ہے تو پھر اوروں کا ذکر ہی کیا، ان کی زبان اور قلم سے کون سا مسلمان بچا ہوا ہے؟ علمائے کبار کا تخطیہ، مجتہدین کی تغلیط، اولیاء اللہ کی توہین، انبیاء کرام کی تحقیر عام مسلمانوں کی تعریض، ان کی تشہیر، یہ ہے صالحیت، اقامت دین، احیاء اسلام" اعمالِ ظاہری کے پیمانے سے وہ ایمان کو ناپتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ منافقین خود کو مسلمان بھی کہتے تھے۔ توحید و رسالت کا اقرار بھی کرتے تھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ روزے بھی رکھتے تھے حج و زکوٰۃ میں بھی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ جہاد میں بھی ساتھ ساتھ رہتے تھے غرضیکہ وہ تمام اعمال و اقوال ظاہری کے موصوف تھے۔ جن سے ایک مسلمان موصوف ہو سکتا ہے اس لئے سب ان کو مسلمان ہی سمجھتے تھے مگر ان تمام باتوں کے باوجود۔ ان کو منافق کہا گیا۔ ان کو واجب القتل قرار دیا گیا۔ ثابت ہوا کہ اعمال ظاہری مقصود بالذات نہیں اگر یہ مقصود بالذات ہوتے تو منافقین تمام اعمالِ ظاہری سے موصوف ہوتے ہوئے واجب القتل قرار نہیں دیئے جا سکتے۔؟

یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم بل ینظر الی قلوبکم ونیاتکم

اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں کو اور ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے اس لئے بارگاہِ نبوت سے اعلان فرما دیا گیا۔

نیّت المومن خیر من عملہ مومن کی نیت کے عمل سے بہتر ہے متفق علیہ حدیث ہے۔ انما الاعمال بالنیّات - اعمال کا اعتبار نیتوں پر منحصر ہے۔

نیّت باطنی حالت کا نام ہے۔ باطنی حالت قلبی کیفیت کا نام ہے، پھر اگر قلب امراض خبیثہ کا مریض ہے، جہل، پندار، عُجب، نخوت، کبر و ریا، حرص و طمع، بغض و حسد، کفر و نفاق سے پاک نہیں ہے تو پاک اعمال کا صدور کہاں سے ہوگا۔ سرچشمہ ہی گندا ہے تو آبِ طہور کہاں سے آئے گا۔ زمین ہی بنجر سنگلاخ اور شورہ زار ہے تو بیل بوٹے کیسے اگیں گے۔ بیج ہی دھتورے اور ستیاناسی کے پڑے ہیں تو گل و ریاحین لالہ و نسرین کہاں سے پیدا ہوں گے؟ جب سرزمینِ دل میں فساد رونما ہوتا ہے تو اس فساد فی الارض کے شعلوں کی لپیٹ میں پورا نظام افکار و اعمال آجاتا ہے۔ دل فاسد ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی فاسد ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب و حکمت کے علوم سکھلانے سے پہلے نفوسِ انسانی کا تزکیہ فرماتے۔ قلوبِ انسانی کو سرچشمۂ علم و حکمت قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اصلاحِ اعمال اصلاحِ قلب پر منحصر ہے۔

تزکیۂ نفس ان فی جسد آدم جسم انسانی میں ایک لمضغۃ اذا فسدت گوشت کا ٹکڑا ہے جب فسد کلّہ واذا صلحت صلحت کلہ الا و وہ فاسد ہوتا ہے تو نظام جسم پورا کا پورا فاسد ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ وہ هو القلب۔ دل ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ "خوارج" کتنے عابد و زاہد اور متورع تھے
ان کی پیشانی پر غلط سجدوں کے نشان نمایاں تھے ان کی ظاہری صورت دینداری
اور تقویٰ کا مرقع تھی۔"

پھر اگر اعمالِ ظاہری مقصود ہوتے تو خوارج پر "صالحین" کے اطلاق میں
کونسا امر مانع تھا؟ اعمالِ ظاہری کو ناپنے کے جتنے پیمانے ہو سکتے ہیں ان سب
پیمانوں پر ان کے اعمال پورے اترتے ہیں "صالحیت" کا جامہ ان کے جسم پر بالکل
"فٹ" آتا ہے، "فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا" معلوم ہوا کہ انکے
باطن میں روگ تھا ان کے قلوب میں مرض تھا باطن کی خرابیوں نے ان کے تمام اعمال
کو اکارت کر دیا جو بظاہر اعمالِ صالحہ کی تعریف میں آتے تھے۔ وہ دل کی بیماری کیا تھی؟
حضرت علی علیہ السلام کی جناب میں سوئے ظنی اور بدعقیدتی" ورنہ وہ خدا کے
منکر نہ تھے، رسول کے منکر نہ تھے۔ کتاب اللہ کے منکر نہ تھے بلکہ اس کے برعکس
وہ ان عقائد میں نہایت متشدد اور دشوار پسند تھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ ان کی دین
داری ان کا تقویٰ، عبادتوں کا اہتمام، ریاضتوں کا التزام، خدا کو خدا ماننا، رسول
کو ماننا، قرآن و احادیث کو ماننا اور اعمالِ صالحہ سے موصوف ہونا کچھ بھی تو ان کے
کام نہ آیا، سرچشمۂ ولایت جناب مولا علی علیہ السلام کی عداوت ان کو سیدھا
جہنم میں لے گئی۔

بے ادب بودن پئے خاصانِ حق
دل بپیر اندیشہ دارد ورق

عنایاتِ حق و خاصانِ حق — گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ثابت ہوا کہ اعمالِ ظاہری مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ اعمال کا اطلاق
ہی ان اعمال پر باطل ہے۔ جو "آنچہ آدم می کند بوزنہ ہم می کند" کا مصداق ہوں۔

ظاہر میں مسلمانوں کی حرکات وسکنات کا چربہ اُتار نا ان کے افعال و اقوال کی نقالی کرنا۔ اور باطن میں انبیاء و صدیقین شہداء اور صالحین سے بدعقیدتی رکھنا جو صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے قرآن کے الفاظ میں بہترین ساتھی ہیں۔ کسی مسلمان کی راہ نہیں ہے مغضوبین اور ضالین ہی کی راہ ہو سکتی ہے " اس طریق کا آدمی دین کے لباس میں بے دین ہے۔ اس کے اعمال ظاہری خواہ صالحیت کے لباس میں ملبوس نظر آئیں وہ منافق ہے، بے دین ہے، خارجی ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں صراحتہً "تزکیہ قلبی" کی تاکید موجود ہے اور بغیر تزکیہ قلبی کے پورے نظام جسمانی کے فاسد ہو جانے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ جنہوں نے سفرِ زندگی کے ہر موڑ پر نبوت کے چشم ابرو کے اشاروں کو رہنما بنایا ہے۔ نفس کی گھاٹیوں کو عبور کیا ہے، تزکیہ قلب کے مراحل سے گزرے ہیں، ان کا ہر نقش قدم صراط الذین انعمت علیہم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ان صالحین کی راہ سے منہ موڑ کر صالحیت کا معیار یہ رہ گیا ہے کہ اسلامی جماعت میں شامل ہو جائیں، آپ صالح ہو جائیں گے۔ پھر آپ کو تمام مسلمانوں کی عیب جوئی، نکتہ چینی، بدگوئی کا ٹائٹل مل جائے گا۔ اولیاء کی جناب میں گستاخی کے آپ مجاز ہوں گے، ائمہ مجتہدین کی تغلیط، علماء کبار کی توہین کا آپ کو اختیار ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار ثابت کرنا، انبیاء عظام اولیاء کرام کو امواتٌ غیرُ احیاءٍ اور شہیدانِ باطن کو زندہ کہنا، لکڑی پتھر کی مورتیوں کا غیر اللہ کی پرستش میں شمار نہ ہونا جائز ہو جائے گا۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

دردمندانہ گزارش

کاش ماہر صاحب پاس سخن اور مہارت سے الگ ہو کر جمہور مفسرین کے اقوال اور کتاب و سنت

کی دلائل "قطعیہ" کو بہ نظرِ انصاف دیکھیں گے اور مودودی صاحب کے ضعفِ علمی پر جو اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے اس سے رجوع کریں گے۔ علماءِ حق کی آوازیں اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں ان تک پہنچ گئیں، اللہ کی حجت تمام ہو گئی۔ وما علینا الا البلاغ۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اسلام کے تقاضے مودودی صاحب کا ایک مضمون سولہ صفحات میں چھوٹے سائز پر جماعتِ اسلامی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

اس مضمون میں قومِ نوح قوم عاد قوم لوط اہل مدین سے لے کر بنی اسرائیل تک کی تباہی بربادی ہلاکت ذلت ونکبت کا اصل سبب ان اقوام کے اعتقاد و عمل کی خرابی کو بتایا گیا ہے۔

کتاب وسنت سے اس مضمون میں جابجا تائید حاصل کی گئی ہے، اعتقاد اور عمل کی خرابی کو متعدی مرض قرار دیا گیا ہے۔ علماء اولی الامر اور مشائخ کو اس مرض کا معالج بنایا گیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حفظانِ صحت کی تدبیر کہا گیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اعتقاد اور عمل کی خرابی دین و دنیا میں تباہی کا موجب ہوتی ہے اور اس کا تدارک علماء کی ذمہ داری ہے مگر اعتقاد اور عمل کی صحت کا معیار خود علماء کے نزدیک واحد نہیں۔ اس کا کیا علاج ہے؟

مودودی صاحب اپنے عقائد میں تمام علمائے امت سے منفرد ہیں۔ علمائے اہل حدیث علمائے دیوبند، علماء بریلی علماء لکھنؤ سب ہی نے ان کی تحریک کو خارجیت کی طرف میلان سے تعبیر کیا ہے۔

اعتقاد اور عمل کہنے میں جتنے آسان اور سیدھے سادے الفاظ معلوم ہوتے ہیں میدانِ عمل میں اتنے ہی پیچیدہ اور کثیر المعنی ہو جاتے ہیں۔

فسادِ اعتقاد کی اصل

یہ صحیح ہے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط، اہلِ مدین اور بنی اسرائیل کے اعتقاد و اعمال میں فساد تھا۔ اور یہ فساد ان کی ہلاکت اور تباہی پر منتج ہو کر رہا۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اعتقاد میں جو فساد رونما ہوا تھا اس کا سبب کیا تھا؟

وجہ عذاب

مودودی صاحب سے زیادہ اس بات کو کون جان سکتا ہے کہ خرابی اعتقاد کا سبب اصلی صرف خدا کے برگزیدہ بندوں کی تکذیب تردید اور توہین کے سوائے کچھ بھی نہ تھا۔ انھوں نے رسولوں سے استہزاء و تمسخر روا رکھا۔ ان کے مراتب کو نہ پہچانا۔ انھیں اپنا ایسا بشر کہا۔ ان سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کیا۔ انھیں ایذائیں دیں۔ گالیاں دیں۔ انھیں ساحر کہا دیوانہ ٹھہرایا۔ کاہن، کاذب اور شاعر بتایا۔

اس بے ادبی اور گستاخی کی پاداش میں وہ قومیں مستحق عذاب ہوئیں۔ بستیاں الٹ دی گئیں، قریے تباہ کر دیئے گئے، خشک و تر بحر و بر میں کہیں ان کو عذابِ الٰہی سے اماں نہ مل سکی۔

بد دعا

قرآن کے مطالعے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ جتنی قومیں ہلاک ہوئیں وہ کسی نہ کسی خدا کے مقبول بندے کی دل آزاری اور نافرمانی کے سبب سے ہلاک ہوئیں۔ ایک مردِ مومن کی بد دعا نے تمام دنیا جہان کے کافروں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۔ ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام بد دعا نہ فرماتے تو طوفان نوح نہ آتا۔ اعتقاد و عمل کی ہزار خرابیوں کے باوجود عذاب الٰہی نازل نہ ہوتا۔ جیسا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین طائف پر اعتقاد اور عمل کی خرابیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں سے سابقہ پڑا۔ انھوں نے آپ کو نہایت بے رحمی اور سفاکی سے مجروح کیا۔ آپ کی تکذیب اور توہین میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔ مگر آپ نے چونکہ بددعاء نہ فرمائی۔ اس لیئے وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے اور ملک الجبال نے طائف کی پہاڑیوں کو الٹ پر نہ الٹا۔ وہ مستحق عذاب ہونے کے باوجود عذاب سے محفوظ رہے۔ چونکہ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں اس لئے کافروں کے حق میں بھی آپ کی رحمت مانع عذاب ہوئی یہ ہم نہیں کہتے قرآن مجید میں اعلان خداوندی ہے۔ مَاکَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَاَنْتَ فِیْہِمْ جہاں اللہ کی رحمت کارفرما ہے وہاں اللہ کا عذاب کس طرح نازل ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کو جبار و قہار خشمگیں غضب آلود قہرمان نامہربان سخت گیر منتقم جو ثابت کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی رحمت ہر شئے پر وسیع ہے اور ہمارے آقا شفیع المذنبین رحمت اللعالمین ہیں۔

قیاس مع الفارق

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب قرآن کریم کی وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں نازل ہوتی ہیں اور ان کو مستحق عذاب قرار دینے والی ہیں مسلمانوں پر چپکائی ہیں اور امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو قوم نوح۔ عاد۔ قوم لوط، اہل مدین اور بنی اسرائیل کی طرح اعتقاد و عمل کے فساد کا مجرم بتاتے ہوئے مورد عذاب ہونے سے ڈرایا گیا ہے۔ اور وَاَنْتَ فِیْہِمْ والی آیتِ قرآنی جو امت محمدیہ کے لئے مانع عذاب ہے اس کو نظرانداز کیا گیا ہے۔

اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب (۱) حیات النبی کا اعتقاد نہیں رکھتے (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین ان معنوں میں اعتقاد نہیں کرتے کہ آپ آج بھی رحمت عالم ہیں (۳) محمد الرسول اللہ احمد

پر آج ایمان لانے کو بالکل ویسا ہی نہیں سمجھتے جیسا کہ قرونِ اولیٰ میں آپ پر ایمان لایا جاتا تھا زندہ رسول پر ایمان لانا شاید منافی امارت۔

آئیڈیل سوسائٹی مودودی صاحب نے اسی کتابچہ (اسلام کے تقاضے) میں لکھا ہے۔

"قرآن مجید کا مقصد دراصل ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے۔ جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری غیرت و حیا اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے اور کسی اجرت کے بغیر فدائی فوجدار بن کر رہے۔ وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرہ ۱۰)

اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل اور متوسط امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر نگراں رہو اور رسول تم پر نگراں رہے۔ (اسلام کے تقاضے صفحہ ۱۲)

عبارت مندرجہ بالا سے جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن مجید احتساب اور نگرانی ایسے اہم فرض کی انجام دہی کے لئے خود کوئی لائحہ عمل پیش نہیں کرتا۔ ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور اپنی فطری غیرت و حیا اور خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر اس اہم فرض کو انجام دے۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم ایک طرف تو قرآن مجید کی جامعیت کے منافی ہے دوسری طرف جتنے افراد اتنے ہی ان کے قلبی رجحانات، اتنی ہی ان کی فطری غیرت و حیا کے تقاضے اتنے ہی خالص ان کے ضمیر کی تحریکات اس کے یہ معنی ہوئے کہ کوئی طریق احتساب متعین ہے نہ ضابطہ نگرانی مقرر ہے ہر فرد کی عنانِ اختیار اس کے دل اس کی فطرت اس کے ضمیر کے ہاتھ میں دے کر قرآن مجید کا اصلی مقصد ایسی ہی ایک آئیڈیل سوسائٹی بنانا ہے یا ہر فرد کے دل پر اس کی فطرت پر اس کے ضمیر پر اللہ کی حکومت قائم کرنا قرآن کا اصلی مقصد

ہے۔؟

وحی اور ہوا

وحی اور ہوا کا فرق مودودی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ وہ اتباعِ وحی کی طرف دعوت دینے کی جگہ اتباعِ ہوا کی تلقین فرما رہے ہیں۔ یہ تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ اگرچہ انہوں نے اتباعِ ہوا کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے مگر جو الفاظ انھوں نے استعمال کیئے ہیں ان کا مطلب اتباعِ ہوا کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ آپ اُن کے مجوزہ الفاظ کا تجزیہ کیجئے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ رجحانِ قلبی کے کیا معنی ہیں؟ جو جی بس آئے۔ جو دل چاہے جو بات دل کو لگے جس طرف دل مائل ہو۔ جس سمت دل جھکے غرضیکہ رجحانِ قلبی کے جو معنی بھی مراد لیئے جائیں گے ان میں دل کی چاہت کا مفہوم ضرور ہے۔ اسی خواہش اور چاہت کا دوسرا نام ہوا ہے۔ اسی طرح خالص اپنے ضمیر کی تحریک وہ ہوگی جو تمام خارجی اور داخلی اثرات کی آمیزش سے پاک ہو۔ اگر ایک فرد کے خالص ضمیر کی تحریک کسی دوسرے فرد کی خالص ضمیر کی تحریک سے متصادم ہو تو باہمی مفاہمت مصالحت دونوں کے ضمیر کے خلاف ہوگی اور مفاہمت مصالحت نہ ہوگی تو افکار و نظریات میں بھی آویزش رونما ہوں گی۔ اور ہر فرد چونکہ خالص اپنے ضمیر کی تحریک پر ادائیگی فرض کی بنیاد استوار کرے گا۔ اس لیئے اس قسم کے افراد کوئی جماعت نہ بنا سکیں گے تفریق و تشتت میں مبتلا رہیں گے اور یہ صورت معاشرے میں فسادِ عظیم کا سبب ہو جائے گی کہ احکامِ الٰہی کے بجائے خالص احکامِ ضمیر کو معیارِ عمل یا بنیادِ کار بنایا جائے۔

ضمیر

ضمیر کی حقیقت کیا ہے؟ خود نفسِ انسانی میں جو داعیات مضمر ہوتے ہیں وہی ضمیر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک گاؤکشی ان کے ضمیر کے خلاف ہے مگر مسلمانوں کے

نزدیک گائے کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا ان کے ضمیر کے عین مطابق ہے پھر ضمیر انسانی جہاں مفروات نفس سے بنتا ہے وہاں ماحول گرد و پیش کے رجحانات اور حالات کے ماتحت بنتا اور بگڑتا رہتا ہے پس اس سے زیادہ خطرناک راہ کوئی نہیں ہو سکتی کہ افراد کو ان کے نفس کے حوالے کر دیا جائے اور خالص ان کے ضمیر کو ان کا رہنما قرار دیا جائے جبکہ کوئی فرد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا ضمیر یا مافی الضمیر عین مراد حق ہے اور وحی الٰہی کی طرح غلطی اور خطا سے پاک ہے۔

بے جا ناز برداری

مودودی صاحب نے چونکہ قرآن مجید کا اصلی مقصد ایک آئیڈیل سوسائٹی کا قیام تجویز کیا ہے اور اس سوسائٹی کے طریق احتساب اور طرز نگرانی کا کام ہر فرد کے ضمیر پر منحصر قرار دیا ہے بلفظ ضمیر یہاں کانشنس کا قائم مقام ہے یہ انگریزی داں طبقہ کی بے جا ناز برداری ہے کہ ان کو خوش کرنے کے لئے قرآن مجید کو ماڈرن فکر و نظر کے سانچے میں ڈھالنے کی غلط کوشش کی جا رہی ہے۔

قرآن کا دائرہ عمل

ورنہ قرآن مجید کا دائرۂ عمل تمام نوعِ انسانی پر محیط ہے اور نوعِ انسانی کے عقائد و افکار، اعیان و عواطف داعیات و رجحانات پر احکام قرآنی، حاکمانہ تسلط و اقتدار رکھتے ہیں۔ قلبی رجحانات ہوں یا فطری داعیات شرم و حیا ہوں یا خالص اپنے ضمیر کی تحریک ہو۔ ان میں سے کوئی یا سب کے سب مل کر کسی مسلمان کے طریق کار کی بنیاد بننے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتے۔ جب تک کہ انکو کتاب و سنت سے مقید نہ کیا جائے۔ اور جہاں ان پر یہ قید لگائی جائیگی تو وہ قلبی رجحانات، فطری داعیات اور خالص اپنے ضمیر کی تحریکات پھر انسانی تقلبیات انسانی فطرت اور انسانی ضمیر کی طرف منسوب نہ ہوں گے بلکہ ان کی نسبت

نفس انسانی سے مرتفع ہو کر حق کیطرف ہو گی۔ یہی اتباعِ وحی کا مقام ہے اور یہی ہوا سے اجتناب کا لفظ ہے۔ قلبی رجحانات، فطری داعیات اور خالص ضمیر کی تحریک، یہ خوش آہند لفظوں کا ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جس کے معنی نفس کی بھول بھلیاں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ زیادہ واضح الفاظ میں یہ سب اتّباعِ نفس اور اتباعِ ہوا کی دلفریب صورتیں ہیں خدا ان سے بچائے۔

غرضیکہ مودودی صاحب نے اپنی آیئڈیل سوسائٹی کے قیام کو قرآن کا اصلی مقصد قرار دینے میں بھی جسارت سے کام لیا ہے اور اس کے طریق کار کو افراد کے قلبی جذبات فطرت اور ضمیر کے سپرد کرنے میں بھی جو ذمہ داری قرآن مجید پر عائد کی ہے قرآن مجید اس سے بھی بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

بت پرستی — لو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت والارض۔

اگر خدا ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو نظام ارضی و نظام سماوی فاسد ہو جاتا۔

خواہش ایک بت ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں ہوا کو الٰہ کہا گیا ہے۔ اور اہلِ ہوا کو بتوں کا پجاری قرار دیا گیا ہے افرءیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔

اتباعِ وحی — اس بت پرستی سے بچنے کا امکان ہی نہیں جب تک انسان اپنے نفس کو وحی کے تابع نہ کر دے۔ قلبی رجحانات فطری داعیات اور تحریک ضمیر کی صحت کا معیار یہ ہے کہ وہ احکام قرآنیہ سے معارض یا متصادم نہ ہوں اور جب وہ معارض اور متصادم ہوں گی بلکہ عین موافق ہوں گی تو ان رجحانات داعیات اور ضمیر کی تحریکات کی حیثیت

متبوع کی ہو گی نہ کہ تابع کی۔

قرآن کا غلط ترجمہ امۃً وسطاً کا ترجمہ مودودی صاحب نے خود کیا ہو یا کہیں سے نقل کیا ہو بہر صورت وہ ترجمہ نہیں، اضافہ ہے اور غلط ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وکذٰلک جعلنٰکم امۃً وسطاً اور اس طرح ہم نے تم کو ایک عادل اور متوسط امت بنایا ہے۔

ترجمہ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت قرآنی میں جیسے لفظ عادل نازل ہونے سے رہ گیا تھا۔ معاذ اللہ اس کمی کو ترجمے سے پورا کیا گیا ہے۔

امۃً وسطاً کا ترجمہ متوسط امت ہے اور ٹھیک ہے مگر کوئی پوچھے یہ عادل کون سے لفظ کا ترجمہ ہے؟ زیادتی ہے بے باکی ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ جولانیٔ طبع کا نازیبا استعمال ہے۔

خدائی فوجدار آئیڈیل سوسائٹی جس کا ہر فرد اپنے قلبی رجحان اور فطری داعیات اور اپنے ضمیر کی تحریک پر احتساب اور نگرانی کا فرض انجام دے گا۔ اس کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

(ہر فرد) بغیر کسی اُجرت کے خدائی فوجدار ہو کر رہے گا۔[۱۲] اوّل تو خدائی فوجدار کوئی علمی اصطلاح نہیں ہے۔ عامیانہ اور سوقیانہ اصطلاح ہے۔ کتاب و سنّت میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں ہے جس کا ترجمہ خدائی فوجدار سے کیا جا سکتا ہو۔ پھر اس عامیانہ اصطلاح کا محلِ استعمال بھی یہ نہیں ہے جو مودودی صاحب نے تجویز کیا ہے۔ خدائی فوجدار کے معنی میں تعریف یا مدح کا پہلو نہیں ہے ذم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہاں محلِ مدح میں یہ لفظ غلط مستعمل

ہوا ہے"۔

پھر خدائی فوجدار کون ہو سکتا ہے خدا نے کسی کو فوجدار مقرر کیا ہے؟ فوجداری کے اختیارات تفویض کئے ہیں۔ اور اگر فوجدار سے خدا کی فوج کا سردار مراد ہے تو افواج الٰہیہ کا یہ حال ہے کہ ما یعلم جنود ربک الا ھو۔ خدائی افواج کا حال خدا ہی کو معلوم ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ لفظ مدح میں مستعمل نہیں ہونا چاہیے۔ ذم میں بولا جاتا ہے اور اس سے مراد فرعون بے سامان، ادعائے باطل کا علمبردار، اسیر ہوا، بر خود غلط، جہل مرکب میں گرفتار ہرزہ کار ہو سکتا ہے۔

صفائی

اس کتابچہ میں صفائی، ستھرائی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں وہ (مسلمان) نہ صرف اپنے جسم اور اپنے گھر کو پاک رکھے بلکہ بستی میں جہاں کہیں غلاظت اور نجاست دیکھے۔ اسکو دور کر دے۔ اور کسی جگہ گندگی اور کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو۔ ص ۱۴

کاش جسم کو گھر و بستی کو غلاظت اور نجاست سے پاک رکھنے کا مشورہ دیتے وقت دل کو نفس کو ضمیر کو بھی پاک رکھنے کا مشورہ دیا جاتا۔ اور جہاں یہ کہا گیا ہے کہ کسی جگہ گندگی اور کثافت کے رہنے کا روادار نہ ہو وہاں تھوڑی سی جگہ تزکیۂ باطن کے لیے بھی نکالتے۔ مگر تزکیۂ قلب تزکیہ نفس تزکیۂ باطن تو مودودی صاحب کی بارگاہ میں معتوب ہیں۔ یہ تصوف کی اصطلاحات ہیں اور تصوف انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ حالانکہ تزکیہ تصوف کی نہیں قرآن کی اصطلاح ہے اور نبی کریم کے ماتحت مقصد بعثت یہی تزکیہ ہے۔ تزکیۂ نفس ہی کے خلاف وہ نہیں ہیں بلکہ اس کے لوازم مثلاً زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت کو بھی وہ ناپسند فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

جو امراء علماء اور مشائخ اپنے محلوں اور اپنے گھروں اور اپنی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی ادائے رہے ہیں وہ بھی خدا کے ہاں جواب دہی سے بچ نہیں سکتے ص۱۶

قرآن مجید غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی ایک دوسرے کا بوجھ (بار ذمہ داری) نہ اٹھائے گا مگر مودودی صاحب اس کے برعکس فرماتے ہیں۔

کہ علماء اور مشائخ صرف اپنے ہی اعمال کے جوابدہ نہیں بلکہ پوری قوم کے اعمال کی جوابدہی بھی ایک بڑی حد تک ان پر عائد ہے ص۱۸

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف مودودی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ ہدایت صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نزدیک یہ اختیار نہ تھا کہ وہ جس کو چاہتے ہدایت فرما دیتے۔ دوسری طرف وہ علماء اور مشائخ کو قوم کے اعتقاد اور عمل کی اصلاح کا ذمہ دار بھی قرار دیتے ہیں اور ساری بد اعتقادیوں اور بد اعمالیوں کی ذمہ داری اور جوابدہی ان پر عائد کرتے ہیں۔

صلاح کار کجا و من خراب کجا   ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بہر حال دینی اور لادینی افکار کو دین کا لباس پہنا دینے میں مودودی صاحب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ قرآن مجید نے خیر امت کا لقب جو امت محمدیہ کو عطا کیا ہے۔ اس کے خطاب کو وہ حزبی بنا کر اپنی جماعت پر چسپاں کرتے ہیں۔ اصل آئیڈیل سوسائٹی کا بھی کلی تصور ان کے ذہن میں ہے وہ بھی حزبی ہے جس میں خدائی فوجدار قسم کے لوگوں کے سوا دوسرے معنی میں سپاہیوں کا گذر نہیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہر شخص دوسروں کے لئے خدائی فوجدار بن کر رہے اور اپنے آپ کو

امر بالمعروف کرے۔ نہی عن المنکر کا موقع دے۔

ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصحِ خود یافتم کم در جہاں

نیکوکاری، تقویٰ اور اعمال صالحہ کا سرچشمہ قلب انسانی ہے۔ اگر دل پاک ہوگا تو اعمال خود بخود پاک ہو جائیں گے۔ اگر دل میں فساد اور خرابی ہے تو تمام اعمالِ فاسد و خراب سرزد ہوں گے۔ خواہ ان کی ظاہری صورت بھلی معلوم کیوں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنّ فی جسدِ ادم لمضغۃ اذا فسدت فسد الکل واذا صلحت صلح الکل الا وھی القلب۔ یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ فاسد ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی و روحانی فاسد ہو جاتا ہے اور جب وہ صالح ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی و روحانی خود بخود صالح ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو اس کا نام دل ہے۔

اس ارشادِ گرامی کی روشنی میں وہ خطۂ جہاں سب سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔ وہ سرزمینِ دل ہے اور تمکین علی الارض سے سریر آرائے سلطنت دل ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ احکام الٰہیہ کا دل میں بیٹھ جانا قائم ہو جانا ہی خدا کی حکومت کے قیام کی شرط اولین ہے۔ ورنہ خالی جسموں پر تقویٰ کا نمائشی لباس لا دینے سے کام نہیں چلتا۔ کیونکہ اعمال صالحہ بجائے خود مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ حصول مقصود کا ذریعہ ہیں۔

حق و باطل

ممنوعات شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل حرام۔ اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ سرقہ زنا، شراب خوری، ترک نماز روزہ وغیرہ و فرائض جو خدا نے مقرر کئے ہیں ان کا مباشر مومن فاسق ہے۔

دوم :۔ کفر۔ دوسرا مذہب اختیار کرنا بحکم من تبتغ غیر الاسلام

دینا فلن یقبل منه مگر اس سے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

سوئم: شرک بحکم ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔ اس کا حکم دنیا میں لحوقِ عار اور آخرت میں خلود نار ہے۔ یہ شرک بقیقی توجیہ عمل اور اعتقاد الوہیت کے ساتھ غیر خدا کی عبادت کرنے میں منحصر ہے۔

سجدہ سجدہ کے لیے شریعت میں جو حکم ہے وہ سنیے۔ اگر سجدہ کرنے والا مسجود کی الوہیت اور معبودیت کا معترف ہے تو یہ سجدۂ عبادت ہے۔ اور سجدۂ عبادت غیر خدا کے لیے موجب شرک ہے۔ وہ مسجود خواہ انسان ہو یا حیوان جماد ہو یا نبات مردہ ہو یا زندہ، ولی ہو یا غیر ولی اور اگر سجدہ کرنے والا الوہیت اور معبودیت کا معتقد نہیں ہے تو یہ سجدۂ تحیت و تعظیم کا سجدہ کہلاتا ہے غیر خدا کو سجدۂ تحیت و تعظیم کہیں موجب کفر نہیں ہے بلکہ اس کا جواز شریعت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں اول سورۂ بقر میں دوئم سورۂ اعراف سوئم سورۂ حجر چہارم سورۂ میں مذکور ہے کہ ملائکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ فقلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین ما حکم کردیم فرشتگان را تا سجدہ کنند برائے آدم پس سجدہ کردند ہمہ ملائک مگر ابلیس کہ انکار کرد و سرکشی نمود پس از کافرین شد۔

پنجم: سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ حکایتاً فرماتا ہے ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا۔ یعنی بر داشت یوسف علیہ السلام والدین خود را بر تخت و بے ہوش افتادند آنہا سجدہ کناں برائے یوسف علیہ السلام۔

تمام مفسرین سوائے مجاہد کے اس امر پر متفق ہیں کہ یہ سجدہ نہ

ملائکہ نے آدم کو کیا وہ تحیت و تعظیم کا سجدہ تھا۔ بیضاوی نے اس سجدے سے سجدہ تعبد، تعبدی مراد لیا ہے۔ یہ کہا ہے کہ یہ سجدہ خدا کو تھا، آدم علیہ السلام سمتِ قبلہ تھے۔ قاضی بیضاوی کے اس قول کو تمام مفسرین نے رد کیا ہے کیونکہ یہ سجدہ اگر خدا کے لئے ہوتا۔ تو ابلیس نے خدا کو سجدہ کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ زمین کے ایک ایک چپہ پر وہ خدا کو سجدہ کرتا رہتا تھا۔ ابلیس سے خطا یہی ہوئی کہ سجدۂ تعظیم کو سجدۂ تعبدی خیال کیا۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تعظیم سابقہ ملتوں میں جائز تھا۔ در ملتِ محمدی میں حرام اور منسوخ ہو گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کا ناسخ یا تو قرآن ہوتا ہے۔ یا حدیثِ متواتر حنفیہ کے نزدیک۔ شافعی کے نزدیک حدیث متواتر سے نسخ قرآن نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن میں کوئی آیت اس حکم کی ناسخ نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے۔ ہاں ایک حدیث ایک مضمون سے وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت اونٹ نے سجدہ کیا تو صحابہ نے اجازت چاہی کہ ہم بھی سجدہ کریں۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ اگر میں سجدہ کرنے کے لئے حکم دیتا تو زوجہ کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اس حدیث سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی تین وجہ ہیں۔

اوّل یہ کہ حدیث آحاد ہے اور آحاد سے کسی مذہب میں بھی ماثبت بالقرآن منسوخ نہیں ہوا کرتا۔

دوم۔ یہ کہ امر نہ فرمانا بجائے جواز کی دلیل ہے ورنہ امرِ رسول سے سجدہ واجب ہو جاتا۔

سوم۔ یہ کہ حدیث میں لا تسجدوا لفظ نہی میں واقع نہیں

ہے نہ کوئی وعید وارد ہوئی ہے۔

فقہائے غیر اصولیین جو اس حدیث سے منسوخی سمجھے۔ ان کا تخطیہ فقہائے اصولیین نے کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ نسخ قرآن کے لیے حدیث متواتر کا ہونا شرط ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حدیث آحاد سے نسخ قرآن نہیں ہو سکتا بعض علماء اس مصلحت سے بھی سجدۂ تعظیم کو منع کرتے ہیں کہ عوام کو سجدۂ تحیت اور سجدۂ تعبد کا فرق معلوم نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ سجدۂ تعبد کو غیر خدا کے لیے جائز سمجھ بیٹھیں۔

فقہائے محققین نے اپنی کتابوں میں دونوں سجدوں کی تفسیر لکھی ہے چنانچہ "فتاوای فصول" میں جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ اس معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی نقل کی جاتی ہے۔

فی مجموع النوازل واما اذا سجد هولاء فقال الفقیه ابو جعفر رحمه الله من قبل الارض بین یدی سلطان او امیر او سجد له فان کان علی وجه التحیة لا یکفر ولکن کان اثما مرتکبا لکبیرة وتکلموا فی ان سجدة الملائکة وکانت لمن قال بعضهم کانت لله تعالی ولکن التوجه الی آدم علیه السلام تشریفا وتکریما کالقبلة لنا فقالقوله فان صلوتنا لله تعالی والتوجه الی الکعبة کان تشریفا لها وقال بعضهم بل کانت السجدة لآدم علیه السلام علی وجه التحیة والاکرام ثم نسخت بقوله علیه السلام لو کنت امرا احدا ان یسجد لامرت المرأة ان یسجد

لزوجها و انها لا اثم علی وجہ التحیۃ لانہ ارتکب ما ھو محرّم و منھی عنہ دلت علی ذالک مسئلۃ ذکرھا فی واقعات الناطفی وھی اذا قال اھل الحرب تسلم اسجد للملک وانا قلنا فی الافضل ان لا تسجد و ان ارادت یسجد بنیۃ التحیۃ فالافضل لہ ان یسجد فھٰذہ المسئلۃ یوما ذکرنا فمن سجد للسلطان علی وجہ التحیۃ رضاً لا یکفر ھذا ان سجد بنیۃ العبادۃ للسلطان او لم یحضر النیۃ کفر ھذا لظاہر فی سجدۃ و ماھٰذا سجدۃ تحیّت و تعظیم حال۔

زیارت قبور مزاراتِ صالحین کو چومنا سجدہ تعظیم کے مسئلہ کی طرح اختلافی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہ کی کتابوں میں بالاتفاق یہ تحریر ہے کہ زیارتِ قبور کی کیفیت وہی ہے جو قبر والوں کی حیات میں تھی، یعنی جس قدر اور جس قسم کی تعظیم صالحین کی حیات میں کوئی شخص بجالاتا رہا ہو، بالکل وہی معاملہ ان کی وفات کے بعد ان کی قبور کا لازم مندرجہ ذیل روایت کے مطابق۔ کیفیتہ الزیارۃ کزیارۃ ذالک المیت فی حیاتہ من القرب و البعد مختار الفتاویٰ عالمگیری وقال المظھر اعلم ان زیارۃ المیت کزیارۃ فی حال حیاتہ تستقبلہ بوجھہ ان کان للحیاۃ اذ زارہ یجلس علی البعد وان کان یجلس علی القریب یجلس بقبرہ مرقاۃ المصابیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح) لا نعرف وضع الید علی المقابر سنۃ ولا مستحبا ولا نری باسا

هٰكذا وجدنا من غير تركيب من السلف زعمل ة الاحكام في كتاب الكراهية) لعل لاء پر قبر دست نهند كه بمنزلهٔ مصافحه است كذا في برهان العارفين.

لا باس ان يقبل قبر والديه لما ذكر في كفايت الشعبي ان رجلا جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله لم يكن لي الوان فقال قبل قبرهما او لواحدهما قبر الام او القبر الاب فقبلهما فلا تحنث في يمينك (فتاوى كفايت الشعبي)

مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں جنت کے دروازے کو اور چوکھٹ بہشت کو بوسہ دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماں کی قدمبوسی کرلو اور باپ کی پیشانی پر بوسہ دو۔ سائل نے پھر دریافت کیا کہ اگر ماں باپ نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ پھر عرض کیا مجھے معلوم نہیں کہ ان کی قبریں کہاں ہیں تو ارشاد ہوا زمین پر دو لکیریں کھینچ دو قبروں کے نشان بنالو اور یہ نیت کرو کہ پہلی قبر ماں کی ہے اور دوسری قبر باپ کی ہے پھر ان دونوں قبروں کو بوسہ دو تاکہ تم اپنی قسم کی ایفا میں حانث نہ ہو۔

بقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ایسی فرضی قبروں کو بوسہ دینے سے حشمت شرعی دفع ہو جاتا ہے تو جس جگہ اولیاء اور انبیاء مدفون ہیں اس جگہ کی تعظیم و تکریم مثلاً ان کی قبروں کو بوسہ دینا۔ طواف کرنا دست بستہ کھڑا ہونا ان کی طرف بپشت نہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ الفرائض شرح کنز الدقائق میں ہے۔

الصواب زیارتھم علیٰ وجہ التبرک لان المقابر الاولیاء مظان الاستجابتہ و مواقع النفع و البرکۃ کما زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء بیت المقدس وشجرۃ موسیٰ وسائر مواطن الصفر من المسجد مع ان جمیع الانبیاء یستمدون من نورہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیماً للامۃ۔

طواف قبور

علیٰ ہذا القیاس فرقہ متعصبہ کی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ صالحین کی قبروں کا طواف شرک بتلاتے ہیں کیونکہ طواف ایسا فعل نہیں جو خدا نے صرف اپنے لئے ہی مختص کیا ہو اور اپنے سوا کسی اور کے لئے طواف کی اجازت نہ دی ہو۔ یہ بات اللہ پر افتراء اور بہتان ہے کیونکہ قرآن میں خدا نے یہ کہیں نہیں کہا کہ طواف صرف مجھ ہی کو کرو اور میرے سوا کسی اور کو نہ کرو۔ جیسا کہ عبادت کے لئے فرمایا ہے فاعبدنی میری ہی عبادت کرو ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو، بلکہ اس کے برخلاف طوافِ کعبہ کے لئے "امر" فرمایا۔ جو غیر خدا ہے۔ اسی طرح کوہِ صفا و مروہ جو خدا کی نشانیوں میں سے ہیں ان کا طواف کرنے کے لئے صراحت فرمائی تفسیر فتح الکریم میں آیتِ کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے ذکر میں مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

مجلسا از بیانِ فضائلِ صابران فارغ شوند حالا بطریق استشہاد می فرمائند اگر شمار از معیت خاصہ ما کہ با صابران و اہلِ بلاداریم و بر ایشان صلوٰۃ و رحمت

ہائے خود نازل می کنیم و ایشان را مقتدائے خلائق ہم زنگ انبیاء میسازیم ہنوز ہم شکی باقی ست پس دلیل ایں مدعا موافق فہم خود بشنوند کہ ایں ہردو کوہ خود ہیچ شرفی و مرتبتی نداشتند بلکہ در کلانی و جود و جوہر سنگ کمتر از کوہ ہائے دیگر اند لیکن ازے صابران راہی بمقتضائے خدا کہ حضرت ہاجرہ و حضرت اسمٰعیل باشند متصل ایں ہر دو در مقامیکہ حالا چاہ زمزم دراں مقام است خود را بحکم خدا در بلاد خوف انداختہ نزول نمودہ و دراں صحرائے سنگ لاخ کہ نہ آب داشت ۔ نہ گیاہ نہ آدمی زادتن بہ خوف دشمنان و جانوران درندہ و گزندہ دادہ و گرسنگی و تشنگی را محض برائے فرمانبرداری حکم الٰہی کہ از زمان پیغمبر وقت خود کہ حضرت ابراہیم بودند بایشان رسیدہ بود گوارا ساختہ سکونت اختیار نمودند و حضرت ہاجرہ را خوف بود خود کہ حضرت اسمٰعیل بود بلکہ خوف ہلاکت جان خود نیز دراں حالت کہ یقینی بود بریں ہمہ مصیبت ہا طلباً لمرضیات اللہ صبر اختیار کردند چوں حضرت اسمٰعیل بہ سبب تشنگی قریب ہلاکت رسیدند حضرت ہاجرہ بیتاب شدہ اول بر کوہ صفا کہ نزد مکہ بود برآمدند بازچوں دراں مطلب نیافتند فرود آمدہ دویدند و رسیدہ میدان دویدہ بر کوہ مروہ آمدند ہمیں قسم ہفت بار گردش کردند حق تعالیٰ معیت خاصہ خود بایشاں ظاہر نمود آب زمزم از غیب جوشید و اثر آں معیت شد کہ ہر کہ بآں بلاز دگان اقتدا نمود درمیان ایں ہر دو کوہ بدستور آنہا بیاید و فرود آید و سعی نماید بقبول جناب خداوندی میشوند از آں باز ہر دو کوہ کہ بتان کفار بودند و پرستش صنم صاف بر صفا و صنم نائلہ بر مروہ می شد محل اجابت دعا گردیدند تا آنکہ ہر دو کوہ حالا من شعائر اللہ شدند۔

ترجمہ: ۔صابرین کے فضائل بیان کرنے کے بعد اب بطریق استشہاد ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم کو اس معیت خاصہ میں جو ہم صابرین اور اہل بلا کے

ساتھ رکھتے ہیں اور ان پر اپنا درود اور رحمتیں نازل کرتے ہیں جن کو ہم رہنمائے خلق اور رہبر نگب انبیاء بناتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری معیت خاصہ ہیں تم کو اب بھی شک و شبہ باقی ہے تو اس بارے میں ہم ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جو تمہاری سمجھ کے مطابق ہے۔ وہ سنو کہ یہ دو چھوٹے چھوٹے پہاڑ صفا اور مروہ کوئی مرتبہ اور شرف نہیں رکھتے تھے بلکہ پتھر ہونے کے لحاظ سے دوسرے بڑے بڑے پہاڑوں کے مقابلے میں کمتر ہیں۔ لیکن گذشتہ صابرین جو راضی برضائے الٰہی تھے یعنی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ ان دونوں پہاڑیوں کے متصل اس جگہ جہاں آب زمزم ہے فروکش ہوئے اور اپنے آپ کو خوف و بلا میں ڈالا اور صحرائے سنگلاخ میں جہاں نہ آب و گیاہ تھا، نہ کوئی مونس و غمگسار، دشمنوں، درندوں، گزندوں کا قدم قدم پر خوف تھا۔ بھوک پیاس سے اس حکم الٰہی کی تعمیل میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبر وقت کی زبان سے صادر ہوا تھا۔ اس حکم کی تعمیل میں یہ تکالیف گوارا کیں اور وہاں سکونت اختیار کی۔ جہاں حضرت ہاجرہ کو اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ علیہ السلام کی بابت ہی خوف نہ تھا۔ بلکہ اپنی جان کی ہلاکت کا خوف بھی تقریباً یقینی تھا۔ لیکن ان مصائب پر محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے آپ نے صبر اختیار کیا اور جبکہ حضرت اسمٰعیلؑ پیاس سے قریب المرگ ہو گئے تو حضرت ہاجرہؑ بیتاب ہو کر اول کوہِ صفا پر جو کعبہ کے قریب ہے آئیں۔ اور جب وہاں مطلب پورا نہ ہوا تو پہاڑی سے اتر کر نشیبی میدان میں دوڑتی ہوئی کوہِ مروہ پر آئیں۔ اسی طرح سات بار انھوں نے چکر لگائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت خاصہ ان پر ظاہر فرمائی اور آبِ زمزم نے غیب سے جوش مارتے ہوئے ظہور کیا۔ یہ اسی معیت کا اثر ہے کہ جو کوئی ان گرفتارانِ بلا کا اقتدا کرتا ہے وہی ان

دونوں پہاڑیوں کے درمیان انھیں کے طریق پر چڑھتا اترتا ہے اور دوڑتا ہے جو سعی کہلاتی ہے اور اس طرح وہ مقبول بارگاہِ الٰہی ہوتا ہے۔ صفا و مروہ دونوں پہاڑیاں جہاں کفار کے بت خانے تھے۔ صفا پر اساف پوجا جاتا ہے اور مروہ پر نائلہ کی پرستش ہوتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد یہ دونوں مقامات، دعا قبول ہونے کی جگہ بن گئے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں، پہاڑیاں اب شعائر اللہ ہوگئیں۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول دلالت النص یہ ہے کہ جب صابرین اور شاکرین کے وہاں قیام کرنے کی وجہ سے یہ بے حقیقت کوہستان اور یہود و نصاریٰ کا کفرستان شعائر اللہ ہوگیا تو جن مقامات میں عشاقِ الٰہی جہادِ اکبر میں اپنے نفس کو فنا کرتے ہیں جسمانی اور روحانی لذتوں کو ترک کر کے خود کو بلاؤں اور مصیبتوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور ان مقامات میں ان کے جسم و جان مدفون ہیں وہاں کس طرح حقیقت الٰہی کا ظہور اور رحمتِ الٰہی کا نزول نہ ہوگا پس مقابرِ اولیاء اللہ مزاراتِ صابرین، فنا فی اللہ باقی باللہ بلا شبہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ فلا جناح علیہ ان یطوف بہما۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ زیارت کرنے والے ان کا طواف کریں۔ ارادہ الٰہی کا ظہور صفت ذات سے متعلق بعض مزاراتِ اولیاء اللہ پر اس طرح ہوتا ہے کہ ہمیشہ شب و روز وہاں طواف جاری ہے جس طرح کہ خانہ کعبہ رات دن میں سے ایک گھڑی بھی طواف سے خالی نہیں رہتا۔ بعض اولیاء اللہ کے مزارات پر زمانہ عرس میں یہ معاملہ ہوتا ہے اس لئے فقہاء اور محققین نے اسے آدابِ زیارتِ قبور میں داخل کردیا ہے۔ چنانچہ فتاوٰے "مجمع البرکات"

میں مطالب المومنین سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔

ویقوم عند وجه المیت ویضع یده الیمنی علی قبره ویقول اللهم اغفر له فانه افتقر الیک وان کان قبر عبد صالح ویمکنه ان یطوف حوله ثلاث مرات

ترجمہ:۔ صاحب قبر کے منہ کے مقابل کھڑا ہو کر اپنا داہنا ہاتھ قبر پر رکھے اور کہے۔ کہ اے خدا اس میت کی مغفرت فرما۔ یہ عام زیارت کا طریقہ ہے۔ اور اگر کسی مرد صالح کی قبر ہو اور اس کے گرد طواف کرنا ممکن ہو تو تین بار چاہیئے یہی طریقہ دوسرے محققین کی کتاب میں درج ہے۔

انبیاء اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا نذر و نیاز

جو لوگ انبیاء اولیاء سے مدد مانگنے اور نذر و نیاز کو شرک کہتے ہیں وہ توحید اور شرکِ شرعی کے معنی قرآن و حدیث سے نہیں جانتے۔ اسی طرح عبادت، استعانت، نذر و نیاز کے معنی بھی انھوں نے کتاب و سنت سے نہیں سمجھے اور قرآن و حدیث کے خلاف اپنی کتابوں اور رسالوں میں اپنے فاسد خیالات ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

اس دعوی کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کوئی حکم صراحتاً اس مضمون کا پیش کرنا چاہیئے تھا کہ نذر و نیازِ انبیاء و اولیاء شرک ہے اور ان سے مدد مانگنا شرک ہے کوئی یہ شرک نہ کرے۔ لیکن ایسی نص کتاب و سنت میں کہاں ہے۔ جو پیش کی جائے۔ مجبوراً محض

اپنے قیاس سے اس دعوی پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ جو آیاتِ قرآنی مشرکین اور بت پرستوں کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور جو آیتیں بتوں کی بے اختیاری اور مجبوری میں نازل ہوئی ہیں، یہ جہلا کہتے ہیں کہ ان آیتوں کا مصداق انبیاء اور اولیاء اللہ ہیں جیسا کہ آیت کریمہ

لا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک

یعنی مت پکارو معبودانِ غیر خدا کو جو نہ تو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور دوسری آیت لا تدع مع اللہ الٰہاً آخر یعنی خدا کے سوا دوسرے خدا کو مت پکارو۔ اسی طرح اور دوسری آیتیں جو ان مضمون کی نازل ہوئی ہیں جن میں حق تعالےٰ نے نفع و ضرر کی امید اور دعا سے من دون اللہ کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ انبیاء اولیاء من دون اللہ میں داخل ہیں پس جس قدر آیتیں اور احکام بتوں کی شان میں نازل ہوتے ہیں۔ وہ انبیاء اور اولیاء اللہ کو بھی شامل ہیں۔ چونکہ بتوں سے مدد مانگنا اور ان کی نیاز کرنا شرک ہے اس لئے انبیاءؑ سے شکایت یا اولیاء اللہ سے مدد مانگنا بھی شرک ہوگا۔

وہابیہ کا یہ استدلال اور یہ قیاس کہ انبیاء اور اولیاء اللہ اصنام کے حکم میں ہیں۔ غلط ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔

اوّل شرک کے معنی نہ سمجھنا۔ دوسرے عبادت و استعانت کے معنی نہ سمجھنا۔ تیسرے الفاظ دعوت اتخاذ جعل جو کہ ان آیتوں میں وارد ہوا ہے۔ محاورات حدیث و تفسیر سے ناواقفیت کی بنا پر نہ جاننا مجبوراً ان الفاظ کے شرعی اصطلاحی معنی لگائے جاتے ہیں جس میں انھوں نے اپنا قیاس وہمی جاری کیا ہے اس کی تفسیر کی جائیگی۔

توحید و شرک
اور خدا کی وحدانیت کا اقرار

شرک جو توحید کا نقیض ہے وہ غیر خدا کے اقرار اور اعتقادِ معبودیت میں منحصر ہے نذر نیاز اور مدد مانگنے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے انبیاء علیہم السلام اسی اعتقادِ توحید اور ابطال شرک کی دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے اور کلام اللہ اسی غرض سے نازل ہوا اور کفار سے جہاد و قتال کلمۂ توحید سے انکار کرنے میں ہوا نہ کہ نذر و نیاز میں جیسا کہ اللہ نے خبر دی ہے۔ اذا قیل لھم لا الٰہ الا اللہ یستکبرون۔ ترجمہ۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ ترجمہ:۔ اس سے یہ دعویٰ باطل ہوا کہ حاجتیں اور مرادیں پیر و پیغمبر کی نذر کا نام شرک ہے جس کے مٹانے کے واسطے قرآن اترا اور پیغمبر کافروں سے لڑے۔

مفہوم عبادت

یہ عقیدہ کہ معبود بالاستقلال حکومت قدرت والا ہے۔ اور ہر شے کا خالق ہے اور اس عقیدے کے ساتھ اس معبود مستقل کی انتہائی تعظیم کرنا عبادت کہلاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے لا الٰہ الا ھو خالق کل شیئ فاعبدوہ۔ ترجمہ:۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ جو کہ ہر شے کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ جو تعظیم اس اعتقاد الوہیت و معبودیت کے ساتھ نہ ہو گی وہ عبادت بھی نہ ہو گی جبکہ غیر خدا کی تعظیم میں عبادت کے معنی متحقق نہ ہوں گے تو اس تعظیم میں شرک کہاں سے آیا خواہ وہ تعظیم انبیاء کی ہو یا کعبہ شریف کی ہو یا صفا مروہ وغیرہ شعائر اللہ کی تعظیم ہو بلکہ ایسی تعظیمیں تو امور شرعی ہیں۔

استعانت اور توسّل

استعانت کے معنی مدد طلب کرنا ہیں خواہ کسی سے بھی یہ مدد طلب کی جائے یہ صفت عام ہے، خدا اور غیر خدا دونوں کو شامل ہے. خدا نے اس صفت کو عبادت کی طرف خاص نہیں کیا ہے بلکہ ہر شخص کو اجازت دی ہے کہ وہ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مغفرت طلب کیجئے خدا سے اپنے گناہوں کے لیے اور مومنین و مومنات کے لیے (واستغفر لذنبك وللمومنين والمؤمنات) اس آیت میں پیغمبر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مغفرت میں مومنوں کی مدد کریں - دوسری آیت میں ہے - ترجمہ: - اور جو گنہ گار بندے ہوں جنہوں نے اپنی جانوں پر ستم کیا - جب تیرے پاس آئیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی بخشش چاہے تو یقیناً تم اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم والا پاؤ گے - اس آیت میں صراحت ہے کہ گنہ گاروں کی توبہ قبول ہوتا اور ان کا بخشا جانا پیغمبر کی طرف رجوع کرنے پر اور پیغمبر کی سفارش پر منحصر ہے - دوسری آیت میں یہ ارشاد ہوتا ہے - اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون - ترجمہ: - اس آیت میں صاف طور پر یہ تعلیم ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے مجھ کو تجھ سے پوچھیں گے پہلی آیتوں میں بھی ہدایت تھی کہ میرے بندے گناہوں کی معافی چاہنے کے لیے آپ کی جناب میں حاضر ہوں گے آپ کی طرف متوجہ ہوں گے بغرض حاجات کریں گے آپ کو چاہیے کہ آپ مومنین اور مومنات کے لیے بخشش طلب کریں -

سب مومنین اور مومنات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ استعانت

استغفار پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل و توسط سے حاصل کریں۔

خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو خدا سے دعا مانگنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے جیسا کہ حصن حصین میں ہے۔ ومن آداب الدعاء ان یتوسل الی اللہ بانبیائہ و بالصالحین من عبادہ۔ یعنی دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں انبیا علیہم السلام سے اور اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ اختیار کریں۔

اس میں تمام انبیاء اور صالحین سلف و خلف ماضی و حال سب شامل ہیں۔ کیونکہ عالم حیاتِ ظاہری میں سوائے آپ کے دوسرا نبی نہیں تھا پس انبیاء سابقین جو بظاہر اس عالم میں نہیں ہیں اس حدیث میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس پر دلیل یک دوسری حدیث میں پیش کی جاتی ہے جو جذب القلوب میں منقول ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ بنتِ اسد اور حضرت علی علیہ السلام کی لحد میں لیٹ گئے اور توسیع قبر و مغفرت کے لیے آپ نے دعا فرمائی۔ اللھم بحق نبیک والانبیاء الذین خلوا من قبلی اغفرلہا و وسع مدخلہا الخ۔ یعنی اے میرے اللہ اپنے نبی کے توسل سے اور ان نبیوں کے واسطے سے جو مجھ سے پہلے گذرے ہیں ان کو بخش دے اور ان کی قبر کو کشادہ کر دے۔

پس استعانت ان نبیوں سے جو آپ سے پہلے گذر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہوئی اور اللہ کے نیک بندوں سے توسل پہلی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔

شبہ ۱ یہ جو کہا جاتا ہے انبیاء و اولیاء کو لفظ یا یعنی حرف ندا سے پکارنا شرک ہے مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی اس زعم کے رد میں ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو تمام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کیا

ہوا دستور العمل ہے۔ اوّل طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ فرمایا۔
اذا اضل احدکم دابتہ ولیس بہا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی
یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لاترونہم۔
یہ حدیث ظفر جلیل سے حصن حصین میں مرقوم ہے۔ مبارک شاہ نے بعض
سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے" اور اس کے تمام مسافر محتاج ہیں رمشائخ کی
یہ روایت ہے کہ یہ مجرب ہے، حصول مقصد اور کامیابی اس سے وابستہ ہے۔
(کذا ذکرالمفتی والعلی)
دوسری حدیث جذب القلوب میں منقول ہے ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آنکھوں کے لیے طالب دعا ہوا۔ آپ نے اُسے
تعلیم فرمایا کہ وضو کرے، وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا پڑھے اس نے
یہ دعا پڑھی اور فوراً اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور بینا ہوگیا۔ اللّٰھم اسئلک
واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ
بک الی ربک فی حاجتی ھذہ لیقضی لہا اللّٰھم اشفعہ
فیّ۔ یعنی یا اللہ میں تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے جو نبی
رحمت ہیں متوجہ ہوتا ہوں۔ . . . .
یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اپنی حاجت میں جو یہ
ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میری اس مراد کو پورا کرے۔ یا اللہ تو اپنے نبی کی سفارش میرے
حق میں قبول فرما۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور ایسا ہی بیہقی
نے کہا ہے۔
کرامات اولیاء کی ایسی مثالیں قرآن و احادیث میں بکثرت اور بے شمار موجود
ہیں۔ اور چونکہ یہ اختیارات و تصرفات اولیاء اللہ کو منجانب اللہ عطا ہوئے

ہیں اس لئے ان میں مظنۂ شرک کہاں سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسا گمان بھی کرامات اولیاء اللہ کا انکار ہے۔ جس کو کتب عقائد میں ضروریاتِ دین میں سے کہا گیا ہے۔ کتاب و سنت میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ملنے کے بعد انکار کرامت نہیں بلکہ انکار کرامت و سنت ہے۔ یہ لوگ ولی کے معنی سے بھی ناواقف ہیں اور خوارقِ عادات کے مفہوم سے بھی بے خبر ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ کرامت کی اقسام خوارق عادات کی اقسام پر مطلع ہوں اور پہلے ولی اور صالح کے معنوں سے آگاہ ہوں۔

مولانا جامی قدس سرہ العزیز نفحات الانس میں فرماتے ہیں

انواعِ خوارقِ عادات بسیار است چوں ایجادِ معدوم و اعدام موجود و اظہار مستور و مغیبات و سرّ امور ظاہری، و اجابتِ دعا، و طیِ مسافتِ بعیدہ در مدت اندک و اطلاع بر امورِ غائبہ از حس و اخبار آں، و حاضر شدن در زمانِ واحد در حدودِ مختلفہ و احیاء موتیٰ و اماتت احیاء و استماع کلام از نباتات و جمادات از تسبیح وغیرہ و احضار طعام و شراب در وقت حاجت بے اسباب ظاہر و دیگر امثالیکہ خلاف قیاس و مخالف واہمہ باشد۔ چنانکہ بر آب رفتن و بر ہوا پریدن و تسخیر حیواناتِ وحشی ایں کرامت ہائے عام اند الخاصۃ عندھم الغایۃ الالہیۃ التی وھبتھم التوبیق حتی خرقوا عوائل انفسھم فتلک الکرامت معتبرۃ عندنا۔ ترجمہ:۔ کرامتوں کی قسمیں بہت سی ہیں۔ جیسے ناپید کو پیدا کرنا پیدا کو ناپید کرنا۔ غیب کی چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کرنا اور کھلی چیزوں کو چھپا دینا، ندا کا سننا، دور دراز مقامات کا تھوڑی سی دیر میں طے کرنا۔ جو باتیں حواس سے غائب ہیں ان پر مطلع ہونا اور مطلع کرنا۔ ایک وقت میں مختلف مقامات پر حاضر ہونا۔ زندوں کو مردہ کرنا مردوں کو

زندہ کرنا، جمادات، نباتات، حیوانات سے کلام سننا، ان کی تسبیح سے بغیر اسباب ظاہری کے کھانا پینا موجود کرنا۔ اور دوسرے ایسے کام جو خلاف قیاس اور وہم کے مخالف ہیں۔ جیسے پانی پر چلنا، ہوا پر اُڑنا اور وحشی جانوروں کو مسخر کرنا، یہ علم کرامتیں ہیں۔ کرامات خاصہ یہ ہیں کہ عنایت الہٰی ان کی رفیق ہوتی ہے جو ان کو توفیق عطا کرتی ہے جس سے وہ اپنے نفس کے رشتوں کو جڑ سے توڑ ڈالتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی کرامت معتبر ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں صالح اور ولی کے معنی لکھتے ہیں۔

صالح آنکہ ہر دو قوت نظریہ و فکریہ از مرتبہ کمال انبیاء پست تر افتادہ لیکن بہ سبب کمال متابعت ظاہری خود از معاصی پاک کردہ باشد و باطن خود را از اعتقادات فاسدہ و اخلاق ذمیمہ دور داشتہ و دل از یاد حق آنچناں پُر کردہ باشند کہ گنجائش چیز دیگر دراں نماند و نام ولی ہر چند شامل ایں ہر سہ گروہ است یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا و صالحین از علامات ولی آنست کہ حضرت حق ایشاں را دوست می دارد و تکفل رزق ایشاں می فرماید بہ نہجیکہ ممتاز از سائر الناس می باشند۔ و از اعدائے خود ایشاں را محفوظ می دارد و انیس ایشاں می باشد در غربت و در نفوس ایشاں عزتے می دہد کہ بسبب آں عزت بخدمت امرا و ملوک راضی نمی شوند و ہمت ایشاں را بلند می فرماید آلودہ لقاذورات دُنیا نمی شوند و دل ہائے ایشاں را منور می سازند پس ایشاں را چیز ہا معلوم می شود کہ غیر ایشاں از ارباب نظر و فکر باآں نرسند خود سینہ ہائے ایشاں را کشادہ می سازد پس با محنت ہائے دنیا و مصیبت

ہائے ایں مردانِ قلوب ودیگر تکلیفات وشدائد تنگ دل نمی شوند ونیز برائے ایشاں ہیبتِ می دہد کہ در قلوب سرکشاں وجباراں تاثیر می کنند وبرکت در کلام و در انفاس ودر افعال ودر مکانات ایشاں و درہم صحبتانِ ایشاں واولاد و نسلِ ایشاں وزیارت در زندگانِ ایشاں پے در پے ظاہر می گرداند وایشاں را جائے مرتبہ می بخشد کہ دعائے ایشاں مستجاب میشود وہر کہ در حاجت بایشاں توسل نماید حاجت او روا میگردد وخصوصیات وعلامات کہ ایشاں را در عالم برزخ وموقف قیامت ودر عالم ملکوت می دہند ازاں قبیل است کہ عوام مومنین باں استدلال توانند کرد الا بعد مشاہدہ آں عالم ترجمہ:۔ صالح اسکو کہتے ہیں جسکی قوت نظری اور قوتِ فکری کے مرتبہ کمال سے پست درجہ میں ہوتی ہے لیکن نبیوں کی پوری پوری اتباع سے وہ اپنے ظاہر کو گناہ سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے باطن کو فاسد عقیدوں سے پاک کر لیتے ہیں، برے اخلاق سے خود کو دور رکھتے ہیں اور دل کو خدا کی یاد سے اتنا پر کر لیتے ہیں کہ کسی دوسری چیز کی سمائی اس میں ممکن نہیں۔ اگرچہ ولی کا نام انبیاء صدیقین، شہیدین تینوں کو شامل ہے مگر زیادہ تر اس کا اطلاق صالحین پر ہی ہوتا ہے۔ یا چاروں فرقوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ ابنیاء، صدیقین، شہیدین اور صالحین ہیں، ولی کی علامتوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو دوست رکھتا ہے اس کے رزق کا کفیل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اس انداز میں تمام نوع انسانی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے دشمنوں سے اپنے ان دوستوں کو محفوظ رکھتا ہے، خود خدا غربت میں ان کا انیس ہوتا ہے۔ ان کے باطن میں ایسی عزت پیدا فرماتا ہے کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کی خدمت انجام دینے پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں کہ وہ دنیاوی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو روشن فرما دیتا ہے۔ اس لئے انکو

وہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں کہ اہل نظر و اہل فکر کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ ان کے سینے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ دنیا کی مصیبتوں سے، کلفتوں سے قرابت داروں کے مرنے سے اور دوسری تکلیفوں کی برداشت اور سختیوں کے جھیلنے سے تنگدل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو رعب و داب عطا فرماتا ہے جس سے جباروں کے دلوں میں ان کا خاص اثر ہوتا ہے، ان کے کلام میں ان کے الفاظ میں ان کے افعال میں ان کے مکانات میں ان کے پاس بیٹھنے والوں میں، ان کی اولاد میں، ان کی نسل میں ان کی زیارت کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ ایک خاص برکت عطا فرماتا ہے۔ جو پے در پے ظاہر ہوتی رہتی ہے اور خود ان اولیاء کو وہ مرتبہ اور مقام عنایت ہوتا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں بلکہ جو کوئی شخص کسی حاجت میں ان کا وسیلہ اختیار کرتا ہے۔ اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ اور جو خصوصیات اور علامات عالم برزخ میں، مواقف قیامت میں، عالم ملکوت میں اولیاء اللہ کو عنایت ہوتی ہیں وہ اس قسم کی نہیں ہیں کہ عام مسلمان ان سے استدلال کر سکیں۔ ان سے وہی استدلال کر سکتے ہیں جو ان عوالم کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

نذر و نیاز

نذر و نیاز میں گمان شرک منکرین کو اس وجہ سے ہے کہ وہ نذرِ خدا اور نذرِ غیر خدا میں فرق نہیں کرتے، حالانکہ دونوں کی تفصیل کلام اللہ میں موجود ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ چیز جس سے تقرب الی اللہ بلا واسطہ منظور ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج، تلاوتِ قرآن، یہ قسم نذر عبادت کہلاتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان اللہ یعلمہ وما للظلمین من انصار۔ جو خرچ کروگے کوئی خیرات سو اللہ کو معلوم ہے۔

مولوی عبد القادر ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ منت قبول کی (مانی) تو واجب ہو گئی ادا نہ کرے تو گنہگار ہے۔

نذر چار قسموں میں منحصر ہے۔ (۱) **نذر الطاعۃ** مثلاً روزہ، نماز۔ اور اعتکاف جس کا ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) **نذر معصیت**:۔ جو کام شرعاً حرام ہیں۔ مثلاً سرقہ، زنا، وغیرہ۔ اس نذر کا ایفا واجب نہیں ہے۔

(۳) **نذر مکروہ**:۔ مثلاً ترکِ نفل وغیرہ۔ فعل مباح۔

(۴) **نذر مباح**:۔ اس نذر مباح کی پانچ قسمیں فقہائے بیان کی ہیں اور ان کے جواز میں بالاتفاق فتویٰ دیا ہے۔

قسم اول:۔ کوئی شخص اپنے دل میں یہ نیت کرے کہ میں اس قدر روزہ نماز و نفل ادا کروں یا اس قدر نقد یا جنس خدا کے نام پر صرف کروں۔

قسم دوم:۔ کوئی شخص اپنے دل میں یہ نیت کرے اور دعا کرے کہ یا اللہ بحرمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا بہ برکتِ فلاں ولی میرا یہ مقصد پورا ہو تو اس قدر کھانا تیری نذر میں فقیروں کو کھلاؤں گا۔

قسم سوم:۔ کسی نبی یا ولی کی روح کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہے کہ یا نبی اللہ! یا ولی اللہ توجہ فرمایئے اور اللہ سے میری مراد طلب کیجئے۔ اگر میری مراد پوری ہو گی تو اس قدر نقد اور جنس اللہ کے لیے صرف کر کے اس کا ثواب

آپ کی روح کو بخشوں گا۔

قسم چہارم:۔ کوئی یہ کہے کہ اگر میری مراد فلاں بزرگ کی توجہ سے حاصل ہوئی تو فلاں بزرگ کے فقیروں اور مجاوروں کو اس قدر نقد و در جنس دوں گا یا فلاں قسم کا کھانا کھلاؤں گا۔ چاروں صورتوں میں حکم شرع یہ ہے کہ نذر صحیح ہے اور اس کا ایفا واجب ہے۔ اگر ادا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا بحکم مالظلمین من انصار یعنی خدا اور اس کے دوست اس کی مدد نہ کریں گے۔

قسم پنجم:۔ کوئی یہ کہے کہ اے اللہ میری یہ حاجت بر آئے تو فلاں بزرگ کی فلاں درگاہ کے خادموں اور بزرگوں کو کھانا کھلاؤں گا اور مسجد یا خانقاہ میں روشنی کروں گا۔ یا بوریہ وغیرہ یا فرش وغیرہ کسی خانقاہ یا مسجد میں بچھا کر دوں گا یا اتنی شیرینی یا حلوہ وغیرہ فلاں بزرگ کی درگاہ میں پہنچاؤں گا۔ اس صورت میں اختلاف ہے بعض فقہا کہتے ہیں کہ شرط اول اس میں نہیں پائی جاتی اور وہ شرط اول نذر کا واجب ہونا ہے اور درگاہ میں شیرینی یا کھانا پہنچانا یا روشنی کرنا یا خانقاہ کے فرش کی درستگی کرنا شرعاً واجبات کی قسم سے نہیں ہے۔ اس لیے نذر صحیح نہ ہوگی اور واجب الادا نہ ہوگی۔ عدم ایفا سے کوئی گناہ بھی لازم نہ آئے گا مگر بعض فقہا یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی نذر اللہ کے لیے ہے۔ اور نفع فقیروں کے لیے ہے اور کسی ولی کی درگاہ اور خانقاہ کا ذکر جو اس ضمن میں آیا ہے۔ وہ صدقہ کے لیے ہے پس نذر صحیح ہے۔ اور اس کا ایفا واجب ہے۔

نذر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی درگاہ میں جا کر مزار کے غلاف کو پکڑ کر اس بزرگ کی روح کو مخاطب کر کے کہے کہ اگر آپ مجھے بیٹا دیں یا میری فلاں حاجت پوری کر دیں تو اس قدر نقد یا جنس بطور نذر ادا کروں گا۔ نذر کی یہ قسم بالاتفاق

حرام ہے اور اس کا ادا کرنا بھی لازم نہیں۔ اور اگر کوئی یہ نذر ادا کرے تو اس نذر کی ہوئی چیز کا کھانا بھی ناجائز ہوگا۔ حالتِ اضطرار میں فقیر و محتاج کھا سکتے ہیں۔ مالداروں پر اس کا کھانا قطعاً حرام ہے۔ ان احکام کی تفصیل فقہا کی کتابوں میں موجود ہے (بحرالرائق)

پس فرقہ وہابیہ حکم شرع کے خلاف کہتے ہیں کہ نذر و نیاز مطلقاً حرام ہے اور یہ کہ نذر کرنے والے مشرک ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کیونکہ نذر مباح کی پانچ اقسام کے معنی میں کر نیاز، ہدیہ، مناجات اور استعانت اس میں شامل ہیں اور اس میں تقرب الٰہی اولیا اللہ کے واسطے منظور ہوتا ہے اس طرح کی نذر میں جو کچھ نذر کیا جاتا ہے اس کو تحفہ، ہدیہ اور شکرانہ کہتے ہیں اور اس قسم کی نذر و نیاز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے خود مقرر کرتے ہوئے تاکیداً فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقتہ ذالک خیر لکم واطھر فان لم تجدوا فان اللہ غفور الرحیم۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جس وقت اپنے دل کی بات رسول سے کہو، تو پہلے نذر پیش کرو۔ یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اور پاکیزگی ہے۔ اگر تم نذر کرنے کو کچھ نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔ اس حکم کے موافق دستور مقرر ہو گیا ہے کہ جس وقت کوئی شخص نبی یا ولی کے حضور میں اپنی حاجت پیش کر کے استعانت اور مدد طلب کرے تو لازم ہے کہ خالی نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ بطریق نیاز یا ہدیہ پیش کرے یا کوئی شکرانہ بشرط حصولِ مراد قبول کرے۔ اور مطلب حاصل ہونے کے بعد اس کو واجب سمجھ کر ادا کرے لیکن ادب یہی ہے کہ تقرب الی اللہ

کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کے مطابق مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا مندرجہ ذیل فتوےٰ اس عبارت میں ہے۔

نذر اولیاء کہ برائے قضائے حوائج معمول در رسوم است اکثر فقہاء آں پی نبردہ آں را بنذر خدا قیاس کردہ حکم مردودیت بجا آوردہ اند کہ اگر نذر باستقلال برائے ولی است باطل است و اگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ ایصال ثواب داہد اسئے طعام و انفاق و تلف مال بروح ہست کہ امر البیت مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعد و غیرھا نذر در ایں صورت ملتزم می شود پس حاصل ایں نذر الحسنت آں ؟ مثلاً ہادی لثواب ہذا نذر الی روح فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل منذور است نہ برائے بیان مصرف و مصرف ایں نذر برائے شان و متوسلان ولی می باشد از اقارب و خدام و امثال ذالک ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلا شک و حکمہ انہٗ صحیح یجب ایفائہ لانہٗ قربۃ معتبرۃ فی الشرع ہمرے اگر آں ولی را جلال مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب بر خدا اعتقاد کند ایں عقیدہ او منجر بشرک و فساد می گردد لیکن ایں عقیدہ چیزے دیگر است و نذر چیزے دیگر انتہیٰ جوابہ بلفظہٖ۔

ترجمہ:۔ اولیاء اللہ کی نذر جو حاجتیں پوری ہونے کے لئے مرسوم ہیں۔ اکثر فقہاء نے اس کی حقیقت کو نہ سمجھا اور انھوں نے اس نذر کو خدا کی نذر پر قیاس کر کے یہ حکم مردود جاری کیا کہ اگر وہ نذر مستقل طور پر کسی ولی کیلئے ہے تو باطل ہے اور اگر وہ نذر خدا کے واسطے ہے اور ولی کا ذکر صرف نذر کا مصرف بیان کرنے کو ہے تو صحیح ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ ثواب

پہنچانا کھانا ہدیہ کرنا۔ میت کی روح کے لئے مال خرچ کرنا یہ ایک ایسا کام ہے جو صحیح مسنون ہے۔ اور از روئے احادیث صحیحہ ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں ام سعد وغیرہ کے باب میں وارد ہوا ہے۔ اس صورت میں نذر کا التزام ہوتا ہے۔ اس نذر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نذر مانے کہ اگر مجھے شفا ہوئی تو میں اس نذر کا ہدیہ ولی یا بزرگ کی روح کو کروں گا۔ ولی کا ذکر اس نذر کے سلسلے میں عمل کے تعیین کی طرف سے ہوتا ہے۔ نذر کے مصرف کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس نذر کا مصرف اس ولی کے لئے اور اس کے متوسلین کے لئے ہوتا ہے۔ اور ان ولی اللہ کے خادموں اور عزیز و اقارب وغیرہ کے لئے۔ اور نذر کرنے والوں کا مقصود بھی یہی ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں اور اس نذر کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ شرع میں ایسی نذر کا معتبر ہونا اور خدا کے قرب کا ذریعہ ہونا ثابت ہے ہاں اگر اس ولی کو بجائے خود مشکلوں کا حل کرنے والا یا خدا پر غلبہ کرنے والا شفیع اعتقاد کیا جائے تو عقیدہ شرک کیطرف لے جانے والا ہوگا۔ لیکن یہ عقیدہ دوسری چیز ہے اور نذر بالکل دوسری چیز ہے۔

(شاہ عبدالعزیزؒ کا جواب ان لفظوں میں ختم ہوا۔)

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اموات کسی چیز کے مالک ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے کہ نذر و صدقہ لیں۔ یہ سفہا تنا بھی غور نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ کہاں محتاج ہے جو اپنے لئے خمس زکوٰۃ، نذریں اور کفارے مقرر کئے ہیں۔ اس سے مقصد غربا پروری اور فقرا نوازی ہے، اسی لئے اپنی اولاد کیلئے کی نذر بھی خلق خدا کی نفع رسانی پر ہے نہ کہ اپنے ذاتی فائدے پر چونکہ نذر ونیاز میں فقرا اور مساکین کا

نفع ہے اور خدا و رسول نے اس طریقہ کو جاری کیا ہے اس میں شرک کا گمان بھی کرنا نا فہموں کی شومئ نفس اور بدبختی ہے۔

حق و باطل ماہر القادری اسمائے حسنیٰ اول و آخر کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اول و آخر نہیں بلکہ اول و آخر کا خالق ہے۔ فاران میں نقش اول کے تو وہ خالق تھے ہی اب "حرفِ آخر" میں اپنی تخلیقی قوتیں ظاہر کی ہیں۔ حرفِ آخر میں خدا کا انکار، رسول کی توہین، بزرگانِ دین کی تذلیل توحید کا مذاق تصوف کا تمسخر، قرآن سے استہزاء۔ غرضیکہ اعداء اللہ کی سب باتیں موجود ہیں۔ ہم اس حرفِ آخر کو "زہوق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ حرف باطل کا جواب ضروری ہے۔

اعتراض اول تاج میں سیدنا حضرت عمرؓ کی کرامات درج کیگئی ہیں۔ ہم خدانخواستہ معجزوں اور کرامات کے منکر نہیں ہیں مگر زمانے کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے (فاران جون ۱۹۵۷ء)

جواب: - (۱) ہم کو آپ نصیحت فرما رہے ہیں کہ زمانے کے تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے حالانکہ خاص اسی فاران میں آپ نے ان لوگوں کو یہودی مجوسی بے دین کہا ہے جو کہتے ہیں کہ زمانے کے تقاضوں کا لحاظ ضروری ہے۔ (ملاحظہ طلب فاران) صفحہ (۵)

(۲) انسانی زندگی کی مختلف جہات ہیں۔ جس جہت میں بحث کی جاتی ہے وہی پہلو اجاگر کیا جاتا ہے۔ "تاج" میں حضرت عمرؓ کی جہت ولایت پر کچھ لکھنا اور کرامات جو آپ سے سرزد ہوئیں ان کی صراحت نہ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

(۳) کرامات کا ذکر ہی زمانہ کے خلافِ مزاج ہے تو قرآن و احادیث

جو اس قسم کے ذکر سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔؟

اعتراض دوم تاج ہیں بابا تاج الدین ناگپوری کو شہنشاہ ہفت اقلیم کہا گیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں، شہنشاہ خدا کا نام ہے۔

جواب:۔ (۱) حدیث کا مطلب آپ نہیں سمجھے۔ حدیث میں شہنشاہِ مطلق کہنے کی ممانعت ہے۔ خدا کو شہنشاہِ ہفت اقلیم کہنا جرم ہوگا۔ (تاج)

(۲) شہنشاہ ہفت اقلیم قطب مدار عالم کو کہتے ہیں (بحوالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ شیخ محی الدین ابن عربی حکیم محمد علی ترمذی)

(۳) فاران نے خود بعنوان ظہور قدسی مضمون شائع کیا ہے۔ اس میں شہنشاہ دو جہاں مالک کون و مکاں" غیر اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ طلب (فاران سیرت نمبر) پھر تعجب ہے کہ شہنشاہ ہفت اقلیم پر معترض ہیں۔

اعتراض سوم تاج ہیں بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیغمبر زہرا کہا گیا ہے۔ قادیانیوں کے لئے مژدہ۔۔۔ (فاران)

جواب:۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت کیا گیا کہ رسول اصطلاح شرعی کے علاوہ رسولِ رسول اللہ، رسول عیسیٰ علیہ السلام رسول بلقیس کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اس لئے پیغمبر زہرا اور پیغمبر خدا میں فرق نہ کرنا اور قادیانیوں کو مژدہ سنانا علم اور بصیرت کا مذاق اڑانا ہے۔ (تاج)

اعتراض چہارم فتوحاتِ مکیہ کے ترجمہ کا یہ رنگ ہے ان جملوں کی خطرناکی کی کوئی انتہا نہیں ؟

وہ خدائے پاک ذات ہی ہے جو بندوں کی صورت میں جب

چاہتا ہے اپنی اطاعت آپ ہی کرتا ہے ؟ (فامان)

جواب: (۱) واللہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ تمہارا خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی وہی خالق ہے۔ اس حقیقت کیطرف توجہ دلائی گئی کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

(۲) دراصل یہ لاحول "لاقوۃ الا باللہ" کی ترجمانی ہے۔ لاحول سے شیطان کا بھاگنا مشہور واقعہ ہے۔ وجہ فرار یہ ہے کہ مومن باللہ یہ مان لیتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکیاں بجالانے کی قوت خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہے تو غیر اللہ کی حول وقوت کا وہ منکر ہو جاتا ہے۔ شیطانی طاقتیں اس مومن سے بیزار ہو کر راہ فرار اختیار کرتی ہیں۔

اگر تعصب اور ضد سے الگ ہوکر اعتراضات اور جوابات کو دیکھا جائے تو پہلی نظر میں آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اعتراض کے نہایت معقول اور مدلل جوابات دیئے جا چکے تھے۔ ان کی روشنی میں ماہر صاحب کو اپنے تمام اعتراضات سے رجوع کرنا چاہیے تھا اور ان کی دینی امانت کا تقاضہ یہ تھا کہ کسی حجاب اور جھجک کے بغیر اعلان کرتے ہیں کہ ....

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کا ذکر شائع کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔

(۲) حدیث کے معنی انھوں نے غلط سمجھے "شہنشاہ ہفت اقلیم" خدا کا نام نہیں۔ انھوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنے میں غلطی کی اور اپنی رائے کو منشائے حدیث باور کرانے میں احتیاط سے تجاوز کیا۔

(۳) پیغمبر زہرا کو پیغمبر خدا کے ہم معنی سمجھکر قادیانیوں کو خردہ سنانے کی غلطی ان سے بے جا طور پر سرزد ہوئی۔

(۴) تمام نیکیاں اور بھلائیاں خدا ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں اور یقیناً خدا ہی فاعلِ حقیقی ہے۔

(۵) صرف مسئلہ وحدت الوجود پر وہ مطمئن نہ ہوسکے تھے۔ اس حد تک موضوعِ بحث محدود رہتا۔ مگر افسوس ہے کہ اعترافِ حق اور امانت دینی کا تقاضہ پورا کرنے میں انھوں نے اپنی شکست دیکھی۔ ان کو اپنی بات نیچی ہوتی نظر آئی محض پاسِ سخن اور حمایات کی راہ اختیار کرتے ہوئے انھوں نے پھر تبصرے کے عنوان سے ایک مضمون لکھا اس مضمون میں انھوں نے اپنی بحث کو ابتدائی اعتراضات تک محدود رکھنے کے بجائے بہت سی نئی اور غیر متعلق بحثوں تک وسیع کر دیا۔

اور اس امر کو قطعاً نظرانداز کر دیا کہ جو ابتدائی اعتراضات تھے۔ ان کا شافی جواب مل گیا اور ان کے خیال میں کوئی جواب تشنہ تھا تو اس کی صراحت ہم سے طلب کرتے۔ یا زبانی ہم سے رجوع کرتے۔ جیسا کہ ہم نے اس طرف توجہ دلائی تھی۔

ہر علم و فن کی اصطلاحات بھی ہوا کرتی ہیں۔ کچھ مسلّمات بھی ہوتے ہیں۔ اس فن کے مسلم الثبوت ماہرِ فن بھی ہوتے ہیں جن کو مجتہد اور امام کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ لوگ کسی علم و فن سے لگاؤ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس اس علم و فن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے انسانی فطرت کا تنوع اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام نوعِ انسانی ہم مذاق، ہم خیال، ہم مشرب ہو لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ فطرتِ انسانی کا یہ اختلاف مٹ جائے۔ وہ فطرتِ انسانی کو نہیں سمجھا۔

ہم کو اس اختلاف سے جو فاران "افتتاح" میں ہے کبھی کوئی تعجب نہ ہوا۔ تعجب اور حیرت صرف اس مقام پر ہے کہ وہ تصوف پر تنقید و تبصرہ فرماتے ہیں۔ اور تصوف کے مسلمات سے لاعلم ہیں۔ تصوف کی اصطلاحات اور انداز بیان سے مطلقاً بے خبر ہیں، تصوف کے ائمہ کبار کی عبارتوں پر اعتراضات فرماتے ہیں حالانکہ ان کے معنی تک نہیں سمجھتے۔ شیخ اکبر مولانا روم جامی علیہم الرحمتہ جیسی جامع شریعت و طریقت ہستیوں کے کلام پر اعتراض کرنے پر ذرا نہیں جھجکتے۔ ہم نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ ان کا یہ اعتراض صوفیائے کبار پر نہیں بلکہ کتاب و سنت خدا اور رسول پر اعتراض ہے۔ کیونکہ ان کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ اعتراض کی کوئی ممانعت نہیں مگر اعتراض کرنے والے کی علمی قابلیت اور فنی استعداد اس علم و فن میں جس پر وہ لب کشائی کر رہا ہے ایک اہم حقیقت کا درجہ رکھتی ہے۔ جو شخص کسی علم و فن کا ابجد خواں بھی نہ ہو وہ اس علم و فن میں کیا لب کشائی کر سکتا ہے۔؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت جہل مرکب ہے اور خواہ مخواہ اپنے کو محقق طوسی باور کرانے کا شوق اس جذبہ کا محرک ہوتا ہے۔

دوسری صورت اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے کہ معترض کو محض اللہ واسطے کا کسی علم و فن سے بغض و عناد ہو اور اس کی جزئیات و کلیات سے بے بہرہ ہوتے ہوئے اس علم و فن سے اس کو نفرت اور بیزاری ہو۔ خواہ یہ نفرت اور بیزاری اس کی اپنی فطرت کے لحاظ سے (جو سعادت و شقاوت ازلی کا نتیجہ ہے) ہو یا اپنے اعتقادات کے اعتبار سے ہو (جو سعادت و شقاوت ازلی کے ظہور کی بنیاد ہیں۔)

مدیر فاران کے متعلق پہلی صورت تو خارج از بحث ہے کیونکہ وہ علم تصوف سے نا آشنائے محض ہیں یا رہی نہیں کہ وہ تعلیم نہ پا سکے۔ یہ بھی ہے

کہ تربیت بھی انھیں حاصل ہوئی ۔ اور بد قسمتی سے جن صوفیوں سے ان کا سابقہ پڑا وہ بھی اسی قسم کے لوگ تھے ۔ جن کا اظہار وہ بار بار "فاران" میں کرتے ہیں اور اس زمانے کو اپنے دورِ جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ یہ سب محرومیاں ازلی ہیں اور خدا کرے ابدی نہ ہوں ۔

اب اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ وہ تصوف سے بعض بر بنائے بغض و عناد متنفر اور بیزار ہیں ۔ اس لئے کہ اس بیزاری کا سبب ان کی ناکامی و محرومی ہے ۔ یا ازلی مشیت ہے ۔

جس طرح وہ اپنے معتقدات کو حق سمجھتے ہیں دوسروں کیلئے بھی اس حق کو تسلیم کرنا چاہئے ۔

یہ کون سا اسلام ہے کہ وہ اپنے اور اپنے ہم جماعت لوگوں کے سوا کسی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے ۔ کافر، مشرک، بدعتی اور یہودی، مجوسی، دیلا نتی ہے ادھر کلمہ گو مسلمانوں کو وہ کوئی خطاب ہی نہیں دیتے اور یہ نہیں جانتے کہ جو لعنت مسلمان پر کی جاتی ہے وہ جھوٹے ہونے کی صورت میں کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے ۔

اس مرحلے پر ہر صحیح العقل اور سلیم المذاق انسان یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس قسم کے اعتراض کا منشاء نہ تو علم آگہی ہے اور نہ تحقیق حق بلکہ یہ اعتراضات تصوف سے بغض و عناد پر مبنی ہیں اور اس بغض و عناد کا سبب جو خود معترض نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود ایک زمانہ میں تصوف اور اہل تصوف سے وابستہ رہے ہیں اور اپنی اس وابستگی کے دوران میں جو مشاہدات حاصل ہوئے ان کو تلخ تجربات کہا جا سکتا ہے ۔ تصوف کی دنیا میں جو کچھ انھوں نے دیکھا ہے وہ " ناچ رنگ تھا، قبر پرستی تھی،

گانجا اور چرس پینے والے فقیر تھے. تصوف کی دنیا میں جو کچھ انھوں نے سنا وہ قوالی تھی، ڈھولک اور طبلہ کی آوازیں تھیں، طوائفوں اور قوالوں کی تانیں تھیں ـــ تصوف کی دنیا میں جو ذائقہ انھوں نے چکھا وہ نیاز اور فاتحہ گیارہویں شریف کے کھانوں کا ذائقہ تھا، مزارات پر چڑھتے والے پھولوں اور اگر بتیوں کی خوشبو انھوں نے سونگھی اور آستانوں سے ان کے نبوں نے، ان کی پیشانی نے لمس کیا۔ اس طرح ان کے حواس خمسہ نے تصوف کی دنیا میں پہنچ کر جو تجربات حاصل کیے ان کو وہ اپنی دورِ جاہلیت کی زندگی کے گناہوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنی اسی جاہلی زندگی کے گناہوں کا بار بار اعلان کر رہے ہیں اور اس جاہلی زندگی سے تائب ہو جانے کا اظہار بھی فرماتے رہتے ہیں۔

ہمیں ان کے "تجربات" پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کا ضرور افسوس ہے کہ خوش قسمتی سے یہ جاہلوں کے پالے پڑ گئے جنھوں نے اپنے غلط طرز عمل سے ان کو بدگمان ہونے کا موقع دیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ الجنس الی الجنس یمیل، اگر ماہر صاحب کو ان جہلا سے کوئی فطری اور طبعی مناسبت نہ ہوتی تو ان کے پھندے میں کیوں پھنستے ہو! آخر دنیا میں ایسے صوفیوں کا وجود عنقا تو نہیں تھا جو ناچ رنگ، نشہ بازی، اور قبر پرستی، میں مبتلا نہ ہوں، قادری، نقشبندی خانوادوں میں کہیں ناچ رنگ اور نشہ بازی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ کمالِ اتباعِ شریعت ان کا مقصود ہے۔ اُن کے یہاں ذکر، فکر، شغل، مراقبہ، کی تعلیم و تربیت تمام خانوادوں میں عام ہے اس سے روگردانی اور خرافات اور لہو و لعب میں گرفتاری نیک لوگوں سے اعراض اور بدوں سے اختلاط یہ خود اپنے مزاج اور افتادِ طبع اور ذوق سے بھی تعلق رکھتا ہے انسان کے ذاتی ذوق کو اس میں بڑی حد تک دخل ہے کہ وہ کس قسم کا حلقہ

اپنی وابستگی کے لئے انتخاب کرتا ہے؟ ورنہ یہ تو کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ کسی طبقہ یا جماعت میں اچھے اچھے ہی افراد ہوں، بُرے نہ ہوں اور بُرے ہی بُرے ہوں اچھے نہ ہوں۔

پھر انسانی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس میں ناکامیابی اور نامرادی کے بعد اس کے دل پر یاس غالب آجاتی ہے یہی حال مدیر "فاران" کا ہے کہ وہ تصوّف کے کوچے سے نامراد واپس آنے کے بعد تصوّف اور اہلِ تصوّف سے قطعًا مایوس ہو چکے ہیں۔ ہر انسان چونکہ فطرتًا معصوم ہے غالبًا اسی لئے وہ کوئی الزام اپنے سر آنے نہیں دیتا۔ اپنی کوتاہیاں نظر نہیں آتیں اپنی جد و جہد کی خامیاں دکھائی نہیں دیتیں۔ محرومی اور ناکامی کا سارا الزام تصوّف اور اہلِ تصوّف کے سر منڈھا جاتا ہے۔

سلوک الی اللہ میں جو شخص غلط رہنما انتخاب کرتا ہے وہ غلط راستوں پر بے ہودہ گردی کے بعد ناکام اور محروم واپس لوٹتا ہے تو ایسے شخص کا یہ خیال کہ وہ اب راہِ راست پر آگیا دوسری خود فریبی ہے جس طرح تصوّف کی دنیا میں پہنچکر یہ شخص اہلِ رسم کے ساتھ وابستہ رہا اور اہلِ حقیقت سے نسبت حاصل نہ کر سکا بالکل اسی طرح منزلِ شریعت میں آکر بھی یہ شخص ایک ایسی جماعت سے وابستہ ہوا ہے جو بدترین اربابِ ظواہر میں سے ہے اس جماعت میں حصولِ علم کے لئے کسی استاد کی ضرورت نہیں۔ اس جماعت کا امیر شاید پوری دنیا میں وہ پہلا شخص ہے جس نے کسی سے علمِ دین حاصل نہیں کیا۔ جو عربی نہیں جانتا اور اس کے باوجود وہ مجدّد اور مجتہد ہونے کا مدعی ہے وہ قرآن کی تفسیریں لکھتا ہے۔

دین کو خالص دنیادی اور مادی سطح پر اس نے لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ روحانی اور

اخلاقی بنیادوں کا ستیاناس کیا جارہا ہے۔ دماغوں کو مادی خطوط پر سوچنے کا عادی بنایا جارہا ہے۔ روحانی اقتدار کو چھوٹے پیمانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی تصوف کی وجہ سے اس کی نظر میں موردِ الزام ہیں۔ تصوف کی بیخ کنی کو ہی تجدید دین کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔

مودودی صاحب نے تصوف کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دینے کا پروگرام بنایا اور ان کے ہم نواؤں نے آمین کہا؟ ان آمینوں میں سے ایک ماہر صاحب بھی ہیں۔ تصوف اور اہل تصوف کے خلاف زہر افشانیوں کی ایک خطرناک سزا جو معاندین کو خدا کی طرف سے ہمیشہ ملتی رہی ہے وہ "دل کی موت ہے" پھر سزا فوراً ملتی ہے۔ مگر ملتی ہے۔ ادھر اولیا اللہ کی جناب میں گستاخی سرزد ہوئی ادھر دشمنانِ خدا کی فہرست میں نام لکھا گیا۔ ایمان سلب ہونے کے بعد ہر ایسا بے ادب اور گستاخ "مردہ دل" پیکرِ بے روح ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن نے۔ ولی اور نبی کو جھٹلانے والے ستانے والے کفار کو مردہ کہا گو بظاہر وہ زندہ تھے لیکن "مردہ دل" تھے۔ علمائے حق کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ معاندت اولیاء اللہ کا نتیجہ سوء خاتمہ ہے۔ دشمنِ خدا کا دشمن خدا کا دشمن ہے دشمنانِ خدا کا ٹھکانہ جہنم ہے ان پر اسی دنیا میں جہنم کا برزخ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی آگ میں خود جلتے رہتے ہیں کشف کرامات اور خرقِ عادات علوی درجاتِ قبولیت۔ دعا، مقبولیتِ خدا۔ محبوبیتِ حق حاجت روائے خلق کے واقعات جو دوستانِ خدا سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان کے ذکر سے بھی یہ عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں جلتے ہیں چلاتے ہیں جھلاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ان منکرین سے کہہ دیجیئے کہ تم اپنے بغض و غضب میں مرو۔

جس طرح دل کی موت "کا نتیجہ کفر ہے اسی طرح نفاق بھی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان منافقین کا یہ قدیمی طریق چلا آتا ہے کہ زبان سے ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اولیاء اللہ کے منکر کب ہیں؟ معجزات وکرامات کے منکر کب ہیں وہ ناشستہ نی منافق ہے جو اولیاء اللہ اور کرامات اولیاء اللہ کا منکر ہو۔ مگر جہاں کسی ولی یا کرامت ولی کا ذکر آیا اور یہ چراغ پا ہوئے۔ فوراً ہی نفاق قلبی ظاہر ہوتا ہے۔

کوئی ان سے پوچھے کہ تم اولیاء اللہ کے دشمن نہیں ہو تو ان کے نام سے کیوں چڑھتے ہو ان کے ذکر سے تمہارا دم کیوں گھٹتا ہے ان کی کرامتوں کے بیان سے تمہیں کیوں بخار چڑھتا ہے۔ ان کے تصرفات کا حال سننے سے تمہارے دل میں کیوں دھواں اٹھنے لگتا ہے!

اس زمانہ کے تمام صوفی بے عمل سہی خلاف شریعت ہی نشہ باز ناچ رنگ کے دلدادہ سہی، بدعتی اور مشرک سہی ہم تھوڑی دیر کو مان لیتے ہیں کہ اس زمانہ میں کوئی ولی نہیں ہے تو کیا اللہ کا اسم ولی (نعوذ باللہ) معطل ہو فیضان ولایت منقطع ہو گیا اب ولی نہیں ہوتے پہلے کبھی ہوا کرتے تھے۔ چلو اس زمانے کو چھوڑو زمانہ سلف کے اولیاء اللہ کے لئے کیا کہتے ہو ان کو مانتے ہو؟ ان کی کرامتوں کے قائل ہو۔ اگر ہو تو پھر تفہیم القرآن میں یہ جو لکھا ہے کہ جید عوت من دون اللہ سے اصحاب قبور وانبیاء صالحین مراد ہیں جن کو عالی معتقدین داتا گنج بخش، فریاد رس، غریب نواز اور نجانے کیا کیا کہہ کر پکارتے ہیں۔

مسلمہ طور پر ہندوستان پاکستان بلکہ عالم اسلام کے نزدیک داتا گنج بخش اور خواجہ غریب نواز اور غوث پاک (جس کا ترجمہ فریاد رس کیا گیا ہے۔

نہ صرف اولیاء اللہ بلکہ جلیل القدر عظیم المرتبت اولیاء اللہ ہیں پھر ان کے خطابات جو امتِ مسلمہ کے زبان زد ہیں اور وہ دوستانِ خدا، ان ناموں سے مشہور معروف ہیں۔ ان کو تم نے مشرکین کے اصنام سے نامزد کیا ہے یا نہیں۔

(دیکھو تفہیم القرآن) اگر داتا گنج بخش، غریب نواز، اور غوث پاک ہی ولی اللہ نہیں تو پھر کون سا ولی ہے جس کا نام لیا جا سکتا ہے۔

امتِ مسلمہ تو پھر کوئی نام پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ سلسلہ چشتیہ و قادریہ تو ختم ہوا اپنی فہرست شائع کرو جو آج تک تم نے اپنے سینہ پُر کینہ میں چھپا رکھی ہے اور مسلمانوں کو تم اپنے سچے اولیاء کا نام نہیں بتلاتے۔ وہ جن کا نام لیتے ہیں ان کو تم مانتے نہیں اور تم جن کی ولایت کے قائل ہو اس کو عام مسلمان جانتے نہیں۔

ہم بتائیں تم کس کس کو ولی سمجھتے ہو۔ ابنِ تیمیہ تمہارا ولی ہے عبد الوہاب نجدی تمہارا ولی ہے، اسمٰعیل دہلوی تمہارا ولی ہے۔

جب تمہارا مسلک تمہارا مذہب تمہارا مشرب یہ ہے کہ تم مسلمانوں کو واجب القتل سمجھتے ہو ان کی بہو بیٹیوں کو کنیز بنانا ناجائز سمجھتے ہو مزارات اولیاء اللہ کو منہدم کرنے والو، یا رسول اللہ کہنے والوں کو مشرک قرار دینے والو۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنے والو۔ سرزمینِ حرم پر قتل و غارت تاخت و تاراج کرنے والو ذرا کھل کر مسلمانوں کے سامنے آؤ۔ کتاب و سنت کے نام پر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہو۔ اسلام کا لیبل لگا کر خارجیوں اور وہابیوں کی تنظیم کر رہے ہو اور عام مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر ان سے لاکھوں روپیہ چندہ لے رہے ہو، قربانی کی کھالیں وصول کر رہے ہو۔ آستین میں بجائے بُت کے اُٹھائے جاتے ہو۔ اور اس روپے سے مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے

ان کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ بددین اور بدعقیدہ بنا رہے ہو۔

موت قلبی اس مردہ دلی کا واضح ثبوت ان کے لٹریچر میں موجود ہے تزکیۂ قلبی جو مقصد نبوت میں شامل ہے اور جس پر دین اور دنیا کی صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ مودودیت میں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تزکیۂ قلبی کو جوگ سنیاس، رہبانیت کی بدعت کہا گیا ہے تزکیہ کی مخالفت میں مستقل مضامین لکھے ہیں۔ وہ تمام طریقے جو تزکیۂ قلب، صوفیائے کبار، اور اولیائے عظام نے مستحسن اور معمول بہ قرار دیئے ہیں، ان کو یکسر لغو، بے کار، اور بدعت قرار دیا گیا ہے۔

"مدیر فاران" فرماتے ہیں کہ تصوف اور طریقت وہی ہے جو ایام جاہلیت میں خود راقم الحروف (مدیر فاران) نے دیکھا بھالا ہے۔ جس کے لطیفوں پر وہ جاہلیت کے زمانے میں جھوم چکے ہیں۔ صوفیوں کو جی بھر کر گالیاں دینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے قول و فعل پر قرآن و حدیث سے دلیلیں لانا۔ ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر جماعت کا یہ شیوہ رہا ہے۔ یہی کتاب اور سنت ہیں جن سے خوارج، نفیری، معتزلہ حلولیہ، مجسمہ اپنے عقائد کا ماخذ کتاب و سنت ہی کو قرار دیتے ہیں۔

مدیر فاران کا اس تحریر سے کیا مطلب ہے؟ اور موضوع زیر بحث سے اس کا کیا تعلق ہے؟ واضح نہیں کیا گیا۔ کتاب و سنت سے دلیل پیش کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں بلکہ دین کا مدار علیہ کتاب و سنت ہی ہے قرآن کی کسی آیت کو دلیل نہ ماننا یہ ان تمام فرقوں کا شعار ہے جو باطل پرست ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام آیات و احکام میں جمع و توفیق ہے برخلاف دوسرے فرقوں کے اول تو جدید الحدوث ہونے کی وجہ سے

ان کا وجود ہی بدعت ہے پھر یہ کہ وہ بعض آیات کے منکر ہیں بعض آیات کے مومن ہیں مثلاً (۱) خوارج میں نے آیت حکم کو لیا اور یہ مطلب نکالا کہ حاکمیت صرف اللہ کے لئے ہے اور اس مطلب سے ان کو حضرت علی کی حکومت سے بغاوت پر مجبور کیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد تھے اور اولی الامر تھے۔ اس طرح خوارج نے ایک آیت کو مانا اور دوسری آیات کا انکار کیا۔

(۲) نصیری نے علی کو خدا کہا اللہ کے اسم علی کی تصدیق کی لیکن مطلق کو مقید میں منحصر سمجھ کر کفر کیا۔

(۳) جبریہ مالتشاءون الا ان یشاء اللہ کی تصدیق کی اور لیس للانسان الا ما سعی کی تصدیق نہیں کی۔

(۴) قدریہ تقدیر کے قائل ہو گئے اور لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت کو نظر انداز کر دیا۔

(۵) حلولیہ اتحاد، تجسیم کے قائلین بھی ان آیتوں کے معتقد ہیں جو ان معنوں سے متشابہ ہیں اور ان آیتوں کے قائل نہیں ہیں جو اطلاق اور تنزیہہ سے متعلق ہیں۔ قرآن میں اللہ کا چہرہ، اللہ کا ہاتھ جہاں آیا ہے وہاں اللہ کا جسم و جسمانیات سے پاک ہونا بھی آیا ہے۔ پھر بعض آیات کو چھوڑنا بعض کو رکھنا یہی گمراہی ہے۔ کسی آیت کی کوئی تفصیل یا تاویل جو کسی دوسری آیت کے مخالف ہو قابل قبول نہیں۔ یہ اہل حق کا مسلک ہے۔ اہل باطل کا مسلک اس کے برعکس ہے۔

غرضیکہ مدیر فاران نے غیر متعلق باتوں میں اصلی مبحث کو الجھا دیا۔ ان کے جس قدر اعتراضات تھے ان کے جوابات ایک ایک کر کے دیئے جا چکے تھے۔ اس کے باوجود مدیر "فاران" نے اپنی اشاعت اگست ۱۹۵۶ء پہ تبصرہ

کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔ اصل مبحث سے دور ہو کر انھوں نے غیر متعلق باتیں چھیڑ لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تمہید میں یہ دعویٰ کیا کہ "فاران" کی پالیسی بلکہ اس کا مقصد اشاعت یہ رہا ہے کہ اللہ کے خالص اور سادہ دین کو اسی انداز میں پیش کیا جائے جس بے میل اور خالص وسادہ انداز میں وہ نازل ہوا ہے (حالانکہ یہ کام نبی کا ہے) اس بڑے بول کے بعد انھوں نے خود اپنی خود شناسی پر ستیہ کیا ہے۔ اپنی اصابت رائے، درجحت و فکر کو غیر یقینی تسلیم کیا ہے۔ زبان وقلم کی لغزشوں سے خود کا پاک نہ ہونا بیان کیا ہے۔ اس تضاد کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ غیر معصومیت کا اعتراف بھی ہے اور نبی معصوم کا منصب بھی اپنے لئے تجویز کیا جاتا ہے یعنی دین کو اسی انداز میں پیش کرنا جس انداز میں وہ نازل ہوا ہے۔ اللہ اکبر کیا جسارت ہے؟ اس طمطراق کے بعد جن خاصان خدا کی زبان سے مقام "صدق وصفا" میں خود اللہ نے انا الحق اور انی انا اللہ فرمایا اُن خاصانِ خدا کو مدیر "فاران" نے گالیاں دی ہیں۔ گویا اس اور کلمہ کفر کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ منصور علیہ الرحمۃ اور حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ (جن سے ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں) ان کے اقوال کی تاویل علمائے حق کا مسلک رہا ہے۔ اس کے بعد مدیر فاران نے ایام جاہلیت کے واقعات، ومشاہدات اور تجربات تفصیلاً قلم بند فرمائے ہیں۔

"بدقسمتی سے ایسے نہیں نہ کوئی صحیح فقیر ملا اور نہ کوئی سچا صوفی نہ باخبر سالک نہ پیر روشن ضمیر کنند ہمجنس باہم جنس پرواز" ان کو جہلاء وسیہ کار، گنہ گار، نشہ باز، شرابی، چرسی، بے نماز، مشرک اور بدعتی ہی ملا۔ وہ اپنے اس تجربہ کی بنا پر وہ طریقت کے کوچے سے ناکام ونامراد واپس ہوئے اور آج اپنے تجربات کی بنا پر وہ حکم لگاتے ہیں۔ تاویل : احکام الٰہی میں تاویل کرنے

کو کفار و مشرکین کا شعار بنلایا ہے۔ شیطان نے سجدے سے انکار کرتے ہوئے نافرمانی کے لیے دلیل ہی پیش کی تھی۔ مشرکین بتوں کو پوجتے تھے اور شرک کا عیب دور کرنے کے لیے تاویلیں اور دلیلیں تراش لیتے تھے۔ ہر گمراہ کن قول کی تاویل ہو سکتی ہے۔

پھر کسی کو مخاطب فرض کر کے انھوں نے "وحدت الوجود" کا مذاق اڑایا ہے، اور یہ مثال دی ہے کہ تم الو کے پٹھے ہو۔ کسی سے کہا جائے اور وہ اس گالی سے طیش میں آئے تو یہ تاویل تجویز کی جاتی ہے کہ تمام مخلوقات کے اجسام میں ایک ہی روح جاری و ساری ہے قرآن کہتا ہے کہ ۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا ۔ قرآن میں دابہ حقیقت مشترک ہیں۔ میں نے گالی نہیں دی بلکہ وحدت روح کی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ (فاران اگست ۵۶ء)

مدیر فاران خود ہی تاویل کو کافرانہ، مشرکانہ، بت پرستانہ اور ابلیسانہ فعل قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ شیطان کو شرمانے والی تاویل گھڑتے ہیں۔ اور کلام پاک کی آیت کا غلط استعمال کرتے ہوئے ذرا خوف خدا نہ آیا۔ رہا مسئلہ توحید تو اس کے دلنشیں ہونے کے لیے نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی، روح کی لطافت لازم ہے ایسا نفس ایسا دل جو ایسی ناپاک مثالوں سے توحید کو تعبیر کرتا ہے۔ غیرت الٰہی اس پر اپنی توحید کو حرام کر دیتی ہے۔ چونکہ کلمہ طیبہ لفظ "طیب" سے مشتق ہے۔ طیب خوشبو کو کہتے ہیں، کلمہ طیبہ کی وجہ تسمیہ ظاہر ہو گئی کہ اس سے خوشبوئے وصال آتی ہے۔ وحدت اور علیت ثابت ہوتی ہے۔ کلمہ طیبہ کی ضد کلمہ خبیثہ ہے۔ خبث ناپاکی کو کہتے اور ناپاکی میں بدبو ہونا ضروری ہے۔ یہ بدبو دوئی اور غیریت کی بدبو ہے۔ مشرک اسی خدا کو جو وجوب اطلاقی اور امکان تعینی کو جامع اور کثیر خیال کرتا ہے۔

اس لیے وہ کلمۂ خبیثہ کا قائل ہے۔ اس ناپاکی اور خباثت کی وجہ سے مشرکین کو نجس کیا گیا ہے۔ انما المشرکون نجس۔

جعل عربی میں نجاست کے کیڑے کو کہتے ہیں۔ اس کیڑے پر اگر عطر چھڑک دیا جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا مدار بدبو پر ہے۔ خوشبو اس کے حق میں سم قاتل ہے یہی حال مشرکین کا ہے کہ وہ اس کلمۂ طیبہ کی ہوا سے بھی بچتے ہیں، جو توحید اور عبدیت کی خوشبو سے مشامِ جان اور روحِ ایمان کو معطر کرتا ہے۔

تاویل کو ملحدانہ، کافرانہ اور شیطانی فعل قرار دینے کے بعد مدیر فاران نے دوسری جگہ خود ارتکاب کیا اور وہ بھی اس بھونڈے پن سے کہ اللہ کے لیے ایک خالق اور رب ہونا تجویز پا گئے۔ ملاحظہ ہو۔

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن قرآن کی اس آیت کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اول و آخر ظاہر و باطن کی خالق و رب ہے۔ اگر کوئی اس کے ٹھیٹ لفظی ترجمہ۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے کی معنویت پر اصرار کرے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "متشابہات" ہیں اور محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ (فاران اگست ۵۹ء)

لیجئے اللہ تعالیٰ کا اول و آخر ظاہر باطن ہونا بھی تسلیم نہیں اگر ٹھیٹھ لفظی ترجمہ بلا تاویل کوئی کلام تام کی صورت میں مانتا ہے تو اس کے دل میں کجی ہے اور یہ آیت متشابہ ہو جاتی ہے اور اگر کوئی اس تاویل کو جو مدیر فاران بیان کرتے ہیں بلا چون و چرا خدا کی مراد سمجھ کر اس پر ایمان لائے تو یہ قرآن کا سادہ مفہوم ہے۔ اس قرآن فہمی کا اس سادگی اور پرکاری کا کوئی ٹھکانہ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم و بصیرت سے تو اس تاویل کو واسطہ ہی کیا ہے؟ معمولی عقل و فہم بھی مدیر فاران کو خیر باد کہہ چلے۔ ایک

ہی آیت کو وہ متشابہ قرار دیتے ہیں جس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر اس کی تاویل بھی اپنی طرف تجویز کرتے ہیں۔ جو ظاہر معنی کے بالکل خلاف ہے اور بقول ان کے ٹھیٹ ترجمہ کے منافی ہے۔ کوئی مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو وہ قرآن کی آیات کے ساتھ ایسا مخول نہیں کر سکتا جو یہ اللہ کے خالص اور سادہ دین کو اسی انداز میں پیش کرنے کے مدعی ہوتے ہوئے پیش کر رہے ہیں اس تمہید کے بعد غور کیجئے ۔ھو الاول والآخر والظاہر والباطن اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ مدیر فاران کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اول آخر، ظاہر، باطن کا رب ہے۔ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اول آخر، ظاہر باطن سے اللہ کا کھلا انکار ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اول، آخر، ظاہر باطن کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ تو یہ بھی تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ اسمائے حسنیٰ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کو اول و آخر ظاہر باطن کا خالق و رب ہے۔ وہ خلق اللہ خالق کے لئے خالق رب کے لئے رب، خدا کے لئے خدا تجویز کرتا ہے۔

تیسری قباحت اس " فارانی تاویل میں یہ ہے کہ اول و آخر ظاہر و باطن جو صفات الٰہیہ ہیں وہ مخلوق اور مربوب قرار پاتی ہیں۔ اس طرح صفاتِ قدیم کا حادث ہونا لازم آتا ہے۔

چوتھی قباحت اس تاویل سے یہ لازم آتی ہے کہ احادیثِ نبوی کی مخالفت ہوتی ہے ہم نے مدیر فاران کو اس غلطی پر متنبہ کیا تھا مگر وہ پاس سخن اور ضد میں مبتلا ہیں اور اس حدیث نبوی کی تاویل کرنے میں بھی کوئی باک نہیں کرتے اور تاویل کو خود ہی شیطانی فعل اور کفار و مشرکین کا شعار بھی بیان کرتے ہیں۔

حدیث نبوی میں تاویل

حدیث:۔ والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی

لهبط على الله ثم قرأ هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيئ عليم - (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر تم ڈول کو رسی باندھکر زمین زیریں تک لٹکاؤ تو [redacted] ڈول اللہ پر گریگا۔ اس کے بعد بطور استشہاد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے۔ وہی باطن ہے وہی ہر شے کے ساتھ حقیقی علم رکھتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ رسی باندھکر ڈول کو زمین زیریں تک پہنچایا جائے گا تو وہ ڈول زیریں زمین پر ہی گرے گا مگر مخبر صادق اپنے قول مؤکد بالقسم میں زمین زیریں پر گرنے کی بجائے لهبط على الله فرماتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ یقیناً وہ ڈول اللہ پر گرے گا چونکہ مضمون حدیث جو کہ زمین زیریں کے ساتھ اللہ کی عینیت پر عبارۃً اور دوسری ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عینیت کو دلالۃً ثابت کر رہا ہے۔ بظاہر بعید از فہم اور قابل انکار معقولہ تھا۔ اس لئے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو اپنے قول مبارک کو قسم کے ساتھ مؤکد فرمایا پھر اپنے ارشاد مبارک کی تائیدی شہادت میں وہ آیت تلاوت فرمائی جو وجود باری تعالیٰ کی وحدت پر عبارۃً دلالت کرتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے۔

(تاج ستمبر ۵۶ء)

اول تو آیت کی عبارت غیر مبہم پھر اس کی تفسیر میں ارشاد نبوی مگر مدیر فاران حدیث نبوی کی تاویل بھی آیت کی طرح کرنا فریضہ دینی سمجھتے ہیں: ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو اوپر نقل کی گئی ہے اس اللہ پر ڈول گرنے کا کوئی بھی یہ مفہوم نہیں لیتا کہ اللہ کوئی جسم ہے جس پر ڈول جا کر گرتا ہے۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ سے کوئی یہ مفہوم نکالتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں تو معاذ اللہ، معاذ اللہ، ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں یا اللہ پر ڈول گرنے

سے یہ مراد ہے کہ زمین کی آخری حد تک کوئی شے اللہ کے احاطہ علم وقدرت سے باہر ہے نہیں۔ (فاران)

(نتائج)

اس تاویل کی صورت میں کلام نبوی کا بلیغ نہ ہونا لازم آتا ہے۔ بلاغت کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جبکہ کوئی کسی بات کا منکر ہو اور وہ بات شدید الانکار اور ناقابلِ یقین ہو اگر یہ صورت نہ ہو تو قسم کھانا بے فائدہ اور لغو ہوتا ہے اس کے بعد مضمونِ حدیث میں تامل لازم ہے۔ جو تاویل مدیر فاران نے پیش کی ہے اس صورت میں اللہ پر ڈول گرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ڈول اللہ کے علم پھر اس کی قدرت کے احاطہ میں گرے گا۔ اللہ کا علیم وقدیر ہونا کوئی قابلِ انکار بات نہ تھی اللہ کو علیم وقدیر سب مانتے ہیں . . . پھر اس سادہ مفہوم کو اس پیچیدہ اور خطرناک انداز بیان سے پیش کرنا اور قسم کھانا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر اگر علم وقدرت کا اظہار ہی مقصود ہوتا تو استشہاد میں وھو بکلِّ شیئٍ علیمٌ وھو علیٰ کلِّ شیئٍ قدیر کافی تھا۔ ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن۔ سے کیا تعلق؟ محض حشو زوائد قرار پاتے ہیں اور یہ بعید از بلاغت ہے۔ ماہر صاحب "تاویل" کی صورت میں نعوذ باللہ کلام نبوی بلاغت سے گر جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص تاویل کو کفار ومشرکین اور ابلیس کا شعار بتلاتا ہے وہ اس قدر کا مرتکب ہونے کی جرأت کس طرح کرتا ہے؟ دین اور اسلام، کتاب وسنت سے باہر ہے۔ کتاب وسنت کی عبارتوں میں جب الفاظ کے معنی ہر شخص اپنی طبیعت سے بدلنے کا مجاز ہو گا تو کتاب وسنت کا مفہوم آخر کس طرح متعین ہو گا اس طرح علی اللہ عبارت میں موجود ہے اس کے بجائے اپنی طرف سے یہ احاطہ علم وقدرت مراد لینا کلمات نبوی کو ناقابلِ اعتماد قرار دینا ہے۔ پھر افسوس یہ خبر نہیں کہ اللہ کو

صفاتِ علم وقدرت ہیں اور اللہ ہیں وہ "منافات" اور مغائرات تجویز کر رہے ہیں۔

مدیر "فاران" نے الّو کے پٹھے کی طرح۔ اس حدیث میں بھی اپنی طرف سے یہ معنی نکالے ہیں کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں معاذ اللہ ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مدیر فاران نے اللہ کا عقیدہ کہاں سے اخذ کیا ہے۔ خدا اور رسولؐ جس عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس سے پناہ مانگی جاتی ہے، بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اپنے خیال میں خدا کا کوئی ایسا تصور قائم کر رکھا ہے جس کا نام و نشان اس وسیع کائنات میں کہیں نہیں پایا جاتا ہر شے اس خیال میں وجود مستقل رکھتی ہے۔ سوائے خدا کے جس کا وجود وہم و خیال میں ہو تو ہو ورنہ عالم حس و شبہات سے تو قطعاً منفی ہے۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس قسم کی تنزیہہ بھی شرک ہے۔ تعطیل ہے اور وجودِ باری کا صریح انکار ہے۔ اس حدیث سے ان کو اللہ پر چلنے کا خطرہ لاحق ہوا اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ حدیث مبارکہ جو زمین کے ساتھ اللہ کی عینیت عبارتاً ثابت کرتی ہے۔ دوسری ممکنات کے ساتھ دلالتہً عینیت ثابت کرتی ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ہم جو زمین پر چلتے ہیں تو ہمارے پاؤں اللہ پر جا کر پڑتے ہیں۔

ایسا شخص جو ہم زمین اور اللہ کی تثلیث کا قائل ہے اپنی مشرکانہ ذہنیت کی بنا پر اس مضمونِ توحید کو نورٌ علیٰ نور ہے سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ پھر قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھو الذی فی السماء الٰہٌ و فی الارض الٰہٌ فارانی تاویل کی صورت میں وہی اعتراض وارد ہوگا کہ زمین پر ہم چلتے ہیں تو اللہ پر پاؤں پڑتے ہیں و فی کل شیئٍ لہٗ آیۃٌ تدل علیٰ انہٗ واحدٌ ہر شے میں اللہ کی آیات ہیں جو اس کے واحد ہونے پر دلالت کرتی ہیں، مدیر فاران کہہ سکتے ہیں

کہ ذرات جو آیاتِ الٰہیہ ہیں تو آگ پر ہمارے پاؤں جاکر پڑیں گے۔

یہ مشرکانہ طریقہ فکر اہلِ توحید کے اندازِ فکر سے بالکل الگ تھلگ ہے۔

اہلِ توحید وجود حقیقی کو صرف اللہ کے لئے خاص سمجھتے ہیں۔ اور اس صفت میں کسی کو خدا کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ موجودات کے ہونے نہ ہونے سے وجود حق کا زوال اور کمال وابستہ نہیں۔ موجودات کے لئے نہ کوئی وجود مستقل ہے نہ کوئی صفت نہ کوئی فعل نہ اثر۔

حقیقی وجود اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے تمام مقولوں میں سب سے زیادہ سچا لبید شاعر کے اس قول کو فرمایا ہے۔ الا کل شیئٍ ما خلا اللّٰہ باطلٌ یعنی سن لو کہ ہر شے بے حقیقت ہے سوائے اللہ کے۔ اور علمائے اہلِ حق کے یہاں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کے معنی عام لوگوں کے نزدیک تو یہ ہیں۔ لا معبود الا اللّٰہ یعنی اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک لا مقصود الا اللّٰہ یعنی اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے۔ اور خاص الخاص کے نزدیک لا مشہود الا اللّٰہ یعنی خدا کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا اور جو نہایت کو پہنچ گئے منتہی ہو گئے ان کے نزدیک لا موجود الا اللّٰہ یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں اور یہ سب معنی حق کے ہیں۔ ایمان کا مدار پہلے معنوں پر ہے۔ صلاح کا مدار دوسرے معنوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب معنی میں سے پورا پورا حصہ عطا فرمائے۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ اشعار پڑھے ؎

فاشهد ان الله لا شيئ غيره ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک

وانک مامون علی کل غائب — اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے اور بیشک آپ تمام مغیبات

وانک ادنی المرسلین شفاعۃ — کے امین ہیں اور بیشک آپ طیب

الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطائب — وطاہر آباؤ امہات کے فرزند ہیں۔

فکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعۃ — تمام رسولوں سے زیادہ شفاعت کے

سواک بمغن عن سواد بن — معاملہ میں اللہ سے قریب ہیں۔ آپ

قارب۔ — میرے سفارشی بن جائیے جس دن آپ کے سوا کوئی سفارشی سواد بن قارب کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔

"مسند امام احمد میں یہ روایت یوں ہی آئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی شے نہیں ہے۔ سواد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے سات باتیں ثابت ہوئیں۔

اول :۔ اللہ کے سوا ہر چیز کے وجود کی نفی۔

دوم :۔ حضور کے لئے علم غیب کا ثبوت"۔

سوم :۔ شفاعت کا عطا ہونا۔ جیسا کہ حدیث شریف صحیح مسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔

وہابیہ کہتے ہیں کہ حضور کو ابھی شفاعت نہیں دی گئی۔ قیامت کے دن شفاعت کا اذن ملے گا اس سے اُن کی مراد یہ ہے دنیا میں آپ سے فریاد نہ کی جائے کہ ابھی آپ شفاعت پر قادر نہیں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے خاص غلاموں والوں اور مسلمان مردوں و مسلمان عورتوں کی بخشش چاہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور آپ کے حضور میں حاضر ہو کر خدا سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لئے معافی مانگیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان

پائیں گے۔

ان آیتوں کو وہابیوں نے اس طرح پس پشت ڈال دیا ہے کہ جس طرح وہ ان آیتوں کو جانتے ہی نہیں۔

چہارم:۔ اسمٰعیل دہلوی نے "تقویت الایمان" میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بخشنے کا حیلہ کرنا چاہے گا تو جس کو چاہے گا اسے شفیع کر دے گا کسی کو بھی خصوصیت نہیں۔ مگر سواد بن قارب کے قول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قریب تر ہونا ثابت ہے۔

پنجم:۔ سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنا، فریاد کرنا ثابت ہے، وہابیہ کے عقائد کا اس میں رد موجود ہے جو حضور سے استغاثہ کو شرک کہتے ہیں۔

ششم:۔ پہلے جو یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سب سے قریب تر ہے، اس سے ترقی کر کے شفاعت کو حضور میں ہی مختص کر دیا، اور یہی حق ہے اور شفاعت کرنے والے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ تمام انبیاء کی شفاعت کا میں مالک ہوں گا اور یہ بات میں کچھ فخر کی راہ سے نہیں کہتا۔

ہفتم:۔ انھوں نے ثابت کیا کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑے گا حضور یقیناً اس کے کام آئیں گے۔ اس میں پیشوائے وہابیہ اسمٰعیل دہلوی کا رد فرمایا جو یہ بک گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے بھی کام نہ آ سکیں گے۔ ہمارا دل کہتا ہے کہ اگر حضرت سواد بن قارب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مصرعوں سے الفاظ کا عظیم نفع دیکھو اور بیشک حدیث ناطق ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ سب باتیں برقرار رکھیں۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جس دن اللہ جمع کرے گا رسولوں کو۔ ان سے فرمائے گا تمھیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ انبیاء کا یہ کلام اصل حقیقت پر مبنی ہے۔ انھوں نے اپنے علم کی بالکل نفی فرمائی کیونکہ سایہ جب اصل کے سامنے آتا ہے تو اس کا کوئی وجود اور دعویٰ نہیں رہتا۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھلایا ہے ملائکہ کا یہ کلام حقیقتِ عطائی پر مبنی ہے مگر انبیاء کا کلام حقیقت نفس الامری پر مبنی ہے کہ انھوں نے اپنے علم ذاتی اور عطائی دونوں کی نفی فرمائی۔ ادب میں ملائکہ سے انبیاء علیہم السلام بڑھ گئے۔ ان سب پر درود و سلام۔

کوئی ایک بات ہو تو رد کیا جائے، لڑا جائے۔ الف سے ے تک جہاں سب کچھ غلط ہو اور لغو ہو وہاں انسان کیا کرے؟ تمام بزرگانِ دین کو جھٹلایا جا رہا ہے۔ ان کو بدعتی، مشرک، خلافِ شریعت لکھا جا رہا ہے۔ ان کے افکار کو غیر اسلامی طریق فکر اور یہودیت مجوسیت سے نسبت دی جاتی ہے۔

سطور ذیل میں ہم نے تمام بزرگوں کے اقوال لکھے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ مدیر فاران کے خالص بے میل نتھرے ہوئے سادہ دین کے نمونے پیش کئے ہیں ملاحظہ ہوں۔

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد۔

در سینۂ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد

ایں طرفہ تماشا بیں دریا بحباب اندر

(مدیر فاران)

دریا کا موج و حباب سے جو ربط ہے خالق و مخلوق کے باہمی ربط کا ایم

قیاس کرنا اسلامی انداز فکر کی عین ضد ہے۔ یہ مجوسیت، ویدانت اور رہبانیت کے افکار و نظریات ہیں جو عجمی تصوف کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔
(فاران اگست ۱۹۵۷ء سطر ۲۶، ۲۷۔ صفحہ ۲۸)

(۲) حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔ من تو شدم تو من شدی۔

فاران:۔

اہل بدعت کا یہ مزاج ہے۔ ذوق ہے اور طبیعت و رجحان ہے کہ ایسے تمام نکتے جو عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے تعلق پر "من تو شدم تو من شدی" کا رنگ چڑھاتے ہوں مرغوب و پسندیدہ ہیں (فاران نومبر ۱۹۵۶ء سطر ۲۲۔۲۳ صفحہ ۳۰)

(۳) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ۔

دہر ایت کم تر از ذیاں شد زند — دو جہاں کہ خیمہ بر گردوں زدند

فاران:۔

حدیث بتاتی ہے کہ شیطان آدمی کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے تو کیا اس حدیث کی بنا پر یہ اعتقاد بھی رکھا جائے کہ اولیاء اللہ بھی انسانوں کے جسم میں خون کی طرح دوڑتے ہیں یہ سوچنے کا انداز بھی غیر اسلامی ہے کہ فلاں مخلوق میں یہ قوت پائی جاتی ہے تو انسان میں بھی اس قوت کا پایا جانا لازمی ہے ورنہ انسان اس مخلوق سے کمتر سمجھا جائے گا۔ (فاران نومبر ۱۹۵۶ء صـ ۱۶ سطر ۳۔۴۔ ۲۰۔۲۱)

(تنبیہ) (۱) حدیث قدسی ہے کہ میں اپنے محبوب بندے کے ہاتھ پاؤں سماعت بصارت بن جاتا ہوں۔ بی یسمع وبی یبصر

(۲) حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے (انا الحق) میں حق ہوں، سبحانی ما اعظم شانی میں پاک ہوں میری

شان کیا ہی بڑی ہے وغیرہ۔ ایسے کلمات جو صادر ہوتے ہیں تو ایسے قول کا قائل خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے جو مرتبہ قرب میں اپنے محبوب بندے کی زبان سے بولتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی کا منشاء ہے۔

(۳) ایک دوسری حدیث میں ہے الحق ینطق علی لسان عمرؓ۔

(۴) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مرتبۂ قرب کی تشریح فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

(۱) بندۂ مقرب کا کلام خدا ہی کا کلام ہوتا ہے گو وہ کلام بندہ کے حلقوم سے نکلے۔

گر نبودے ذات حق اندر وجود　　　آب و گل را کے ملک کردے سجود

(۲) اگر آدم خدا کے وجود سے موجود ہوتا تو آب و گل کو فرشتے سجدہ نہ کرتے

دو مبیں و دو مگو و دو مخواں

خواجہ را در خواجہ خود محو داں

(۳) دو نہ دیکھو دو نہ کہو دو نہ پڑھو، خواجہ کو اپنے خواجہ میں محو جانو۔

گر جدا دانی ازاں ایں خواجہ را

گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

(۴) اگر ولی کو اللہ سے تم نے جدا جانا تو کتاب الٰہی کا متن بھی تم سے غائب ہو جائے گا۔ اور دیباچہ بھی۔

مردے معکوس باشد کارہا　　　شحنہ را دزد آورد بر دارہا

چوں سفیہاں را ہود کار و کیا

لازم آمد یقتلون الانبیاء

(۵) ایسا دور بھی آتا ہے کہ سب کام الٹے چلتے ہیں، الٹا چور کوتوال کو

ڈانٹتا ہی نہیں بلکہ پھانسی دے ڈالتا ہے۔

(۶) جب کمینوں کے ہاتھ میں اختیار اور اقتدار آجاتا ہے تو نبیوں کا قتل کیا جانا لازمی امر ہو جاتا ہے۔

چونکہ حکم اندر کف رندان بود

لاجرم ذوالنون در زندان بود

(۷) حضرت ذوالنون مصری مشہور تابعی تھے صاحب مذہب تھے۔ وحدت الوجود کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ کو دیوانہ مشہور کیا گیا اور جیل میں بھیج دیا گیا کیونکہ حکومت بیہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔

چون قلم در دست غدارے بود

لاجرم منصور بر دارے بود

(۸) جب قلم غدار کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منصور علیہ الرحمۃ کو پھانسی کا حکم ہو اور پھانسی دی جائے۔ غدار بے وفائی کرنے والا۔ باغی۔ مولانا روم نے منصور کو پھانسی دلانے مفتی کو غدار اس لئے فرمایا کہ وہ مفتی جو کتاب و سنت کا علم رکھتا تھا وہ اپنے دل میں انا الحق کو کلمہ حق بھی جانتا تھا مگر ظاہرداری کا پاس کرتے ہوئے اس نے حق شناسی سے غداری کی۔

فرعون نے بھی انا الحق کہا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ منصور نے بھی انا الحق کہا جس کے یہ معنی ہیں کہ میں حق ہوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرعون اور منصور کے انا الحق میں کیا فرق ہے۔ مولانا روم اس فرق کو واضح کرتے ہیں۔

آں انا گفت در خود رہزن شد

ایں انا گفت در خود برباد شد

منصورؒ نے انا کہا اور خودی سے آزاد ہو گئے۔ فرعون لعین نے انا کہا اور خودی میں گرفتار ہو کر برباد ہو گیا۔

این "انا" را صد ہزاراں رحمت است

آں "انا" را صد ہزاراں لعنت است

منصورؒ کی انا پر ہزاروں رحمت اور فرعون لعین کی انا پر ہزاروں لعنت

(۹) بات یہ ہے کہ ایسے کلمات میں ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ کہنے والے کی نیت اچھی ہے یا بری۔ اس کے بعد حکم لگانا چاہیئے کیونکہ تمام اعمال کا مدار نیت پر ہی ہے۔ الاعمال بالنیات۔

کیوں نہیں کیا؟ تو جواب میں کہا "فبما اغویتنی" آپ کے بہکانے کی قسم" ابلیس نے "اغوا" کی نسبت خدا کی طرف کی۔ ملعون ہوا۔ اسی طرح نوح علیہ السلام نے بھی "اغوا" کی نسبت خدا کی طرف فرمائی جیسا کہ قرآن میں ہے۔ یٰقوم لا ینفعکم نصحی ان اراد اللہ ان یغویکم۔

یعنی اے قوم تمہیں میری نصیحت کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تم کو اغوا فرمائیے مگر نوح علیہ السلام حسن نیت کی وجہ سے مقبول ہیں اور ابلیس لعین قبح نیت کی وجہ سے مردود ہے۔ حالانکہ فعل اغوا کی نسبت خدا کی طرف کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر نیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور نیتوں پر ہی احکام جاری ہوتے ہیں۔

(۱۰) شیخ ہجویر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

در آ در وادیٔ ایمن کہ ناگاہ　　درختے گویدت انی انا اللہ

روا باشد انا الحق از درختے　　چرا نبود روا از نیک بختے

مطلب یہ ہے کہ وادیٔ ایمن میں آکر چشم تصور سے دیکھو تو

تمہیں درخت اِنِّی اَنَا اللّٰہ (میں اللہ ہوں) کہتے ہوئے دکھائی دے گا۔
قرآن میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ درخت سے آواز آئی۔ لا اِلٰہ اِنا فاعبدنی یعنی میں ہی اللہ
ہوں بس میری عبادت کرو) پھر جبکہ انا الحق کی آواز درخت سے روا ہے تو کسی نیک
بخت سے کیوں کر روا نہ ہو گی۔

صاحب گلشن راز بھی اس طرف گئے ہیں کہ "انا الحق" کہنے والا
اللہ ہی ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ کی صفت کلام کا ظہور ہے زبان درخت
سے ہو یا زبانِ انسان خلیفۃ الرحمٰن سے۔

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ از وے نزد انا الحق بسر ہست او از جماعتِ کفار
شو بباطن ربوبیت پرواز کن بظاہر عبودیت اقرار

اس تمہید کے بعد اور ان شواہد کی موجودگی میں دیکھئے کہ دین کو سادہ
خالص بے میل، نتھری ہوئی جیسی مقبول بازار اصطلاحوں کے ساتھ پیش کرنے
والوں کے دلوں میں توحید اور اہل توحید کا کیا مقام ہے۔؟

اس دیدہ دلیری کا بھی کوئی جواب ہے کہ بدعات جن لوگوں کا
اوڑھنا بچھونا ہوں سجدہ تعظیمی کی طرف جن کا رجحان ہو منصور اور سرمد رحمہ
جیسے مجہول اور غیر ذمہ دار لوگوں کو جو اپنا پیشوا سمجھتے ہوں انا الحق جیسے لغو
اور خلافِ توحید نعرہ، کو جذب و سوز اور کشف و شہود کا مظہر جانتے
ہوں اور اپنے کو بباطن رب الکریم کہتے ہوں۔

(۵) اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا شعر۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیبؐ کیونکہ محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

(فاران صفحہ ۳۲ نومبر ۱۹۵۷ء)

اہل بدعت کیا کیا تحسین کرتے ہیں جس طرح ہم آپس میں کہا کرتے ہیں کہ ہم تم دوست دوست جو تمہارا مال وہ ہمارا مال، محبوب محب میں اپنا پرایا نہیں ہوا کرتا۔ کیا اللہ اور رسول کے ساتھ بھی اس قسم کی بے تکلفی کے محاوروں کی نسبت جائز ہے؟ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جو اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ حامی سنت اور قاطع بدعت کے القاب استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۶) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

تمسک می کنند جماعتے ازیں حدیث
در انداختن گل و ریاحین بر قبور
(فاران نومبر ۱۹۵۷ء)

جس طرح اہل بدعت کی پیش کی ہوئی آیات قرآنی اور ان کے معتقدات کے درمیان کوئی ربط نہیں ہوتا۔ اسی طرح احادیث کے ساتھ بھی اس قسم کا درد ناک سلوک کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے کہ حضور دو قبروں کے درمیان سے گزر رہے تھے حضور نے فرمایا کہ ان قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ آپ نے قبروں پر درخت کی دو شاخیں گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ ہری رہیں گی طلب مغفرت کرتی رہیں گی۔ یہ فعل رسول اللہ کے ساتھ مخصوص تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نے فرمایا ہے کہ میری بخشش بھی اللہ کی رحمت سے ہوگی۔ (فاران)

"تاج"

کتاب و سنت کے نعرے لگانے والوں کا خالص نتھرا ہوا سادہ اور صاف

اسلامی عقیدہ ملاحظہ فرمایا۔ حدیث بخاری کی روایت کو توڑ مروڑ کر کہتے ہیں کہ (بلا واسطہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری بخشش بھی اللہ کی رحمت سے ہو گی۔ اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہی ہے جو ماہر صاحب سمجھے ہیں تو پھر مسلمان نوٹ کر لیں کہ اب ان اجماعی اور متفق علیہ مسائل کی جڑیں بھی ماہر صاحب نے کاٹ دیں۔

پہلا مسئلہ عصمت انبیاء کا ختم ہوا کیونکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش بھی ابھی معرض بحث میں ہے جب اللہ کی رحمت ہو گی تو آپ کی بخشش ہو گی پھر بخشش جب ہو گی کہ کچھ گناہ بھی ہوں، گناہ ہوں گے تو پھر عصمت کہاں۔

دوسرا مسئلہ شفیع المذنبین (صلی اللہ علیہ وسلم) خود محتاج بخشش ہیں تو شفاعت کیا معنی رکھتی ہے (سوم) حسنات الابرار سیات المقربین ابرار کی نیکیاں مقربین کے سیات ہوتے ہیں۔ اس قسم کی سب باتیں اللہ نے معاف فرمانے کا اعلان قرآن میں فرمایا ہے لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر آپ کے اگلے پچھلے لغزشیں معاف فرمانے کا قرآنی اعلان غلط قرار پاتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی : حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے یہاں جب سماع شروع ہوتا تھا تو آپ کے مرید حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ وہاں سے اٹھ جاتے تھے اور مرشد کے معمول پر اتباع سنت کو ترجیح دیتے تھے۔ (فاران نومبر ۱۹۵۷ء)

یہ کتنی بڑی تہمت ہے جو محبوب الٰہی پر محبوب الٰہی لگاتے ہیں، وہ ذات جو محبوب الٰہی مسلم ہو اس کا کوئی معمول خلاف سنت بھی ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت چراغ دہلوی پر یہ کتنا بڑا افترا ہے کہ وہ بارگاہ محبوب الٰہی میں ایسی گستاخی کریں کہ ان کو خلاف سنت سمجھ کر ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں۔ اس خیال سے

بھی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔ عمل تو درکنار رہا۔ ان جاہلوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حضرت چراغ دہلوی خود صاحب سماع تھے۔ محدثین کے نزدیک سماع کو خلاف سنت کہنے والا گمراہ ہے۔ قاضی شوکانی منکرین سماع کو جاہل، گنوار اور کاذب کہتے ہیں تفصیل کے لیے دیکھو تاج ستمبر ۵۶ء، سماع کی حرمت میں جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب بناوٹی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت ہے۔ ماہر صاحب نے حضور کے خیر مقدم میں انصار کی عورتوں نے جو خوشی کے گیت گائے اس حدیث میں مخدرات کا ترجمہ براہِ خیانت "کمسن لڑکیاں" غلط کیا۔ مخدرات کا صحیح ترجمہ پردہ دار خواتین ہیں۔

ماہر صاحب یہ بھول گئے کہ یہی خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی جن کو آپ متبع سنت فرما رہے ہیں۔ ان کے اندازِ فکر کو آپ نے یہودیت، مجوسیت اور غیر اسلامی فرمایا ہے۔ حضرت کا اندازِ فکر تو یہ ہے۔

در سینۂ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بحباب اندر

آپ کا فتویٰ ہے کہ دریا کا جو موج و حباب سے ربط ہے خالق و مخلوق کے باہمی ربط کا اس پر قیاس کرنا اسلامی اندازِ فکر کی عین ضد ہے یہ مجوسیت ویدانت اور باطنیت کے افکار و نظریات ہیں۔

(فاران اگست ۱۹۵۶ء، صفحہ ۲۸)

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔

(۱) حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ۔

عبادی سے مراد عباد الرسول ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل یا عبادی الخ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (دیکھو شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵)

(۱۰) مولوی اشرف علی تھانوی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں قرینہ بھی اسی معنی کا ہے کہ عبادی سے عباد الرسول مراد ہوں کیونکہ آگے فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اگر عبادی کا مرجع اللہ ہوتا تو اللہ فرماتا من رحمتی تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی (دیکھو شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵)

فاران :۔

اہل بدعت اس آیت کے ترجمے میں "ی" کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے فرمایا تم کہو اے میرے بندو (یعنی محمد رسول اللہ کے بندو) صرف اپنے ذوق کی بنا پر قرآن پاک میں ایسی کھلی ہوئی معنوی تحریفیں کرتے ہیں اور ذرہ برابر نہیں شرماتے بلکہ اتنی بڑی مجرمانہ جسارتیں کرکے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم عشق رسول کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (فاران نومبر ۱۹۵۶ء) ص۲)

(۱۱) مولانا محمود الحسن شیخ الہند (دیوبند)

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

(۱۲) مولینا شبیر احمد عثمانی :- بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ دورِ جاہلیت میں جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود مستقل سمجھ کر پکارتے ہو وہ خود اپنے رب کا قرب پیش از پیش تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے۔ ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہی زیادہ قربِ الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندے کی دعا وغیرہ کو حصولِ قرب کا وسیلہ بنائیں۔

(تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی)

(۱۳) شاہ عبدالرحیم صاحب۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ اس آیت سے فرضیتِ بیعت پر دلالت کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وسیلہ سے مراد عملِ صالح نہیں ہو سکتا کہ خطاب اہلِ ایمان سے ہے۔ عمل صالح اتقوا اللہ میں شامل ہے۔ ایمان اور اتقا کے بعد وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے دعا مانگنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ جیسا کہ حصن حصین میں ومن آداب الدعاء ان یتوسل بانبیائہ والصالحین من عبادہ یعنی دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اختیار کریں اور حضور کے قول و فعل کو استمداد انبیاء ما قبل سے ثابت ہے۔

اہلِ بدعت الوسیلہ سے انبیاء اور اولیاء کا توسل مراد لیتے ہیں۔
(فاران نومبر ۱۹۵۶ء صفحہ (۳۱))

(۱۴) مولینا جامی قدس سرہٗ : لاشئ شانہ در ہم ذات من حیث
ذات از ہمہ اسما و صفات معرّیٰ است و از جمیع نسب و اضافات مبرّا۔
(لوائح جامی)

یہ معطلین کے عقائد ہیں جو اپنے خود ساختہ نظریہ تعطیل کی رو میں یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اللہ کو ہم احد و واحد بھی نہیں کہہ سکتے کہ ایک کہکر ہم ذات حق کو مقید کرتے ہیں۔

(مولانا جامی قدس سرہٗ

آں را کہ فنا شیوہ و فقر آئین است
نے کشف و یقین نہ معرفت نے دین است
رفت او ز میاں ہمیں خدا ماند خدا
الفقر اذا تم ھو اللہ ایں است (لوائح جامی)

(فاران اگست ۱۹۵۶ء)

(اس رباعی) کی معنویت سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نری شاعرانہ شوخیٔ فکر ہے۔

وہ تمام مضامین لطائف اور نکتے جو عبد و معبود کے فرق کو مٹاتے ہیں بات بے بات ہیں ڈالتے ہیں یکسر باطل ہیں اور اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے صوفی کی بھی بات نہیں مانی جا سکتی۔ (فاران)

(تاج)

کل شیئٍ ھالک الا وجھہ بالکل اسم فاعل ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ سوائے ذات شے کے ہر شے بالفعل ہالک ہے۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ سوائے ذو الجلال والاکرام ہر شے فنا پذیر ہے۔ بقاء دوام ذات باری

تعالیٰ کے لئے ہے۔ فقراس فنا کی تصدیق حالی ہے فقیر ذاتِ حق کے مقابلے میں نہ خود کو موجود دیکھتا ہے نہ کسی اور کو موجود پاتا ہے۔ ذات و صفاتِ اللہ کا اثبات اور غیر اللہ کی ذات و صفات کی نفی لا الٰہ الا اللہ کا مطالبہ اور توحید کا تقاضہ ہے۔ خدا کے لاتعداد بندوں کے استقلالِ وجود کا عقیدہ کس قدر مشرکانہ مادہ پرستانہ اور جاہلانہ ہے توبہ توبہ توبہ عبد و معبود میں غیریت دونوں کے وجود میں استقلالِ طرفین کی تجویز عجز باری کو مستلزم ہے۔ نعوذ باللہ!
تضاد :۔

(فاران اگست ۱۹۵۶ء)

شرح لوائح جامی پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

یہ کتاب اپنے معانی اور غوامض کے اعتبار سے بہت ادق ہے۔ ہر فارسی جاننے والا اس کے معانی کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ فاضل مترجم فارسی کے متبحر عالم ہونے کے علاوہ تصوف کا خاصہ ذوق رکھتے ہیں ان کا مطالعہ بھی وسیع ہے اس لئے لوائح جامی " کے ترجمہ میں وہ کامیاب رہے ہیں۔ یہ کام خود اپنی جگہ ایک مفید کارنامہ ہے۔

کتاب کے آخر میں خاص الفاظ کے معنی اور تصوف کی عام اصطلاحات کی شرح درج ذیل ہے جو بڑے کام کی چیز ہے۔

مولانا جامیؒ قدس سرہٗ " وحدت الوجود " کا غلبہ ہے لہٰذا لوائح جامیؒ کے بعض مقامات خاصے محلِ غور ہیں۔

(فاران نومبر ۱۹۵۶ء)

ذہین شاہ صاحب کو کون سمجھائے کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین اور دوسرے صوفی بزرگوں کی وہ تحریریں جو انتہائی نازک کمال درجہ کی پیچیدہ بلکہ خطرناک

ہیں اور ان کا اظہار نہ کوئی دینی ضرورت ہے اور نہ دنیوی ضرورت ہے۔ ان کو اردو میں منتقل کر کے وہ ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔

(فاران ۵۶ء)

نتائج :-

جامی علیہ الرحمتہ جن پر بقول "فاران" وحدت الوجود کا غلبہ ہے اور ان کی کتاب لوائح جامی جو بقول "فاران" معانی اور غوامض کے اعتبار سے بہت ادق ہے اور جس کے بعض مقامات خاصے محل غور ہیں۔ معطلہ کے عقائد سے لائحہ شانزدہم کو تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ کامیاب مفید کارنامہ اور بڑے کام کی چیز ہے اور مدیر تاج کلام صوفیانہ کا ترجمہ کریں تو فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے یا للعجب اس کی نہ دینی ضرورت نہ دنیاوی ضرورت جیسا آدمی ویسی بات تبصرہ نگاری کی دیانت سے زیادہ تعلقات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

اہانت رسول

(۱) قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ما شاء اللہ - اے محمدؐ آپ کہدیجئے کہ میں نہیں مالک اپنے برے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ۔

(۲) قل لا املک لکم ضرا و لا رشدا - اے محمدؐ آپ کہدیجئے میرے اختیار میں نہیں۔ تمہارے نقصان و ضرر اور نہ راہ پر لانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر اللہ کی بارگاہ میں اور تقرب کس کو حاصل ہو سکتا ہے جب حضور کے اختیارات قدرت کی یہ کیفیت ہے تو پھر دنیا میں وہ کون سا اللہ کا چہیتا ہے جو کائنات میں مختار و متصرف ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس جگہ اہل بدعت کی طرف سے ذاتی اور عطائی کی تفریق پیدا کی جاتی ہے۔ مگر اس خیالی شیش محل پر بھی قرآن بھرپور

ضرب لگاتا ہے۔ (۳) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ۔ محمد آپ کہدیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی خدا کے دیئے ہوئے خزانے نہیں ہیں تو پھر ان لوگوں کو جو حضورؐ کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہیں ہم کس طرح داتا مالک ومختار اور شہنشاہ ہفت اقلیم مان لیں۔ (فاران)

تاج :۔

تینوں آیتوں کا مطلب عناد رسول کی وجہ سے وہ نکالا گیا جس سے اہانتِ رسول اللہؐ ہوتی ہے۔ آپ کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہ ہونا۔ آپ کا مطلقاً صاحب تصرف، صاحب اقتدار ہونا کھلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لوگوں کو ادھر لانے کا اختیار بھی نہ ہونا بھی واضح کیا گیا ہے۔ اہل عیار مسلمان پڑھ لیں اور اس بددینی اور بے حیائی کا اندازہ کر لیں جو اس مودودیت کے مبلغ و داعی مدیر "فاران" کا حصہ ہے پھر یہ معذوری اور ڈھٹائی کہ۔

" ہماری تحریر میں کوئی معنوی قرینہ، اور صرف اشاریت اس بات کی نہیں نکلتی کہ ہم خدا نخواستہ معجزے اور کرامات کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں۔"

دروغ گویم بر روئے تو کا مصداق نہیں تو کیا ہے؟

جب ذاتی اور عطائی کسی قسم کا کوئی اختیار، تصرف اور مقدرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی تسلیم نہیں اور کوئی تسلیم کرتا ہے تو وہ اہلِ بدعت ہے اور قرآن بقول "فاران" اس خیال پر بھرپور ضرب لگاتا ہے تو مطلع صاف ہو گیا۔ دیکھیے اس سے زیادہ صاف اور صریح الفاظ میں تصرفات واختیار

سیاہ کا انکار اور بھی ممکن ہے۔

(اختیارات و تصرفات کے علاوہ اور معجزات کیا ہیں۔؟

خزائن اللہ | اوتیت مفاتیح خزائن الارض مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ اس حدیث مبارکہ کی تاویل کرتے ہوئے

مدیر فاران کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین اسلامی مقبوضات میں آنے والی تھی اس کی پیشینگوئی ہے چونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے خزانے حضورؐ کے پاس نہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں حدیث پیش کی گئی جس میں واضح طور پر دئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہونا بالوضاحت موجود ہے پھر بھی وہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں شاید وہ اس کے بعد اپنی مجرمانہ ضد سے باز آجائیں۔

اعطیت الکنزین الاحمر والابیض (اخرجہ مسلم عن ثوبان)

یعنی مجھے دو خزانے سرخ (سونا) اور سفید (چاندی) عطا فرمائے گئے۔

(۲) اللہ یعطی و انا قاسم (۳) اوتیت مفاتیح کل شیئ

اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے والوں کا یہ ابلیسی طریقہ فکر ہے کہ جو ارشادات خاصانِ خدا نے تواضعاً تعلیماً فرمائے ہیں، ان ارشادات کو ان کی بے اختیاری اور بے اقتداری کے ثبوت میں بطور حجت پیش کرتے ہیں (پناہ بخدا پناہ بخدا)

غیر مقلدیت | دین کے معاملہ میں جب یہ صورت پیش آئے کہ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو اور دوسری طرف کسی بزرگ کا معمول تو غیرتِ ایمانی کا یہ تقاضہ ہے کہ سنتِ رسول پر ہی عمل کرے معیارِ حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ (فاران ص ۳۸ نومبر ۵۶ء)

تاراج | غیر مقلدیت کا یہی مسلک ہے (وہ تراویح کی نماز کو عمرؓ کی بدعت کہتے ہیں۔ علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الراشدین المہدیین۔

خلفاء الراشدین سے زیادہ کون مزاج شناسِ دین ہوگا۔ کون متبع سنت ہوگا؟ صحابۂ کبار سے زیادہ سنتِ رسولؐ کو کیا مدیر فاران سمجھ سکتے ہیں؟ الصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم میں یہ اعلان موجود ہے کہ صحابہ کی اقتدار میں مغفرت ہے۔

مسلمان لکھ لیں کہ مدیر فاران کا مسلک کیا ہے نہ وہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی، نہ خلفائے راشدین کا متبع نہ اصحاب کبار کا پیرو۔ یہ صرف مودودی صاحب کے اندھے مقلد ہیں اُن کے چند فقرے رٹ لئے ہیں انکو اپنی تحریر و تقریر میں بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ غیر مقلدیت کا یہ اعلان بھی لکل مودودی صاحب کی ہم نوائی ہے۔ انداز بیان بھی کتنا ملتا جلتا ہے، ملاحظہ ہو یہی مضمون مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کی انتخابی مہم میں موجود ہے:۔

اگر صحابۂ کرام یا بزرگان سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اسکے رسولؐ کے صاف صاف احکام دوسری طرف تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ کہ خدا اور رسولؐ کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانونِ زندگی قرار دیں۔"

(ترجمان القرآن ص۳۲۸)

ماڈرن اسلام آف مودودی کی یہ وہ چند خصوصیات ہیں جو تاریخ اسلام میں انقلابی دعوت کے نام سے پکاری جائیں گی جہاں انھیں لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقطوع النسبت کرنا ہوتا ہے تو اللہ میاں کے مقابلے میں رسولؐ کو اللہ کے حریف کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جہاں ان کو بزرگانِ دین اور صحابۂ کبار کی تنقیص و توہین کرنا ہوتی ہے تو اس کام کے لئے اللہ اور رسولؐ کا محاذ ایک طرف فرض کرتے ہیں اور اس کے مدمقابل صحابۂ کبار اور اولیاء اللہ کا محاذ فرض کرتے ہیں۔ پھر دونوں میں مقابل بھی نہیں، تعارض فرض کرتے ہیں اور پھر

یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ ہم تو اللہ اور رسول کی طرف ہیں اور صحابہ کبار و بزرگانِ دین کے حزبِ مخالف ہیں اس طرح وہ دین میں پارٹی پالٹکس کی شیطانی پالیسی پر عمل پیرا ہیں کہیں اللہ تعالیٰ کا اس کے رسولوں سے مقابلہ بتایا جاتا ہے کہیں اللہ رسول کے ارشادات ایک طرف اور صحابہ کبار و بزرگانِ سلف کا عمل دوسری طرف یاد کرایا جاتا ہے۔

صحابہ کرام و بزرگانِ دین کو اللہ اور رسولؐ کے صاف اور صریح احکام کا نہ صرف مخالف بلکہ حائل ہو کہا جا رہا ہے۔ اس سے بڑی کوئی توہین صحابہ کبارؓ اور بزرگانِ دینؒ کی تصور میں نہیں آسکتی ہے (خدا کی پناہ ہزار بار خدا کی پناہ) اگر ان لوگوں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوتو صحابہ کبار اور بزرگانِ سلف کے جوتوں کی خاک کو بھی اپنے علم و تحقیق کے سرمہ سے زیادہ بصیرت افروز سمجھیں۔ چہ جائیکہ ان کو خدا اور رسولؐ کے صاف و صریح احکام کے خلاف عمل پیرا ہونے والا سمجھیں۔ صحابہ کبار اور بزرگانِ دین پر خدا اور رسولؐ کی مخالفت کا الزام عائد کرنے سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ اپنی بے بصیرتی اور کم علمی کا اعتراف کیا جائے اور اپنی پرخود غلط مجتہدیت کو ملزم تسلیم کیا جائے۔ زعمِ اجتہاد کو ذرا نیچا دیکھنے دیا جائے۔

اغناہم اللہ و رسولہٗ

پھر اغناہم اللہ و رسولہٗ سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماتے تھے۔ یا قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کو غنا اور آسودگی دینے کا منصب اللہ نے رسولؐ کے سپرد فرما دیا ہے (قاران)

تاج

"غنی" اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک کو اپنی صفتِ غنا میں شریک کیا ہے۔ صرف اس دنیا کے پردے پر ہی نہیں بلکہ تمام کائنات میں جہاں جہاں بھی اللہ کی صفتِ غنا کا ظہور ہو رہا ہے۔ مخلوق کو مال، دولت، آسودگی اور مایحتاج عطا ہوئی ہے۔ اور قیامت تک

عطا ہو گی۔ وہ سب عطیات اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی منسوب ہوں گے
یہ عطیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا مدیر فاران کی سمجھ میں
نہیں آتا۔ اسی طرح کفار کی سمجھ میں خدا کا عطا فرمانا بھی نہیں آتا وہ اپنی ذاتی جدو
جہد، کسب و اکتساب کو اپنی آسودگی اور مال و دولت کی علت سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ماہر صاحب کی توحید اس شرک کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی
کہ وہ صفاتِ الٰہیہ سے رسول کو موصوف سمجھیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ خود اللہ
تعالیٰ فعل "غنا" کو صرف اپنی ذات سے مخصوص نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے محبوب رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی فعل "غنا" کا فاعل ارشاد ہوتا ہے۔ مدیر فاران کی سمجھ میں قرآن
کی یہ صراحت نہیں آتی تو رسول کا نام اس آیت سے حذف کر دیں۔ آخر
اسلامی انقلاب اور تجدید کے کچھ روشن کارنامے بھی تو ہونے چاہئیں۔

ان "توحید خالص" کے مدعیوں کو کون سمجھائے کہ یہ پوری کائنات ارض و
سماوات لوح و قلم عرش و کرسی شمس و قمر شجر و حجر بحر و بر خشک و تر جن و بشر حضر و
سفر غرضیکہ تمام مخلوقات کا وجود صدقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود
باجود کا آپ اصل عالم و آدم ہیں اگر اصل معدوم ہو تو فرع معدوم ہو جائیں آپ
ہیں تو سب کچھ ہے۔ آپ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

ابن تیمیہ کو رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ اکبر حضرت محی الدین
ابنِ عربی کے نام مبارک کے ساتھ رحمتہ اللہ علیہ حذف فرما کر مدیر فاران
نے دینی تقاضہ ادا کیا اور پھر اپنے پیشوا ابنِ تیمیہ کے عقائدِ فاسدہ
کو اپناتے ہوئے اہانتِ رسول کا ارتکاب دلیری سے کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق وہ تکلیف دہ تہمت جس

منافقین نے ایذائے رسول کا اہتمام کیا تھا، مدیر فاران نے دہرایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "علم" کو معرض بحث میں لاتے ہوئے لکھا۔

وحی کے آنے تک حضور شدید اضطراب میں رہتے ہیں۔ ورنہ اتنے دن مضطرب رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضور تہمت کی افواہ سنتے ہی فرما سکتے تھے کہ میں نبی ہوں۔ اور نبی کے سامنے مشرق و مغرب کے احوال و مقامات منکشف ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عائشہؓ اس تہمت سے پاک ہیں،

(فاران نومبر ۵۶ء ص ۳۵)

حضورؐ کو علم غیب تھا یا نہیں اس پر ایک عرصہ سے بحث چلی آتی ہے۔ بڑی بڑی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں غیر مقلدین اور وہابیوں کا یہی عقیدہ ہے جو ماہر صاحب نے ظاہر کیا ہے۔ دلیل بھی یہی "تہمت" ہے جو ماہر صاحب نے پیش کی ہے۔

ہم یہاں صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین کا طرز عمل بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ قارئین کو اختیار ہے کہ وہ مدیر فاران کو قبول کریں یا صحابہ کبار کو مقتدا بنائیں۔

صحابہ کبار تمام امور علمیہ میں اکثر یہی عرض کرتے تھے۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ آپ سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اعلم افعل تفضیل کا صیغہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر صحابہ کرام اس صفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موصوف فرماتے ہیں۔

"حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کو میرے لئے اٹھایا تو سات اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔"

اس حدیث کی توضیح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد عبارت ہے تمام علوم کلی اور جزوی کے حاصل ہونے پر اور ان کو احاطہ فرما لینے پر۔ یہ توضیح اس حدیث کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب میں نے جان لیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان جو پرندہ پر مارتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حال سے ہمیں خبر دیدی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ہر شے بیان فرمادی کبھی مفصل کبھی مجمل، امام احمد قسطلانی "مواہب" میں فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو اس سے زیادہ اطلاع بخشی اور حضورؐ پر اوّلین و آخرین کے علوم منکشف فرمائے۔

امام بوصیری اور امام ابن حجر مکی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام قاضی، علامہ قاری، علامہ منادی نے "تیسیر" شرح جامع صغیر امام سیوطی میں فرمایا ہے کہ جب پاک روحیں جسمانی تعلقات سے آزاد ہوتی ہیں تو عالم بالا سے مل جاتی ہیں تو ان کے لیے کوئی پردہ نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی اور سنتی ہیں جیسا کہ سامنے سب کچھ ہو رہا ہے۔

ابن حجر مکی نے "مدخل" اور امام قسطلانی نے "مواہب" میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں کچھ فرق نہیں۔ حضورؐ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضورؐ پر بالکل روشن ہے کوئی پوشیدگی نہیں،

قرآن میں ہے انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً

یعنی اے نبیؐ ہم نے تمہیں حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے۔

کتاب "شفا" میں علامہ عیاض نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب خالی گھروں میں جاؤ جن میں کوئی نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو۔ علامہ علی قاریؒ جو مشہور محدث ہیں۔ اس کی شرح میں سلام پیش کرنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ آپؐ کی روحِ پاک تمام مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مدارج النبوت میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں آدمؑ سے لے کر صور پھونکنے تک جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر ظاہر کر دیا۔ یہاں تک کہ اوّل سے آخر تک تمام احوال آپ نے جان لئے آپ تمام اشیا کو جانتے ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ، افعالِ الٰہیہ اور اسرارِ الٰہیہ کا اور تمام علوم ظاہر، باطن، اوّل و آخر کا آپؐ نے احاطہ فرما لیا۔ اور ہر علم والے سے اوپر علم والے ہو گئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں۔

"مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی سے اس کا فیضان ہوا کہ بندہ کس طرح اپنے مقام سے مقامِ قدس تک ترقی کرتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ معراج کے واقعے نے آپ نے اس کی خبر دی۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضور اپنے غلاموں کو بھی ایسے علوم سے نوازتے ہیں جس سے سب کچھ روشن ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہابیہ خود حضورؐ کے علم میں شبہ کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک۔

صورتِ آدمؑ قدرت کا شاہکار ہے فطرت کا ایک نقشِ جمیل ہے۔ صفاتِ خلاقی کا بہترین نمونہ اور تخلیقی کارنامہ ہی نہیں بلکہ جیتی جاگتی منہ بولتی تصویر ہے۔ شاہدِ غیب نے اس قدِ آدم آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھا

کھل کر دیکھا۔ سامنے آکر بے حجاب ہو کر دیکھا یہ دیکھا کہ وہی دیکھ رہا ہے اور وہی دیکھا جا رہا ہے۔ وہی شاہد ہے۔ وہی مشہود ہے۔ جمال و جلال کمال کی جو صورت تصویر علم ازلی میں کھینچی ہوئی تھی۔ غیب کے خزانوں میں چھپی ہوئی تھی۔ خاک پر اس کا خاکہ بنایا گیا۔ نوری مخلوق سے کہا گیا۔ میں نزول کو عروج سے نوازنا چاہتا ہوں پستی کو بلندی سے ہم دوش ہم آغوش کرنا چاہتا ہوں۔ زمین پر اپنا جانشین قائم مقام نمائندہ بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں اس کو دیکھ کر فرش والے عرش والے کو جان جائیں۔ اس کو دیکھ کر میں یاد آؤں۔ اس کو جاننے سے میں جانا جاؤں۔ اس کو پہچاننے سے میں پہچانا جاؤں۔ فرشتوں کے سامنے آدم کا نقش ناتمام تھا۔

ملائک متحیر ہوئے کہ پیکر خاکی مظہر پاکی کس طرح ہو گا؟ خاک تیرہ آئینہ انوار کیونکر ہو گی؟ کثافت کو لطافت سے کیا واسطہ؟ ضعیف کو قوی سے کیا نسبت؟ بندہ خدا کا نمائندہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ کمزور انسان وہ بار امانت کس طرح اٹھائے گا؟ جس کو زمین و آسمان نہ سہار سکے۔ فرشتوں نے علیم کے سامنے علم پیش کیا۔ انسانی کمزوریاں بیان کیں۔ اسی پر بس نہیں کیا۔ اپنے تقدیس کے دعوی کو بڑھایا۔ بارگاہ الٰہی سے فرشتوں کی تادیب ہوئی "مقام آدم" کا علم تم کو نہیں ہم کو ہے۔ شرف انسانی کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ ہمارے علمی خزانے میں کیا کیا صورتیں ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو؟ فرشتوں نے لاعلمی کا اعتراف کیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ ملائکہ کی فطرت بعض اسمائے الٰہیہ کی مظہر ہے مثلاً سبوحٌ قدوسٌ اس لیے وہ خدا کی تقدیس و تسبیح انہی ناموں سے کرتے بھی اور انہی ناموں کو جانتے بھی تھے۔ مگر آدم کی طرف تمام اسمائے الٰہیہ متوجہ تھے اس لیے اس کی فطرت تمام اسمائے الٰہیہ کی مظہر واقع ہوئی تھی

اور اس طرح وہ تمام اسمائے الٰہیہ کا عالم تھا۔ آدمؑ کے اس شرف پر فرشتے سر بسجود ہوئے۔ اس سجدہ میں تعمیلِ حکم بھی تھی۔ اور اعترافِ برتری بھی مگر ابلیس نے سر تسلیم خم نہ کیا، جھکنے کے بجائے سرکشی اختیار کی۔ شرفِ انسانی کے رد و قبول کا یہ سلسلہ آدمؑ سے تا ایندم بدستور جاری ہے۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں میں بھی ملائکہ اور شیاطین کی امتیازی خصوصیت نمایاں ہے۔

ہر کرا او در دے بہبود نداشت
دیدنِ روئے نبی سودے نداشت
دید بوجہل و پیمبر را بگفت
زشت نقشے کز بنی ہاشمؐ شگفت

(۱) مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ شقی ازلی ہیں ان پر فلاح و بہبود کے دروازے بند ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر بھی فیضیاب ہونے سے محروم ہی رہے (۲) ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر یہ کہا کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی بدصورت نہیں ہو سکتا (معاذ اللہ) یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور آپ کے روئے مبارک کو دیکھکر آپکے جمالِ حق نما کی تعریف کی آپنے فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق تم سچ کہتے ہو۔ اس کے بعد ابوجہل حاضر ہوا اور آپ کو بدصورتی کا طعنہ دیا تو اس کے جواب میں بھی آپ نے صدقت فرمایا۔ یعنی اے ابوجہل! تم سچ کہتے ہو۔ سوال پیدا ہوا کہ صدیقؓ کی بھی آپ نے تصدیق فرمائی۔ اس کا جواب آنحضرتؐ نے کیا دیا مولانا سے سنئے۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ترک و ہندو در من آں بیند کہ اوست

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے آئینہ بنایا ہے دیکھنے والا اپنی ہی صورت مجھ میں دیکھتا ہے۔ ابو بکرؓ نے اپنے حسن و جمال، خط و خال کا میرے آئینہ میں مشاہدہ کیا اور ابو جہل نے اپنے بھونڈے ناک نقشے اور گھناؤنی صورت کا اس ہی آئینہ میں معائنہ کیا۔ دونوں نے اپنے آپ ہی کو دیکھا۔

نظر اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

اولیاء اللہ اور اعداء اللہ

اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصّلوٰۃ والتسلیم جن مصائب میں گرفتار رہی ہے ان مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو اسلام کے نام پر مسلمانوں پر طرح طرح سے مسلّط ہے۔

مشہور ہے کہ ابلیس بڑا عبادت گذار تھا، روئے زمین کا کوئی چپّہ نہ تھا جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو، مگر جب حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کیا جائے تو اس حکم کے مقابلہ میں اس نے انکار کر دیا وہ لاتعداد سجدے اکارت گئے عبادتیں رائیگاں ہوئیں، کثرتِ عبادت اور کثرتِ سجود کا تقاضا تو یہ تھا کہ نفس میں تذلّل وانکسار، عجز ونیاز پیدا ہو، مگر ہُوا یہ کہ فطرت ابلیسی میں غرور وپندار، انانیت ورعونت، صالحیت وبرتریت کے جراثیم پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ بارگاہِ ربّ العزت میں انکار واستکبار کے ساتھ انا خیر منہ کہا، اپنی برتری کے دعوے کو بڑھایا۔ خلقتنی من نارٍ وّ خلقتہٗ مِن طین احتجاجاً کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ میں روشن ہوں وہ تاریک ہے۔ یہی مکابرہ آدم سے تا این دم ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔ حق وباطل کا وہ معرکہ جو آدم وابلیس سے شروع ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل پر ختم نہیں ہوا، تا قیامت جاری رہے گا۔

حضرت آدمؑ کا ابلیس دشمن تھا، نوحؑ کی قومِ نوح دشمن تھی، حضرت داؤدؑ

کے زمانہ میں جالوت کا طالوت دشمن تھا حضرت سلیمانؑ کا صخر دشمن تھا۔ حضرت موسیٰ کا فرعون دشمن تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کا بخت نصر دشمن تھا حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نمرود تھا۔ حضرت ختم المرسلینؐ کے مقابلہ میں ابوجہل تھا۔

حضرت ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے دشمنان موجود ہیں۔ عتبہ عبید بن عمر کا ایک دشمن تھا جب آپ پاس سے نکلتے تو وہ تھوکتا۔ عبداللہ ابن عمر کو مرائی منافق کہنے والے لوگ موجود تھے۔

حضرت ابن عباس کا دشمن نافع بن ارزق تھا۔ ہمیشہ آپ کا مذاق اڑاتا تھا کہ آپ بغیر جانے بوجھے قرآن کی تفسیر فرماتے ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص کو اکثر جہال کو فہ ستایا کرتے تھے حالانکہ آپ عشرہ مبشرہ میں سے تھے لیکن حضرت عمر سے شکایت کی کہ آپ اچھی طرح قرآن مجید نہیں پڑھتے ہیں۔

ائمہ مجتہدین کے مصائب بھی پوشیدہ نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ حضرت امام شافعیؒ کو اہل عراق و مصر نے کیا کیا اذیتیں پہنچائیں؟ حضرت امام حنبلؒ کو ستایا گیا۔ ایذا دہی و تشدد وغیرہ کے دلخراش واقعات کسے معلوم نہیں؟ امام بخاری کو لوگوں نے کتنی ایذائیں پہنچائیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی، احمد بن خلکان اور شیخ عبدالغفار قوسی وغیرہ ثقات کا بیان ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو ستر بار بسطام سے نکلوایا گیا۔ اس میں کچھ نا سمجھ عالموں کا ہاتھ تھا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کو ہاتھ پاؤں باندھ کر مصر کے گلی کوچوں میں آپ کا جلوس نکالا گیا۔ زندیق زندیق کہتے ہوئے لوگوں کے جتھے آپ کے پیچھے

پیچھے چلے جاتے تھے۔ اظہار وحدت الوجود کے آپ ملزم تھے۔"

حضرت سمنون محب تستری ایسے بزرگ کو لوگوں نے بدنام کیا۔ ایک عورت کو روپیہ دے کر لوگوں نے آپ کی بدنامی پر آمادہ کیا۔ آپ اس وجہ سے سال بھر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری کو لوگوں نے خارج البلد کیا۔ آپ اپنے شہر سے بصرہ میں نکال دیئے گئے۔ امامت اور بزرگی کے باوجود ان کو لوگوں نے کافر بنایا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے گھر واپس نہ آئے بصرہ ہی میں رہے اور بصرہ ہی میں انتقال ہوا۔

حضرت ابوسعید خراز علیہ الرحمۃ کو بڑے بڑے گناہوں سے مطعون کیا گیا چند الفاظ کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں پائے گئے تھے آپ پر کفر کا فتوے دیا گیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے اکثر کفر کی گواہی دی۔ جب وہ علم توحید بیان فرماتے تھے تو آپ کی تکفیر کو لوگ "دین" سمجھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے مجبور ہو کر گھر کے تنگ و تاریک گوشہ میں قیام فرمایا۔ اور وہاں اسرار توحید بیان فرمانے لگے اور اسی حالت میں آپکا انتقال ہوا۔ حضرت جنید، رویم، سمنون، ابن عطاء اور مشائخ عراق کا ابن دانیال سخت دشمن تھا۔ یہ ان لوگوں پر بڑے بڑے بہتان باندھتا تھا۔ تہمتیں لگاتا تھا اور جب کبھی ان مشائخ کبار کا وہ ذکر سنتا تھا تو اسکا چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا تھا۔

حضرت محمد بن الفضل بلخی کو لوگوں نے بلخ سے نکالدیا۔ ان کا مذہب اہلحدیث کا تھا وہ آیات صفات اور اخبار الہٰی کو بلا تاویل ظاہر معنی پر حمل کرتے تھے اور جو معنی اس کے علم الہٰی میں ہوں اس پر ایمان رکھتے تھے۔

جب لوگوں نے ان کو شہر بدر کرنا چاہا تو فرمایا کہ تم جب تک میرے گلے میں رسی باندھ کر شہر میں نہ پھراؤ گے اور یہ اعلان نہ کرو گے کہ یہ بدعتی ہے، اس کو ہم شہر بدر کرتے ہیں۔ اس وقت تک میں شہر سے نہ نکلوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بازاروں میں آپ کو ذلت و رسوائی کی حالت میں آپ کا جلوس نکالا جا رہا تھا۔ آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے اہل بلخ! اللہ نے تمہارے دلوں سے اپنی معرفت نکال لی۔ بلخ کسی زمانہ میں صوفیوں کا مسکن تھا اور وہ سب یہی کہتے تھے جو میں کہتا ہوں ان میں سے کوئی بھی نکالا گیا مگر میں آج نکالا جا رہا ہوں۔

حضرت ابوعثمان مغربی کو مکہ معظمہ سے لوگوں نے نکال دیا۔ حالانکہ وہ بڑے مجاہد بڑے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ کی پشت پر تازیانے مارے گئے۔ اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کی گئی اور مکہ معظمہ سے نکال دیا گیا، فواد آکر رہے اور وہیں وصال ہوا۔

امام ابوبکر نابلسی کے فضل و کمال اور استقامت فی الدین کا شہرہ ملک مغرب سے مصر تک تھا۔ آپ کو زندیق کہہ کر بدنام کیا گیا۔ بادشاہ سے کہہ کر آپ کو الٹا ٹانگ دیا گیا اور کھال کھنچوائی گئی۔ جس وقت کھال کھینچی جا رہی تھی تو یہ خشوع و خضوع سے تدبر و تفکر کے ساتھ تلاوت قرآن فرماتے جا رہے تھے قریب تھا کہ اس صدمہ سے لوگوں کے قلوب پاش پاش ہو جائیں اور خلق میں ہنگامہ برپا ہو جائے۔

اسی طرح شیخ لیمیؒ کی کھال کھنچوائی گئی اس وقت آپ توحید کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ عین اسی حالت میں آپ نے پانچسو اشعار برجستہ تصنیف کئے اور پوست کھینچنے والے کو دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے۔

حضرت ابومدین کو بھی لوگوں نے بدنام کیا۔ زندیق کہا۔ شہر بدر کیا۔ آپ کو قہستان بھیج دیا گیا۔ وہاں انتقال کیا۔
شیخ ابوالحسنؒ کو لوگوں نے ملک مغرب سے مصر میں نکال دیا اور سب نے بالاتفاق ان کے زندیق ہونے پر گواہی دی۔ مگر اللہ نے ان کو بچایا۔
عزالدین بن عبدالسلام کو سب لوگوں نے کافر کہا اور بادشاہِ وقت کو انکی مخالفت پر آمادہ کیا۔
حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ پر لوگوں نے کفر کی گواہی دی اور پاگل خانہ میں آپ کو بھیج دیا گیا۔ تاکہ لوگ آپ سے نہ ملیں ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مدتے معکوس باشد کار ہا	شحنہ را دزد آورد بردار ہا
چون سفیہان را بود کار و کیا	لازم آمد یقتلون الانبیاء
چونکہ حکم اندر کفِ زندان بود	لاجرم ذوالنون در زنداں بود
چوں قلم در دست غدارے بود	لاجرم منصور بردارے بود

اس دور میں بد اعتقادوں کا حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ حضرت قطب عالم شاہ صوفی عبدالرحمن لکھنویؒ سے یہی معاملہ ہو تو کیا تعجب ہے۔

فقہ جدید

سانچے میں ڈھالنے کی اصطلاح آج کل زوروں پر ہے۔ غیر مسلم مفکرین اس فکر میں ہیں کہ مسلمانانِ عالم کی زندگی کو کس طرح موجودہ حالات کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ اسی طرح مسلم مفکرین اس دُھن میں لگے ہوئے ہیں کہ زمانہ اسلام کے سانچے میں ڈھلنے کو آمادہ نہیں ہے تو آیئے اسلام ہی کو موجودہ زمانے کے سانچے میں ڈھال دیں "تو با زمانہ بساز" کے زرین اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنائے زمانہ اسلام پر اس دورِ کس مپرسی میں طرح طرح سے احسان فرما رہے ہیں، تاکہ اسلام کو مزاج شناسِ زمانہ ہونے کی توفیق حاصل ہو۔

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق؟

آج کسی غیر مسلم کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ داتا گنج بخش، غریب نواز، غوث اعظم، علی مشکلکشا ایسے بزرگانِ دین کی شان میں گستاخی کرے یا توہین آمیز مضمون شائع کرے۔ دنیا میں جب کبھی ایسا ہوا ہے مسلمانوں نے پرجوش احتجاج کیا اور اس قسم کا گستاخانہ لٹریچر دریابرد ہو کر رہا مگر پاکستان میں خود مسلمان اس خدمت کو کارِ خیر سمجھ کر انجام دے رہے ہیں اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" کا اس سلسلے میں نام لیا جاتا ہے اور ان کے لٹریچر میں آپ کو وہ سب چیزیں مل سکتی ہیں جو غیر مسلم کی طرف اگر منسوب ہوں تو ان کو مسلمان جلا کر مانیں مگر چونکہ یہ سب کام اسلام کو موجودہ زمانہ کے مطابق

زمانے کے نام سے ہو رہا ہے۔ اس لئے غریب مسلمان اسلام کی شکست و ریخت کا خاموشی سے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

انکار حدیث کی مہم بھی مودودیت سے دو قدم آگے ہی ہے اسکا نصب العین بھی یہی ہے کہ اسلام کو ماڈرن اپ ٹو ڈیٹ لباس میں لا کر حکومت کی کرسیوں پر بٹھایا جائے۔ تفسیر، فقہ، حدیث، اقوال و افرات کے جھمیلوں میں مسلمان کیوں پڑیں، قرآن کافی ہے۔ مگر قرآن کافی ہونے کے کیا معنی ہیں؟ یہ ان لوگوں سے پوچھیئے جو خود کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ وہ آپ کو بتائیں گے کہ قرآن کا مطلب جو اگلے زمانے کے مسلمانوں نے سمجھا وہ غلط تھا۔ آج کل کا ترقی یافتہ دماغ قرآن کو ان سے بہتر سمجھتا ہے۔ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں، پانچ وقتوں کی نماز قرآن سے ثابت نہیں۔ نماز کی عام اجتماعی صورتیں قرآن سے ثابت نہیں، اور اسی قسم کے بیشمار حقائق قرآنی آپ پر پیش کئے جائیں گے۔

آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ موجودہ زمانے میں شراب نوشی فیشن بن چکی ہے۔ شراب ممنوع قرار دینے سے ہماری روشن خیالی، ترقی پسندی، پر حرف آئے گا، اور ہم ترقی یافتہ اقوام یورپ امریکہ وغیرہ کی نظر میں قدامت پسند رجعت پسند ثابت ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم دو طرفہ مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں، ایک طرف ہم غیر مسلم ممالک و اقوام کی نظر میں خود کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے ہیں، دوسری طرف پاکستانی مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان کہتے ہوئے نہیں شرم نہیں آتی۔ اسلئے شراب نوشی (ترک نماز وغیرہ کے جرائم جو ہماری عادت بن چکے ہیں اور جن کو عام مسلمان آج تک جرائم ہی سمجھتے ہیں) ان کو جرائم ہی کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ تو مسلم، غیر مسلم کے امتیازات ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس جو فہرست جرائم ہے وہ ناقابل ترمیم ہے۔ مگر اس کا ناقابل ترمیم ہونا

جن احکام الٰہی سے ثابت ہوتا ہے ان احکام کا مجموعہ قرآن ہے اس لئے قرآن بدلا نہیں جا سکتا۔ بدلا جا سکتا ہے تو اس طرح کہ اس کی تعبیر اجماع امت کے خلاف کی جائے چنانچہ مسخ قرآن کی یہ مہم بڑے زوروں سے جاری ہے۔ یہ ساری کوشش اتنی مقبول ہے کہ اسلام کو سانچے میں ڈھالنے والوں کا جو بورڈ حکومت نے بنایا ہے اس میں پرویز کا نام ہے۔ علماء اسلام احتجاج پر احتجاج کر رہے ہیں۔ مگر شنوائی نہیں ہوتی۔ اس منزل میں لوگوں کا یہ گمان کہ پرویزی تحریک حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی ہے کیا یقین سے نہیں بدل جائے گا۔

مودودیت اور پرویزیت کے بعد ایک متین اور سنجیدہ ادارہ "ثقافت" لاہور بھی تجدیدی فرائض انجام دے رہا ہے۔ یہ ادارہ پرانی فقہ کو نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق بنا کر دور جدید کے لئے جدید فقہ کی تدوین کا محرک ہے، بلکہ جدید فقہ کس طرح مرتب ہوتی ہے، اس کی داغ بیل ڈال کر دکھا رہا ہے۔

مثلاً شمارہ مارچ ۱۹۵۸ء میں ادارہ ثقافت لاہور نے دو اہم مسائل پر فقہی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ پہلا مسئلہ سود کے متعلق ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں کوئی کلیدی منصب سونپا جا سکتا ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلے میں کوشش کی گئی ہے کہ سود کی حرمت جو مسلمانوں کے ذہن میں قطعی طور پر ثابت ہے وہ قطعی نہ رہے، مذبذب ہو جائے۔ تجارتی دکاروباری سود کو حرمت کے دائرہ سے نکالنے کی جدوجہد بڑے سلیقے سے کی گئی ہے۔

دوسرے مسئلے میں قرآنی آیات سے پہلے تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس آیت کی رو سے کسی غیر مسلم کو اپنا رازدار بنانا ممنوع ہے (۳-۱۱۸) پھر کہا گیا کہ ہجرت کے سلسلے میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے ایمان لانے سے

پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے راز کی حفاظت کی۔ عبداللہ ابن اریقط جو مشرک تھا۔ اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا رازدار بنایا کہ فلاں دن غارِ ثور کے پاس سواریاں لے کر آجانا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غیر مسلم کو رازدار بنایا جا سکتا ہے۔

پھر دو مثالیں دی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ایک بدری صحابی حاطب ابن بلتعہ نے وہ راز فاش کر دیا جو مکے میں خفیہ داخلہ کے متعلق انکے علم میں تھا۔

دوسری مثال یہ پیش کی گئی ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق جو فیصلہ ہونے والا تھا وہ حاطب ابن بلتعہ کے دل میں راز نہ رہ سکا۔

ان مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ رازداری کا معاملہ ایسا ہے کہ بہت سے مسلمان راز اگل دیتے ہیں اور بعض غیر مسلم رازداری کا حق ادا کرتے ہیں۔

پھر نتیجہ نکالا گیا ہے کہ :-

پس جب اہلِ اسلام میں ایسے افراد ہو سکتے ہیں جن سے بعض راز فاش ہو جائیں، تو اہلِ کفر میں بھی ایسے لوگوں کا ملنا ممکن ہے جو رازداری میں وفادار ثابت ہوں۔

آخر میں پھر فیصلہ دیا گیا ہے

ایک قابلِ اعتبار غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں کوئی اہم منصب بھی سونپا جا سکتا ہے

کچھ شرائط عائد کی گئی ہیں۔ مثلاً تجربہ، قرائن، فراست مومنہ جن سے قابلِ اعتماد ہونا مشخص ہوتا ہے

ارادۃً یا اتفاقاً دو مثالیں ایسی دی گئی ہیں جن میں غیر مسلموں نے راز کی حفاظت کی ہے۔

اسی طرح دو مثالیں ایسی دی گئی ہیں جن میں مسلمانوں سے راز کی حفاظت نہ ہوسکی۔ پھر امکان کے لئے بحث کرکے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ بہت سے مسلمان راز کو اگل دیں۔

ممکن ہے کہ بعض غیر مسلم رازداری کا حق ادا کردیں۔

حالانکہ ممکن ہمیشہ دونوں متضاد جہات پر مشتمل ہوتا ہے، اس لئے جہاں ممکن ہے کہ بہت سے مسلمان راز کو اگل دیں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مسلمان بھی راز کو نہ اگلے اور جہاں یہ ممکن ہے کہ بعض غیر مسلم رازداری کا حق ادا کردیں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم رازداری کا حق ادا نہ کرے۔ امکان کی دونوں جہات عقل کے نزدیک مساوی ہیں کسی جہت کو بھی ترجیح دینے کی عقل کے پاس کوئی وجہ موجود نہیں ہے، مگر جب وحی الٰہی سے واضح ہوگیا کہ کسی غیر مسلم کو رازدار نہ بناؤ تو عقل کے نزدیک جو امکان کی دونوں جہات میں مساوات تھی وہ قائم نہ رہی۔ وجہ ترجیح حاصل ہوگئی

تعجب ہے کہ وحی کو چھوڑ کر تجربات، قرائن اور فراست مومنہ کے جھمیلوں میں پڑنے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔

تجربات ہر شخص کے مختلف ہوسکتے ہیں۔ ایک ہی شخص کسی کے تجربے میں اچھا کسی کے تجربے میں برا ثابت ہوسکتا ہے وہ حالات جن میں تجربہ ثابت ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں حالات کے ساتھ خیالات بدلتے رہتے ہیں، امکان کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

قرائن بھی عقلِ انسانی کی اصابت وعدم اصابت سے غلط اور صحیح زاویئے

رکھتے ہیں۔ علت سے جو معلول کا علم آتا ہے آثار سے جو مؤثر کا علم آتا ہے، اسباب سے جو مسبب کا علم آتا ہے وہ محتملِ صدق و کذب ہوتا ہے۔

فراست مومنہ۔ فراست مومنہ کی صورت کشف ہے، الہام ہے۔ یہ صاحبِ کشف و الہام کے لئے حجت ہے دوسروں کے لئے حجت نہیں۔ کیونکہ اسکو وحی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ کشف و الہام بعض اوقات غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ولی کے لئے عصمت شرط ہے۔

پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابیوں سے پیش کردہ مثالوں میں حفظ راز نہ ہو سکا تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کو رازدار بنانے میں فراست مومنہ کارفرما تھی؟ یا افشائے راز میں فراستِ مومنہ کا فقدان تھا؟ جب قرون اولیٰ میں فراستِ مومنہ کی مثالیں اس قسم کی ملتی ہیں تو آپ اس زمانہ میں فراست مومنہ سے کیا توقع رکھتے ہیں۔

آخر یہ دردِ سر مول ہی کیوں لیا جاتا ہے کہ صاف و صریح ارشادِ خداوندی کی موجودگی میں ہم تجربات قرائن اور فراست کے احکام بجا لائیں۔ حکم الٰہی مدینے میں وارد ہوا ہے۔ ہجرت کے واقعات مکی زندگی سے متعلق ہیں اسلئے حکم اور عمل میں تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ جزوی اور وقتی نوعیت کے معاملات ہیں۔ ان سے کلی اور دائمی حکم منسوخ یا مجروح نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ان روایات سے حکم الٰہی کو منسوخ کرنا مقصود نہیں ہے تو پھر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ حکم الٰہی سر آنکھوں پر مگر بندہ کرے گا وہی جو سمجھ میں آئیگا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ قرآن کی آیت جوں کی توں موجود بھی رہی اور یہ فیصلہ بھی صادر ہو گیا کہ اس قابلِ اعتماد غیر مسلم کو اسلامی مملکت میں کوئی اہم منصب

سو بنایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ غیر مسلم کو "قابلِ اعتماد" یا رازدار بنانے سے خدا نے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ مگر جبکہ خدا کے بندے ہندو مسلم حکومت بنانا چاہیں اور اس کی سند قرآن سے پیش کرنے کی آرزو رکھتے ہوں تو روایات پیش کرنے کے بجائے ادارۂ ثقافت کو مخلوط حکومت کی تائید میں یہ آیت قرآنی پیش کرنا تھی:

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ۔

رات میں دن کا، دن میں رات کا تو اتج۔ نور و ظلمت کفر و اسلام کا تواتج اللہ تعالیٰ کے روزمرہ میں داخل ہے۔

غیر اللہ کیا ہے؟

"غیر اللہ" کے معنی سمجھنے میں علماء ظاہر سے خطرناک اور فاحش غلطیاں ہوئی ہیں اس غلط فہمی کے نتائج امّتِ مسلمہ کی فرقہ بندیوں اور جماعت سازیوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، دوسری طرف علماء ظاہر کا پیش کیا ہوا اسلام چند ہیجان اور کھوکھلے عقائد و رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے۔ جس میں کوئی روح نہیں پائی جاتی۔

علماء ظاہر کے نزدیک موجودات کی تمام اقسام جمادات، نباتات، حیوانات اور ان کے بیشمار مظاہر سب "غیر اللہ" کے حکم میں داخل ہیں۔ عرش، فرش، زمین، آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب "غیر اللہ" ہے۔ باعتبارِ تنزیہہ یہ عقیدہ اپنی جگہ پر بالکل درست ہے کہ خدا جہات، سمات شکل و صورت، جسم و جسمانیت سے پاک ہے، مگر نیک نیتی کے ساتھ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو تنزیہہ میں محدود کر رہے ہیں۔ اور یہ بالکل اسی قسم کا جرم ہے جو ہندوستان کے پنڈتوں سے سرزد ہوا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پنڈتوں نے خدا کو تشبیہہ میں منحصر کیا تھا اور علماء نے خدا کو تنزیہہ میں منحصر کر دیا ہے لامحدود کو محدود سمجھنا مطلق کو مقید اعتقاد کرنا، یہی کفر و شرک ہے۔ خواہ محدودِ تنزیہہ میں مقید کیا جائے، یا حدود تشبیہہ میں مقید کیا جائے۔ خدا کو محدود کرنے میں پنڈت اور علماء دونوں برابر ہیں۔

کتاب و سنت میں دونوں گروہوں کے اعتقادات سے بیزاری کا اعلان صریح موجود ہے۔ ہم عام فہم انداز میں اس دقیق مسئلہ کو اس طرح دقیق بیان کر سکتے ہیں

کہ تنزیہ اور تشبیہ دونوں کسی حالت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتی تنزیہ میں تشبیہ ہے اور تشبیہ میں تنزیہ ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید میں آپ اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت کریں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (کوئی چیز اس کی مثل نہیں) یہ تنزیہ ہے اور وہ سَمِیْعٌ وَّ بَصِیْرٌ ہے یہ تشبیہ کا بیان ہے۔ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اللہ کے بندوں کے لئے مشاہدہ میں صرف دو ہی نسبتیں ہیں (۱) "تنزیہ (۲) تشبیہ۔

تنزیہ۔ تنزیہ کیا ہے؟ ــــ حق کی وہ تجلی ہے جو لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے انداز میں ظاہر ہے جس کی کوئی مثال کسی شے سے نہیں دی جا سکتی۔

تشبیہ۔ دوسری نسبت تشبیہ اس تجلی کو کہتے ہیں جو اِن اقوال سے ثابت ہے۔

(۱) اُعْبُدْ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ — اپنے رب کی اس طرح عبادت کر جیسے کہ تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔

(۲) وَھُوَ فِیْ قِبْلَۃِ الْمُصَلِّیْ — اللہ نمازی کے قبلہ میں ہے۔

(۳) اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ — تم جدھر بھی منہ کرتے ہو اللہ کا چہرہ ہے (ثَمَّ "ظرف ہے اور" وَجْہُ اللّٰہِ" (اللہ کا چہرہ) اللہ کی ذات ہے)

ان آیات اور احادیثِ مبارکہ میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں، اُن کا اطلاق انہی معنوں کے ساتھ مخلوقات پر ہوتا ہے اور خالق پر بھی ہوتا ہے۔ مواقع کلام میں اِن الفاظ کا اطلاق اپنے معنوں کے ساتھ نہ ہو سکتا، تو پھر سننے والوں کو اِن الفاظ کے سننے سے کیا فائدہ ہوتا؟ جبکہ وہ یہ نہ معلوم کر سکتے ہوں کہ ان الفاظ سے نہ جانے اللہ کی کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ الفاظ اپنے مشہور معنوں کے علاوہ کسی اور معنیٰ میں مستعمل ہوئے ہیں اور یہ کہ ان الفاظ سے کوئی ایسے

معنیٰ مراد ہیں جو اس محاورہ زبان کے خلاف ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف نازل فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے کہ ہم نے ہر ایک رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں بھیجا تاکہ وہ پیام رسالت اسی زبان میں سمجھا دیا جائے۔ معلوم ہوا رسول جو پیغام لایا وہ اپنی قوم کی زبان اور لغت ہی میں لایا تاکہ قوم پیغام کو سمجھ لے۔ اس کے برعکس کبھی کسی رسول نے اپنے پیغام کی ایسی شرح نہیں کی جو اس قوم کی لغت اور محاورات کے خلاف ہو، اس لیے وہ معنیٰ جو ان الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں، اور جن سے اللہ تعالیٰ نے خود کو نسبت دی ہے، ان کی تشریح ہرگز ایسے معنوں سے نہ ہوگی جس کو وہ اہل زبان نہ سمجھ سکیں جن کی زبان اور لغت میں وہ الفاظ نازل ہوئے ہیں پھر جو لوگ ان الفاظ کے معنیٰ اہل زبان کے مقررہ اصولوں کے خلاف مراد لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ یہ لوگ اللہ کے کلمات کو اپنے مقام سے ہٹاتے ہیں۔ (يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ) يُحَرِّفُونَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

یہ تحریف یہ بنائے مخالفت ہے اور یہ مخالفت بربنائے جہل، ان معنوں میں جو نسبت ہے، اس کی حقیقت پر مطلع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور سلفِ صالحین کا بالاتفاق یہی عقیدہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تنزیہہ و تشبیہہ کی دونوں نسبتیں شروع سے ہیں تو تمہیں اپنے قلب کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اپنی عبادت میں ان دونوں نسبتوں کا لحاظ لازم ہے۔

اہلِ کلام

اس سلسلے میں اہلِ کلام نے جو کچھ کہا ہے محض ان کی عقلی آرائیاں ہیں، ان کو یہ وہم ہوا ہے کہ نسبت تشبیہہ سے خلق اور خالق میں مشابہت لازم آتی ہے، حالانکہ یہ محض ان کی نادانی اور حقیقت سے بے خبری ہے

کیونکہ تشبیہ و تنزیہہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی یہی حق ہے مثلاً حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا یا جیسے قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ــــ اہل کلام اس نسبت کی حقیقت پر مطلع نہ ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس لئے ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے؟ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو تنزیہہ میں محدود سمجھتے ہوئے "مشابہت" کے وہم سے حدیث شریف کے یہ معنی مراد لئے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا گویا صورتہٖ کی ضمیر کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے آدم ہی کی طرف رجوع کر دیا۔ یہ دور از کار اور بے معنیٰ تاویل کے خوف سے اور اللہ کی نسبت تشبیہہ کو نہ جاننے سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح آیت قرآنی میں یَدَیْنِ یعنی دونوں ہاتھ سے دست قدرت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ "یَدَیْنِ" تثنیہ ہے اور دست قدرت واحد ہے ــــ اس طرح تثنیہ کی رعایت سے ایک نعمت کا ہاتھ، دوسرا رحمت کا ہاتھ قرار دیا جانا بھی درست نہیں کہ یہ دونوں چیزیں تمام موجودات کو عام ہیں۔ پھر اس تاویل میں آدم کے لئے کونسا شرف حاصل ہوا؟ حالانکہ قرینہ صرف شرف آدم کا اظہار ہے آدم کو شرف عطا کرنے کا قرینہ اس حال میں موجود ہے جبکہ ابلیس نے آدم سے اشرف ہونے کا دعا کیا تو اللہ نے فرمایا کہ (وہ آدمؑ) جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا (اس کو سجدہ کرنے سے (اے ابلیس) تجھ کو کس نے منع کیا؟ اس سے لازم آیا کہ "یدین" دونوں ہاتھوں سے وہ معنیٰ مراد ہونگے جس سے شرف آدم ظاہر ہو کیونکہ قرینۂ حال انہی معنوں کا طالب ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ خلق انسانی کی طرف تشبیہہ و تنزیہہ کی دونوں نسبتیں متوجہ ہوئیں تو اولادِ آدم کا ظہور تین کامل مرتبوں میں ہوا۔ گروہ اول وہ ہے جو ان دونوں نسبتوں کو جامع ہے۔ دوسرا گروہ، ذلیل

عقلی اور نظرِ فکری سے ان نسبتوں کے معنوں سے واقف ہے۔ تیسرا گروہ ہے جو محض وہ معنی مراد لیتا ہے جو معنی نازل شدہ الفاظ ان کو عطا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ چوتھا گروہ علمائے دین میں نہیں ہے پس

مقابلہ اور انحراف | مقابلہ یا انحراف صرف تنزلِ الٰہی کی جہت سے ہی ممکن ہے جو محض خیالی ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد میں ہے کہ اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس میں معبود کا مقابلہ ہے اور اس مقابلہ سے انحراف تنزیہہ ہے اور یہ انحراف متکلمین کو ہے اور یہ کہنا کہ وہ تشبیہہ سے محدود ہے یہ تنزیہہ سے انحراف ہے جو مجسمین سے منسوب ہے۔

سب سے زیادہ کامل وہ لوگ ہیں جو تشبیہہ و تنزیہہ دونوں کے قائل ہیں بندۂ کامل کی منزل تشبیہی اور تنزیہی نسبتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ جہاں ان دونوں نسبتوں میں سے ہر ایک کی نسبت خود اس کی ذات کے مقابل ہو ——

اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ناقابلِ تقسیم ہے اور جو ناقابل تقسیم ہے وہ تعریف سے بالاتر ہے۔ کیونکہ تقابل ہر نسبت کا ایک دوسری جداگانہ نسبت ہی سے ممکن ہے اور یہاں کوئی دوسری چیز نہیں صرف اسی کی ذات ہے جیسے جوہر۔ جو دو جوہروں یا دو جسموں کے درمیان ہو۔ ان میں سے ہر ایک مقابلہ میں صرف وہی امر ہے۔ جو ان کی ذوات کے فی ما بین مشترک ہے کیونکہ جو چیز تقسیم قبول نہیں کرتی وہ بحکم عقل دو مختلف جہات بھی نہیں رکھتی خواہ وہم سے اس کے خلاف متخیل کیوں نہ ہو۔

اسی طرح انسان اپنی حقیقت اور اپنے لطائف کے اعتبار سے ذاتِ حق کے مقابل ہے۔ باعتبارِ تنزیہہ حق ہے اور اس وجہ سے اللہ کے نزول کے یہ معنی ہیں کہ حق نے اس مرتبہ میں اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف فرمایا جن

تشبیہ موہوم ہوتی ہے۔ حالانکہ تشبیہہ تنزیہہ کے مقام میں ایک دوسری نسبت ہے۔ جس طرح "حق" ہر دو نسبتوں سے موصوف ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات اور احدیت میں یکتا ہے اور نسبتوں کے تعدد سے اس کی ذات کے متعدد ہونے پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ نہ اس کی ذات ان متعدد نسبتوں سے تقسیم پذیر ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بندۂ کامل کے لئے حق کے مقابلہ میں ان دونوں نسبتوں میں دو جہات مختلف نہیں ہیں۔ یہ مقابلہ دراصل حق سے حق کی کثیر نسبتوں کا ہے اور تمام کثرت انھیں دو نسبتوں کی طرف راجع ہے جن کو تشبیہہ اور تنزیہہ کہا گیا ہے۔ اس لئے کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو نفس موصوف پر زائد ہو بلکہ ہر صفت، عینِ واحد ہے۔

ہمارا معدن ہمارا معدن کلی وجودی ہے اور ہمارا ظہور اس سے نسبتوں کے اعتبار سے ہوا ہے خود اس کے لئے اعیان نہیں ہیں کیونکہ حق کے لئے ایک عین ہے بندہ کا عین علمی یا ثبوتی ہے وجودی نہیں ہے اس لئے بندہ کا عین اپنے معدن سے باہر نہیں آیا اور اپنے اصلِ معدن یعنی علم حق سے وہ جدا نہیں ہوا۔ لیکن حق نے اس کو لباس وجود پہنا دیا ہے اس لئے اس کا ظاہر اپنے "باطن" کا وجود ہے اور اس کا وجود اپنے موجد کا عین ہے۔ پس سوائے حق کے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ عالم ظہور میں کوئی غیر حق نہیں ہے اور بندہ کا عین اپنی اصلیت پر باقی رہ گیا نہ بندہ کو اپنی ذات کا علم ہے، نہ اس حقیقت کا علم ہے جس نے اس کو خلعت وجود پہنایا۔ لیکن اس نے اپنی امثال کی معرفت سے استفادہ کیا۔

اس عالم میں بعض نے محض عالم کو دیکھا تو اپنے رب کے وجود سے عینیت کی نسبت میں دیکھا پس جس نے اپنی ذات میں خدا کی آنکھ سے نظر کی اور کوئی اعتبار قائم نہیں کیا اس نے ایسی چیز سے انحراف کیا جس سے اس کو انحراف لازم

نہ تھا، ایسا بندہ عین حق میں جہل سے موصوف ہے۔ اور اس حال میں اس صفت کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد ہوگا۔ کہ وہ صفت وجود سے موصوف ہی نہیں ہوا کیونکہ جہل ہی کا نام عدم ہے۔

اہل مشاہدہ (۱) جس نے اپنا مشاہدہ یہ بیان کیا کہ مَا رَأَی اِلَّا اللّٰہ اللہ ہی نے اللہ کو دیکھا۔

(۲) دوسری معرفت وہ ہے جس میں عارف یہ کہتا ہے کہ میں آنکھ بند کئے بیٹھا رہا مگر جب آنکھیں کھولیں تو میری نظر کسی چیز پر بھی نہیں پڑی فَمَا رَأَیْتُ اِلَّا اللّٰہ سوائے خدا کے میں نے کچھ نہیں دیکھا یعنی میں نے غیر اللہ کو نہیں دیکھا کثرتِ اشیاء کے اعیان اپنی جگہ ہونے ہوئے بھی معرفت حق پر ہرگز ہرگز اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۳) تیسری معرفت وہ ہے جس میں عارف کہتا ہے (مَا رَأَیْتُ شَیْئًا) میں نے کوئی شے نہیں دیکھی (۴) معرفت وہ ہے جس میں عارف کہتا ہے کہ میں نے کوئی شے نہیں دیکھی مگر یہ کہ میں نے اس شے سے پہلے اللہ کو دیکھا یہ مشاہدہ تجدیدی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شے سے پہلے اللہ کو دیکھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس شے کے بعد میں نے اللہ کو دیکھا اس شے میں اللہ کو دیکھا اس شے کے پاس اللہ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ

ان معارف کا نتیجہ تحدید ہے اور یہ تنزلیہ نسبت ہے جس کو تشبیہ کہتے ہیں حقیقتاً یہی معارف اعلیٰ ہیں جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے کہ بندہ کا اصل کو دونوں نسبتوں کے درمیان اپنا مقام رکھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اب رہے وہ معارف جو نسبتِ تنزیہی سے حاصل ہوتے ہیں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ نہ وہ عبارت میں آسکتے ہیں نہ کوئی اشارت ان کی طرف

صحیح ہو سکتی ہے ۔ لبس معرفت کا انحصار تین باتوں میں ہے ۔

(۱) معرفت تنزیہہ (۲) معرفت تشبیہہ و تجاریہ (۳) وہ معرفت جو تجھکو اپنے مقام سے ان دونوں نسبتوں کے مابین عطا ہو وہ تیرے وجود کا عین نہیں ہے مگر یہ تیرا عین ہے ۔ تیرے وجود کا عین تو وجود حق ہے اور وجود حق کو تجھ سے نسبت نہیں دی جا سکتی ۔

ان حقائق کی روشنی میں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ یعنی غیر اللہ کا مفہوم سمجھنے میں علماء ظاہر سے نہایت خطرناک اور فاحش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ۔ وہ نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے سے قاصر ہیں ، کہ وجود حقیقی صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے ۔ غیر اللہ کا وجود حقیقی نہیں حکمی اور اعتباری ہے ۔ اس وسیع کائنات میں ایک ذرہ کے متعلق بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ذرہ اپنے وجود کے احاطہ میں اللہ کے ذاتی احاطہ سے باہر ہے جو ایسا کہتا ہے وہ خدا کے واجب تعالیٰ کا منکر ہے اس کو تجزیے منسوب کرتا ہے ۔ غلو ئے ذات محال ہے ــــ پھر جو یہ کہتا ہے کہ اللہ نہیں ہے یہ ذرہ ہی ذرہ ہے وہ کافر مطلق ہے ــــ جو یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے اللہ ہی اللہ ہے اس نے اللہ کو جانا پہچانا اور مانا ــــ اللہ کو جاننے کے یہ معنی ہیں کہ تم غیر اللہ کو نہ پہچانو ۔ یہی کمال عرفان ہے ۔

اللہ کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ تم غیر اللہ کو نہ مانو ۔ یہی کمال ایمان ہے ۔

مگر یہ علم ، عرفان ، ایمان اللہ کے خاص بندوں کے ساتھ خاص ہے ، ہر دور میں انسانوں کی کثرت حقائق سے لاعلم رہی ہے (اَکْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ) اس لئے ہر دور میں علم ، عرفان ، ایمان کی باتیں کم کہی گئیں ، کم سنی گئیں ، کم مانی گئیں کہا جاتا ہے کہ ان باتوں کو منوا لینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار

بنی وقتاً فوقتاً دنیا میں بھیجے اور اس کرۂ ارض پر بسنے والی انسانی آبادی کے نام ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر قوم میں اپنا پیغام بھیجا۔ مجھے جانو۔ مجھے پہچانو۔ مجھے مانو۔ ہر نبی کا اپنی امت سے یہی مقولہ رہا۔

یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہ۔ اے قوم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں ہے۔

یہاں تک کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے اور آپ نے تمام نوعِ انسانی کو قیامت تک کے لئے اللہ کا آخری پیغام سنا دیا۔

اُمرتُ اَن اُقاتل النّاس حتّیٰ ان یقولوا لا الٰہ الا اللہ۔ ہم اس پر مامور ہیں کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک وہ یہ نہ کہدیں کہ اللہ ہی اللہ ہے۔ یہ کلمہ طیبہ خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے باہم خطِ امتیاز کھینچتا ہے۔

کفر و اسلام میں یہی کلمہ فارق ہے جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو آپ سب سے پہلے یہی کہیں گے سچے دل سے کلمہ پڑھ لو۔ کلمہ طیبہ پڑھتے ہی آپ اس کو مسلمان ہو جانے کی مبارک باد اور اہلِ ایمان ہونے کی بشارت دیتے ہیں، جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ پہلے پہل یعنی آغازِ خطاب ہی کلمۂ توحید سے ہوتا ہے اسلام کے حصار میں داخلہ کی شرطِ اولین یہی ہے۔ میدانِ جنگ میں آپ کافروں سے جہاد کر رہے ہیں، عین اس وقت جبکہ آپ کی تلوار کسی کافر کا رشتۂ حیات قطع کرنے والی ہے وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا اس کو قتل کر دیں گے نہیں۔ آپ تلوار میان کریں گے۔ بھائی کی طرح اس کو سینے سے چمٹا لیں گے، حالانکہ چند لمحات پہلے آپ اس کے خون کے پیاسے تھے، اس پر اب آپ اپنا خون چھڑکنے کو تیار ہوں گے۔ اس کی جان، اس کا مال، اس

عزت و آبرو آپ آپ پر حرام ہو جائے گا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ غور کرو۔

ابھی اس نے قرآن نہیں پڑھا۔ احادیث کا علم حاصل نہیں کیا۔ فقہ نہیں سیکھی۔ وہ نہیں جانتا نماز کیا ہے؟ کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اس میں کیا کیا پڑھا جاتا ہے۔ قیام، قعود، رکوع، سجود۔ استقبال قبلہ۔ نیت۔ تحیت۔ سلام، تعدد رکعات، فرض۔ سنت۔ نفل۔ غرضیکہ تمام تفصیلات سے وہ لاعلم تھا۔ اسی طرح روزہ۔ حج و زکوٰۃ وہ نہیں جانتا کہ ارکان دین میں سے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کی منزل تو ابھی بہت دور ہے پھر کیا وجہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہی اللہ کے قلعہ میں اس کا بے روک ٹوک داخلہ ہو جاتا ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن عذابی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میرا قلعہ ہے جو میرے اس قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

ہونا تو یہ چاہیئے کہ جو شخص داخل اسلام ہونا چاہے پہلے اس کو اسلام سے واقف کیا جائے۔ خدا کی ذات و صفات کے متعلق کچھ سوجھ بوجھ دی جائے، رسولوں نبیوں، صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحوں کے مسائل معلوم ہوں۔ محرمات، منہیات کی فہرست اور اچھے کاموں کا پروگرام اس کو بتا دیا جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا ہوتا یہی ہے کہ ادھر کلمہ پڑھا اور ادھر مسلمان ہو گیا۔ آخر کلمہ پانچ ارکانِ دین میں سے ایک رکن ہی ہے۔ یا پورا دین یہی ہے۔ پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے غیر مسلم پر مسلمان ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اور غیر مسلم ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ اسلام پانچ چیزوں پر مبنی ہے کلمہ شہادت[۱]۔ دوئم نماز قائم کرنا سوئم و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان (متفق علیہ) زکوٰۃ دینا۔ چہارم حج۔ پنجم رمضان کے روزے۔

پھر جس طرح داخل اسلام ہونے میں اس کلمہ کا اعتبار ہے اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے وقت بھی جب سفر زندگی ختم ہوتا ہے۔ تو ایک مسلمان مسافر کے لئے منازل آخرت میں بہترین زادراہ یہی کلمہ طیبہ ہے۔ آخری سانس لینے والے کا آخری کلام یہی کلمہ طیبہ ہو تو وہ مسلمان مرا۔ اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا۔

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی کلمہ طیبہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اور کلمہ طیبہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ زندگی کے اوّل و آخر میں ظاہر و باطن میں کلمہ طیبّہ ہی کا اعتبار ہے — یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو شخص کلمہ طیبّہ کا سچے دل سے قائل ہو گیا مسلمان ہو گیا۔ اگر وہ ایمان لانے کے فوراً بعد مر گیا۔ درحالیکہ وہ باقی ارکان دین کو بجا لانا تو درکنار جان بھی نہ سکا ہو تو بھی وہ مسلمان مرا۔ برخلاف اس کے فرض کیجیے ایک شخص دین اسلام کے متعلق علم حاصل کرتا ہے۔ کتاب وسنت کے مطالعہ میں عمر صرف کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان معلوم کر لیتا ہے بظاہر نماز پڑھتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے۔ حج کرتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے مگر عقیدہ میں فساد ہے۔ کلمہ طیبّہ کا صدق دل سے قائل نہیں ہے تو کیا اس کے اعمال ذرہ برابر بھی کارآمد ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں کہ منافقین نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے۔ غرض کہ تمام امور دینی میں مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے۔ مگر ان کے تمام اعمال اکارت گئے صرف اس وجہ سے کہ صدق دل سے کلمہ گو نہ تھے — ثابت ہوا کہ ایمان ہی وہ اساس ہے جس پر اعمال کی عمارت کھڑی ہوتی ہے جہاں بنیاد نہیں عمارت کہاں؟ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ایمان کا دارومدار کلمہ طیبّہ پر ہے۔ یہ کلمہ دو حکم پر مشتمل ہے۔ پہلا حکم سلبی ہے دوسرا ایجابی۔ رسلب غیر اللہ پر واقع ہوگا اور ایجاب اللہ پر واقع ہوا۔ تمام امت کے نزدیک کلمہ طیبّہ دافع اشراک ہے۔ مشرکین اگر دو خدا مانتے ہیں تو دو خدا نہیں ہو سکتے۔ تعدّو

خدا سمجھتے ہوں تو سو خدا نہیں ہو سکتے خدائے وحدہ لاشریک مشرکین کے اقوال افعال، خیالات و اعتقادات سے بری ہے۔ پاک ہے۔ بلند ہے۔ برتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کسی کے دو سمجھنے سے دو، تین سمجھنے سے تین اور تین سو ساٹھ سمجھنے سے تین سو ساٹھ خدا نہیں ہوتے تو ہم کہتے ہیں کہ شرک حقیقتاً ممتنع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک قرار دینے کے کیا معنے ہوئے ـــــ اگر مشرکین کے خداؤں کا لاتعداد لشکر اکیلے خدا پر چڑھائی کر کے عرش پر قابض و متصرف ہو جائے یا کسی باہمی جنگ و صلح کے نتیجے میں خدائی اختیارات آپس میں تقسیم ہو جائیں تو شریک باری تعالیٰ بھی کوئی حقیقتاً کہلا سکتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا عقل و نقل اس امر پر متفق ہیں کہ واجب ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ ذات واجب الوجود باری تعالیٰ عز اسمہٗ ہے اس کے سوائے جو کچھ ہے وہ ممکن ہے۔ ممکن واجب کے قبضہ قدرت میں مقہور و مغلوب ہے ممکن کا کوئی وجود نہیں۔ وجود اصلی واجب کا ہے دھوپ کا کوئی وجود نہیں اصلی وجود آفتاب کا ہے چاندنی کوئی وجود نہیں رکھتی چاند ہے تو چاندنی ہے چاند نہیں تو چاندنی بھی نہیں۔ مخلوق کوئی وجود نہیں رکھتی۔ وجود حقیقی کا فیضان ہی تو ہے اگر یہ نہیں تو مخلوق بھی نہیں ـــــ "مشرکین" بہت سے خداؤں کے قائل ہوں تو ہوا کریں" خدائے واحد ان کے بہت سمجھنے سے بہت نہیں ہو جاتا۔ اس لیے مشرکین کا گمان کثرت، اور مشرکین کے مفروضہ خداؤں کی کثرت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ خدائے واحد و قہار تمام کائنات پر مشرکوں پر مشرکوں کے خداؤں کے خداوں پر خالق و حکمراں ہے لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا۔ اگر زمین و آسمان میں معبودین غیر اللہ ہوتے تو زمین و آسمان فاسد ہو جاتے۔ حالانکہ لاتعداد معبودین باطلہ موجود ہیں۔ مگر زمین و آسمان فاسد نہیں ہوئے معلوم ہوا کہ وہ مظاہر الٰہی جنکو

مشرکین غیر اللہ سمجھ کر پوجتے ہیں حقیقتاً غیر اللہ نہیں ہیں ورنہ فساد لازم آتا مشرکین کا یہ زعم کہ ان کے دیوتا اور معبود اصنام وغیرہ خدا کے مغائر کوئی وجود رکھتے ہیں۔ یہی گمان مدار شرک ہے غیر اللہ کے وجود کا عقیدہ غیر اللہ کی موثریت کا موثر ہے۔ اور غیر اللہ کی موثریت کا عقیدہ ہی شرک وکفر کا مربی ہے۔

حقیقت شرک

جبکہ شرک حقیقتاً ممتنع ہے تو پھر مشرکین کو مشرکین کہنے کی کیا وجہ ہے؟ — اس کا جواب اس کے سوائے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مشرک اس خدائے واحد کو جو وجوب اطلاقی اور امکان تعینی کو جامع ہے اپنے زعم میں کیثر خیال کرتا ہے۔

ذات وصفات الٰہی میں وحدت کا اثبات صرف مومن باللہ ہی کر سکتا ہے جو نفس و آفاق میں نہ غیر اللہ کو جانتا ہے، نہ پہچانتا ہے، نہ مانتا ہے۔ ایک ایسی حقیقت ہے جو کبھی دلنشیں نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ دامن دل، ماسوا اللہ کے گرد و غبار سے پاک وصاف نہ ہو۔ مشرکین کے خیال میں خالق کائنات نہیں، کائنات موجود ہے۔ اس کائنات میں ان گنت چیزیں موجود ہیں، ہر چیز میں گوناگوں تاثرات موجود ہیں، ہر چیز ایک جداگانہ رسم کے ساتھ موجود ہے، ہر شے جداگانہ افعال خواص، آثار، اور احکام رکھتی ہے۔ اس لئے وہ حواس خمسہ جو اس عالم محسوسات کے زندانی ہیں، صورت اشیاء میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور حقیقت اشیاء کی راہ ان پر نہیں کھلتی — اللہ تعالیٰ غیور ہے، یہ غیرت الٰہی ہے کہ ایک حقیقت کے چہرہ پر رنگ برنگ صورتوں کے نقاب ڈال دیئے ہیں تاکہ نامحرم کی آنکھوں کے سامنے حقائق بے نقاب نہ آنے پائیں — شرک امر وجودی نہیں، عدمی ہے، اسی لئے قرآن نے شرک کو زعم، افک، اختلاف۔ افتراء، بہتان — وغیرہ ایسے کلمات سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا وجود صرف خیالی اور وہمی ہو سکتا ہے، مگر کوئی وجودی حیثیت

نہیں رکھتے، بلکہ محض سلبی اضافت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ٥ (الانعام) جس دن ہم ان سب کو محصور کریں گے اور مشرکوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے مزعومہ شریک کہاں ہیں۔

ثابت ہوا کہ شرک مشرک کی ذہنی اور خیالی کیفیت کا نام ہے مگر جبکہ موقف حساب میں شرک پر احتساب ہوگا اور مشرکین کو فرد جرم سنائی جائیگی کہ وہ تمہارے "خیالی شریک" کہاں ہیں تو مشرکین جواب میں قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم مشرکین میں سے نہیں تھے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام) ممکن نہیں کہ قیامت کے دن جبکہ انسانی اعضاء جوارح سچی شہادت ادا کرنے پر مامور ہوں گے۔ تو مشرکین خدا کے سامنے، خدا کی جھوٹی قسم کھا کر، جھوٹا بیان دیں، علم الٰہی میں ان کا مشرک ہونا ثابت ہوا اور وہ اپنی براءت ظاہر کریں گے۔ اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا۔ مشرکین پر آخرت میں جب یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ حقیقتِ واحدہ کائنات کے بے شمار مظاہر کی صورت میں جلوہ فرما تھی اور مشرکین اپنے زعم سے تعدد میں گرفتار رہ کر وحدت سے محجوب رہے مظاہر پرستی میں مبتلا ہو گئے تو وہ قسم کھا کر عرض کرینگے کہ ہم مشرکین میں سے نہیں تھے۔ اس اعتبار سے معبودان باطل بھی بعض صفاتِ الٰہیہ کے مظہر تھے، مگر ہم ان کی طرف جہت حق سے متوجہ نہیں ہوئے بلکہ ان کو غیر حق سمجھ کر ہم نے جہت باطل کو مرکز توجہ بنایا اور یہ گمان کیا کہ خدا کے سوائے کوئی اور معبود بھی موجود ہے۔

آخرت میں جب حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آئیں گے تو یہ کھل جائیگا کہ مشرکین نے جہاں جہاں خدا کی نفی اور غیر اللہ کا اثبات کیا تھا۔ حقیقت حال اُلٹ

کے خلاف تھی، اوّل، آخر، ظاہر، باطن، اللہ ہی اللہ تھا اس وقت مشرکین اپنے آپ کو جھٹلائیں گے (اپنی کیفیات نفس کی خود تکذیب کریں گے اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (الانعام) (ترجمہ) دیکھئے کس طرح اپنے نفس پر جھوٹ عائد کیا اور کھو گئیں ان سے وہ باتیں جو تراشتے تھے — مطلب یہ ہے کہ جاہل نے جس قدر خدا، گھڑے ہیں، وہم نے پیکر تراشی کی ہے۔ توحید سے اعراض کر کے کثرت میں الجھ کر خیالِ غیریت کی پرستش کی ہے۔ عالمِ آخرت میں مشرکین کا مشاہدہ ان کے عقائد باطلہ کی تردید کر دیگا۔

تفہیم القرآن غیر اللہ کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے مودودی صاحب نے انبیاء صالحین کی جناب میں ترک ادب کیا ہے اور حقائق سے لاعلمی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے جہاں انھوں نے آیت مندرجہ ذیل کی ترجمانی کی ہے، اِنَّ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَّمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ مودودی صاحب نے حکم لگایا ہے کہ انبیاء و صالحین مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا مصداق ہیں۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اقوال جمہور مفسرین سے ثابت ہے کہ اس آیت میں "من دون اللہ" سے مراد لکڑی، پتھر کی مورتیاں ہیں (ملاحظہ طلب تاج ستمبر ۱۹۵۶ء و جنوری ۱۹۵۷ء) ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و صالحین ہی نہیں بلکہ کوئی مسلمان بھی من دون اللہ کے حکم میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ہمارا یہ دعویٰ از روئے قرآن کریم ثابت ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْکُمْ وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً وَّاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (التوبہ رکوع ۳) (ترجمہ) کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے ان سے جو لوگ لڑے

ہیں اور نہیں پکڑا انھوں نے سوائے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو خصوصی دوست، کارساز اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی اس قرآنی صراحت سے متعین ہو گیا کہ اللہ، رسول اور مومنین کو پکارنا وَلی قرار دینا منشائے الٰہی کے موافق اور مقتضائے ایمانی کے عین مطابق ہے۔ اہلِ ایمان آپس میں ایک دوسرے کے خصوصی دوست اور کارساز ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ از روئے قرآن ثابت ہے وَالمومنونَ وَالْمُومِنٰتِ بَعْضُھُمْ اَولِیَاءُ بَعْضٍ (التوبہ) اللہ تعالیٰ کا نام وَلی ہے مگر اس نے اپنے نیک بندوں کو بھی یہ نام عطا فرمایا تاکہ اسم وَلی کی حقیقت ظہور پذیر ہو ایسا نہیں ہے کہ خدا نے صفتِ ولایت میں شرک کی اجازت دی ہو بلکہ حقیقتاً وَلِی وَنَصِیر اللہ ہی ہے۔ مگر عادتِ الٰہیہ ہے کہ ولایت ونصرت کا ظہور ہمیشہ اولیاء اللہ کے دم قدم سے ہوتا ہے وَلَا یَجِدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا (النساء) ـــ اہلِ ایمان کے لئے اللہ وَلی ہے رسول ولی ہے اہلِ ایمان ولی ہیں اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (المائدہ آیت ۵۵) (ترجمہ) تمہارے ولی تو حقیقت میں اللہ اور اللہ کا رسول اور اہلِ ایمان ہیں

غیر اللہ کو ولی بنانا

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا . . . . . المائدہ آیت ۱۳ (ترجمہ) کیا میں غیر اللہ کو ولی مان لوں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں جہاں اللہ کے ساتھ رسول اور مومنین کو ولی تسلیم کیا گیا ہے وہاں رسول اور مومنین کی حیثیت "وَلی" ہوتے ہوئے "غیر اللہ" کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ غیر اللہ ہیں تو ایک جگہ غیر اللہ کو وَلی بنانے کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسری جگہ تہدید واقع ہوئی، تعارض ہوا، پھر یہ تعارض کیا کسی اور طریقے سے رفع ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے رسول اور مومنین کی ولایت کو اللہ کے اسم وَلی کا ظہور قرار دیا جائے اس طرح اگر اولیاء اللہ کو غیر اللہ سمجھا جائے تو قرآن شریف غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونیکا

اجازت نہیں دیتا اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا (الکہف رکوع ۱۹)

ترجمہ۔ کیا پھر بھی ان کافروں کا یہ خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز حاجت روا قرار دیں۔ ہم نے ان کافروں کی دعوت کیلئے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

اس آیت مبارکہ میں اللہ کے بندوں کو اولیاء قرار دینا کافروں کا مشغلہ اور جہنمی فعل قرار دیا گیا۔ مگر مِنْ دُوْنِیْ کی قید لگادی گئی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کافر خدا کے بندوں کو جہاں وَلِی قرار دیتے ہیں وہاں ان کو وَلِیِ حقیقی یعنی خدا کا غیر سمجھ کر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کفر و شرک ان کا یہی گمان غیریت ہے جو مظاہر الہیہ سے خدا کی نفی اور غیر خدا کے اثبات پر مشرک کو مجبور کرتا ہے۔ رہا اللہ کے بندوں کا اولیاء ہونا اعلان قرآنی کے مطابق مشہور و مسلم ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ پہلی آیت میں اللہ کے بندوں کو اولیاء قرار دینے والوں کے لئے کفر کا خطاب اور جہنم کی سزا بیان ہوئی ــــ دوسری آیت میں اولیاء اللہ کی شان و عظمت کا اعلان کیا گیا اور بہت سی آیت میں صراحت کی گئی کہ مومن ایک دوسرے کے وَلِی ہیں۔ غور کیجئے غیر اللہ کو وَلِی قرار دینے میں مسلمان اور کافر دونوں برابر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کافر اللہ کے اسم وَلی میں غیر اللہ کو شریک اعتقاد کرتا ہے اور مومن اللہ کے اسم ولی کی تجلیات کو اولیاء اللہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔

ثابت ہوا کہ شرک امر وہمی ہے۔ شریک باری تعالیٰ نفس الامر میں کوئی وجود نہیں رکھتا۔ صرف مشرک کے ذہن میں اور خیال میں موجود ہوتا ہے اس احول کی طرح جو ایک چراغ کو دو چراغ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

دو مبین و دو مگو و دو مخوان — خواجہ را در خواجہ خود محو دان

گر جدا دانی ازاں ایں خواجہ را — گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

قائل دوئی کو کلمۂ دوئی سے پرہیز لازم ہے۔ انبیاء اور اولیا کو ذات الٰہی میں سمجھنا چاہیے اگر کسی مظہر صفات کو تم نے ذات سے جدا سمجھا تو کتاب حقیقت کا متن اور دیباچہ دونوں ہی غائب ہو جائیں گے۔

مودودی صاحب نے انبیاء اور صالحین کو "اموات غیر احیاء" کا مصداق قرار دیا ہے حالانکہ (۱) حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ انبیاء زندہ ہیں (۲) شہداء زندہ ہیں بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون (۳) ادریس علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ زندہ اور باقی ہیں جو اس دنیا میں آسمان چہارم پر مقیم ہیں۔ یہ ساتوں آسمان بھی عالم دنیا ہی میں شامل ہیں اسی طرح حضرت الیاس اور حضرت عیسٰی علیہما السلام بھی اپنے جسم کے ساتھ اس دنیا میں زندہ ہیں۔ چوتھے رسول حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ ہمارے نزدیک نہیں اوروں کے نزدیک ان کا رسول ہونا مختلف فیہ ہے یہ سب اپنے جسموں کے ساتھ دنیا میں باقی ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چاروں اوتاد ہیں ان میں سے دو امام ہیں ایک قطب ہے جو اللہ کی نظر گاہ ہے یہ تاقیام قیامت دنیا میں باقی رہیں گے۔ ان میں جو قطب ہے وہ دین کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ وہی حجر اسود کا رکن ہے ان چاروں اوتادوں میں سے ایک سے اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت کا کام لیتا ہے دوسرے سے ولایت کی حفاظت کا کام لیتا ہے تیسرے سے نبوت کی حفاظت کا کام لیتا ہے چوتھے سے رسالت کی حفاظت ہوتی ہے اور ان سب سے بحیثیت مجموعی دین حقیقی کی حفاظت ہوتی ہے (فتوحات المکیہ ج ۲) ان شواہد کی موجودگی میں انبیاء اولیاء علیہم السلام

کو اَمْوَاتٌ غَیرُ اَحْیَاءٍ (مردے ہیں نہ کہ زندہ) کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے یہ خطرناک غلطی کی۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ بفرض محال انبیاء علیہم السلام (خاک بدہن گستاخ) مرکر مٹی کا ڈھیر ہو جاتے ہوں اور حیات انبیاء کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کے وہ منکر بھی ہوں تو کیا وہ منکر قرآن بھی ہیں؟ جو انبیاء کو بلا استثناء مُردوں کے حکم میں شامل کرتے ہیں؟ کم از کم جو انبیاء زندہ ہیں جن کو موت ہی نہیں آئی ان کو تو حسب اعلان قرآن مستثنیٰ قرار دیا جانا ضروری تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ مثلاً قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو قتل وصلیب سے بچا کر آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا اعلان موجود ہے، پھر اسی قرآن مجید سے عیسیٰ علیہ السلام کو اموات غیر احیاء "مردہ قرار دینا کس قدر غیر ذمہ دارانہ اور مجرمانہ حرکت ہے۔

اگر اَمْوَاتٌ غَیرُ احیاءٍ سے انبیاء مراد ہوں تو اللہ تعالیٰ سے یہ نسیان منسوب ہو گا کہ وہ نبیوں کے زندہ ہونے کا اعلان کر چکا ہے اسے بھول گیا (العوذ باللہ) کم از کم عیسیٰ علیہ السلام کو پکارنے والے تو اس آیت کے مخاطب ہو ہی نہیں سکتے کہ عیسیٰ علیہ السلام "اموات" میں شامل نہیں بلکہ ان کو لا یخلقون شیئ کا مصداق قرار دینے میں بھی آیات قرآنی مزاحم ہوتی ہیں۔ کیونکہ فعل خلق کا صادر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ازروئے قرآن ثابت ہے اِنی اخلق لکم کھیئۃ الطیر — ؛ غالی معتقدین جو عیسیٰ علیہ السلام کو مشکل کشا، فریاد رس داتا گنج بخش اور غریب نواز ہی نہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے — یا خدا کا بیٹا ہے — وہ اس آیت کے مفہوم سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ انبیاء کو بلا استثناء مودودی صاحب نے مُردے قرار دیا۔ اور یہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص مردہ قرار نہیں دے سکتا

اسی طرح انبیاء کو "اموات غیر احیاء" قرار دینے کے بعد کسی شئے کا خالق نہ ہونا جو نبیوں کی صفت قرار دی گئی ہے وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں باطل ہوئی، قرآن پر ایمان رکھنے والا ان آیات صریح کو جھٹلا نہیں سکتا جن میں عیسیٰ علیہ السلام کو صفت خالق سے موصوف کیا گیا ہے انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر، عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندہ کی صورت بناتا ہوں" فعل خلق کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مضاف فرمایا ہے۔ فعل خلق کا صدور جب عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام لا یخلقون شیٔ کے مفہوم سے عبارتاً خارج ہوئے اور جب ایک نبی اس کلیہ کی رو سے خارج ہو تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کا دلالتہً خارج ہونا لازم آیا لا نفرق بین احد من رسلہ ــ پس مودودی صاحب کی یہ تجویز کہ من دون اللہ سے مراد انبیاء اور صالحین ہیں باطل ہوئی ۔ اگر یہ باطل نہ ہو تو قرآن مجید کا جھوٹ ہونا لازم آتا ۔ کیونکہ بقول مودودی صاحب یہ انبیاء و صالحین (لا یخلقون شیٔ) کا مصداق ہیں۔ یعنی ان کے فعل خلق کا ظہور ممکن نہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ ابھی آپ نے آیات قرآنی سے معلوم کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے (خلق طیر) یعنی پرندوں کا پیدا کرنا ثابت ہے۔ پھر صفت خلق جس سے ظاہر ہو وہ (لا یخلقون شیٔ) کے حکم میں کس طرح داخل ہو سکتا ہے؟ اور کلام الٰہی میں "تضاد" اور "کذب" کوئی مسلمان کس طرح تسلیم کر سکتا ہے جو مودودی صاحب کی تجویز سے لازم آتا ہے۔

عقیدۂ آخرت

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اسلام اور کفر کے درمیان فارق کیا چیز ہے؟ تو میں بے تکلف کہوں گا کہ عقیدۂ آخرت فارق ہے۔ کیونکہ عقیدۂ آخرت پر ایمان نہ لایا جائے تو اللہ پر ایمان لانا۔ رسولوں پر ایمان لانا۔ فرشتوں پر ایمان لانا۔ آسمانی کتابوں پہ ایمان لانا۔ قدر خیر و شر پر ایمان لانا بیکار محض ہے۔ عقیدۂ آخرت کا کا انکار در اصل اللہ کا انکار رسولوں کا انکار، فرشتوں کا انکار، آسمانی کتابوں کا انکار ہے اور اس کا اقرار ان تمام اقراروں کو متضمن اور شامل ہے اس لئے عقیدۂ آخرت مومن و کافر کے درمیان بھی خطِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقیدے کے بعد عمل کو لیجئے۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ غرضیکہ تمام اعمال صالحہ بجا لاتا ہے۔ مگر فرض کیجئے وہ (بعث بعد الموت) یا عقیدۂ آخرت کا قائل نہیں تو کیا اس کے تمام اعمال صالحہ بیکار رہ جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ انکار آخرت کے بعد کوئی شخص مومن نہیں رہ سکتا کافر ہو جائیگا اور اگر یہ انکار اس لے ظاہر نہ کیا اپنے دل میں چھپائے رکھا اور مسلمانوں کے سے اعمال کسی مصلحت سے بجالاتا رہا تو وہ مسلمان نہ ہو گا، منافق ہو گا۔ قرآن گواہ ہے کہ منافقین، دینی فرائض کی بجاآوری میں مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے۔ گو دینی فرائض کی بجاآوری کے باوجود وہ مسلمان نہیں مانے گئے منافق ہی رہے۔

معلوم ہوا کہ عقیدے میں خرابی ہو تو اعمال کی ظاہری صورتیں خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں، رائی کے دانے کے برابر بھی ان کا وزن نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال صالحہ کی بجاآوری پر ایمان لانے کو مقدم رکھا گیا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ پہلے آمنوا ہے پھر عملوا الصّٰلحٰت۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فکر و نظر صالحہ نہ ہو تو کردار و عمل ہرگز صالح نہ ہوگا اسلام فکر و نظر کی صحت پر اعمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ عقیدہ کیا ہے ؟ فکر و نظر کی پختگی کا اصطلاحی نام ہے ___ اگر عقیدے کو بالغ نگاہی اور پختگی فکر کی تائید حاصل نہیں ہے۔ تو پھر وہ عقیدہ نہیں۔ ایک بے جان اسم ہے، ایک فرسودہ سا خیال ہے۔ اسی طرح اگر فکر و نظر اللہ کی رسّی سے بندھی ہوئی نہیں ہے۔ اور محض عالم محسوسات کی قید و بند میں جکڑی ہوئی ہے تو خام ہے، پختہ نہیں۔ فاسد ہے، صالح نہیں۔ سراب ہے، شراب کوثر نہیں۔

پس مومن کی فکر و نظر کو فراست مومنہ اور نور الٰہی سے ہم دوش و ہم آغوش ہونا چاہئے اور وہ جو خدا کے نور سے دیکھتا ہے اس کی نظر سے آخرت کس طرح اوجھل ہو سکتی ہے ؟ در اصل عقیدۂ آخرت وہ بنیادی پتھر ہے جس پر دین اسلام کی عالیشان عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر کوئی مواخذہ ہے نہ باز پرس، نہ سزا ہے نہ جزا ہے نہ حساب ہے نہ کتاب ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے نہ حشر ہے نہ نشر ہے۔ نہ عذاب قبر ہے۔

نزول قرآن کے وقت بھی وہ فکر و نظر جو محسوسات کی مقید تھی آخرت کی زندگی کا تصور قبول کرنے سے عاجز تھی اور حیرت و استعجاب کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ گلی ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کریگا (من یحی العظام وھی رمیم) اور آج بھی مادّی فکر و نظر اسی منزل میں ہے، مادہ پرستی کے فروغ و شیوع

کے اس دور میں بھی دوسروں سے زیادہ اپنوں سے شکایت ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مادہ پرستوں کے ہمنوا ہو گئے اور شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ یوں تو ہر زمانہ میں مادی فکر و نظر کو روحانی اقتدار کو سمجھنے میں اور ان کے نتائج کو تسلیم کرنے سے عار رہا ہے صرف یہ ہی نہیں بلکہ از آدم تا ایں دم ان دونوں میں نزاع و پیکار کا سلسلہ جاری ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ مگر عہد حاضر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادی فکر و نظر کا لشکر روحانی اقتدار کے قلعوں میں فاتحانہ داخل ہوتا چلا جا رہا ہے" مذہب کی بنیان مرصوص مادی افکار کی گولہ باری سے متزلزل ہو رہی ہے اور روحانی اقدار کی عرش بوس بردج مشیّدہ پر مادی فکر و نظر کے جھنڈے بلند کئے جا رہے ہیں تاکہ وہ دشمن کی یلغار سے محفوظ رہ سکیں۔ روحانی دنیا میں یہ احساس مرعوبیت، مذہب کی تنظیم جدید اور احیاء دین کا بھیس بدل کر ظاہر ہو رہا ہے۔ اس صدی میں جس قدر فرقے یا جماعتیں اسلام کی تجدید اور دین کے احیاء کے نام سے وجود میں آئیں ان کے فکر و نظر کا جائزہ لیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ وہ مفروریت ہیں جو حصار اسلام پر دشمن کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ آئے ہیں اور اب اپنی شکست خوردہ ذہنیت کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے دنیا جہاں کے مسلمانوں کو دشمن کے آگے سپر انداز ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

ماڈرن اسلام اپ ٹو ڈیٹ دین، دراصل مادّی فکر و نظر سے اس قسم کی مصالحت ہے۔ جس میں ہمارے مجدّدین نے مادیّت سے اس بات پر سمجھوتہ کر لیا ہے کہ ؎

زمن حذر نہ کنی گر لباسِ دیں دارم ۔۔۔ نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم

اس لفظ پر تجدید و احیاء دین اس چیز کا نام ہو گیا کہ اسلامی قالب میں مادی فکر و نظر کی روح سرایت کر جائے۔ قالب وہی ہے، قلب بدل جائے۔ لباس وہی رہے، ملبوس بدل جائے۔ مجاز وہی رہے حقیقت بدل جائے جسم وہی رہے، روح بدل جائے عقیدۂ آخرت کی تردید اور اس کی مخالفت میں بڑی بڑی حکومتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، ہندوستان کروڑوں روپے خرچ کر رہا ہے، ہندو دھرم کا پرچار، ست رھی، اور تصنیف و تالیف اور تعلیم کے تمام شعبے، "آواگون" یا تناسخ کے عقیدے کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح عقیدۂ آخرت کے خلاف عمل اور علمی جد و جہد جاری ہے۔ ہندوؤں کے بعد بدھ مذہب کے ماننے والوں کی غالب اکثریت دنیا بھر میں عقیدۂ آخرت کے خلاف سرگرم عمل ہے اور آواگون یا تناسخ کے عقیدے کی علمبردار ہے۔ اس کی تبلیغ و ترویج میں بے شمار دولت صرف کر رہی ہے۔

مذہبی دنیا سے نکل کر لادینی دنیا میں آکر دیکھئے۔ یہاں مذہب کا نام توہم پرستی ہے، اور بعد مرنے کے زندہ ہونا، قبر میں سوال و جواب۔ حشر میں حساب کتاب۔ عذاب، ثواب یہ سب باتیں یورپ، امریکہ اور ساری دنیا کے مادی فکر و نظر رکھنے والوں کے نزدیک نہ صرف عقل کے خلاف دور از واقعیت بعید از فہم ہیں۔ بلکہ توہم پرستی اور مضحکہ خیز تاریک خیالی ہے۔ غرضیکہ دنیا کی منظم اور طاقتور حکومتیں لامذہبیت اور لادینیت کی علم بردار اور عقیدۂ آخرت کو تاریک خیالی اور توہم پرستی سے زیادہ اور کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم بھی بے خبر اور کم نظر ہوتے تو ان اعتراضات سے مرعوب ہو لیے اور حجر اسود کو چومنا یا اس پر سجدہ کرنا چھوڑ دیتے۔ زیارت قبور سے باز آجاتے اور سمجھ لیتے

کہ واقعی جو لوگ مر گئے قبر میں ان کی ہڈیاں گل گئیں خاک ہو گئیں۔ ان کی قبروں پر جا کر یہ کہنا کہ اے قبر والو تم پر سلامتی ہو۔ (السلام علیکم یا اہل القبور السلام علیکم تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کہتا ہے۔ دوسرا مسلمان سلام کہنے والے کو جواب دینے پر مامور ہے جس طرح سلام کا جواب نہ دیا گیا ہے بالکل اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ مٹی کے ڈھیر سے یا قبر سے سلام کہا جائے اور قبر والے بھی مٹی کے ڈھیر ہوں تو ان سے بھی السلام علیکم کہنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مٹی کے ڈھیر میں سننے کی صلاحیت ہے نہ سن کر جواب دینے کی استعداد ہے ایسی صورت میں اہل قبور پر سلام بھیجنا فعل عبث ہے اور فعل عبث کی نسبت شارع علیہ السلام کی طرف لازم آئے گی خدا اس سے محفوظ رکھے۔ مگر مادہ پرستوں سے مرعوب و متاثر ہو کر مسلمانوں کے ایک گروہ نے پھر مان لیا کہ زیارتِ قبور، قبر پرستی ہے۔ وہ یہ بھی مان گئے کہ قبر میں گلی ہڈیوں کے سوائے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انھوں نے یہ بھی حکم لگایا کہ روحانی فیوض و برکات بھی کوئی چیز نہیں اہلِ قبور سے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ انھوں نے کہا کہ اکتساب فیض کی نیت سے جانا بھی شرک اور عقیدہ بھی شرک۔ حالانکہ یہ فتویٰ مادہ پرستانہ ذہنیت کا مظہر ہے اور خود شارع علیہ السلام کے ان احکامات کا ناسخ ہے جو زیارت قبور اور آداب زیارت سے متعلق ہیں۔ ان میں ایک حکم وہ بھی ہے جو ہم نے بتایا وہ یہ کہ اہل قبور سے کہا جائے۔ (السلام علیکم یا اہل القبور)

اس حکم سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ قبور صحیح سلامت، صاحبِ سماعت اہلِ ادراک ہیں۔ دعا سلامتی کو سنتے ہیں اور دعا، کے ساتھ ندا کو بھی سنتے ہیں، ورنہ صرف ندا کے ساتھ یا اہل القبور۔ تجویز نہ کیا جاتا۔

پھر کس قدر تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی امت کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ مسلمان کی موت اور زندگی میں زیارت قبر کے وقت کوئی فرق نہ کریں۔ بلکہ جس طرح زندگی میں بروقت ملاقات السلام علیکم کہا جاتا تھا اسی طرح بعد وفات بھی روحانی ملاقات یعنی زیارت قبور کے وقت "السلام علیکم" کہیں اور حرف ندا کے ساتھ اہل قبور سے خطاب کریں "یا اھل القبور" — اے قبروالو۔ مگر ہمارے مسلمان بھائی، اپنے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روشن تعلیم کے خلاف اہل قبور کو حرف ندا کے ساتھ پکارنا شرک بتائیں بلکہ ان کے نزدیک "السلام علیک یا رسول اللہ" کہنا بھی ندائے غیر اللہ اور شرک ہو۔ یا نبی سلام علیک کہنا بھی شرک ہو — اور یہ شرک جائز بھی ہو۔ اگر گنبد خضرا پر حاضری کے وقت ہی شرکیہ جملہ ندائے غیر اللہ والے وہاں دہرائے جائیں — یہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبد خضرا پر جب خطاب کیا جاتا ہے یا ندا کی جاتی ہے تو قرب مکانی کی وجہ سے آپ سن لیتے ہیں۔ اور دور دراز مقام سے بعد مکانی کی وجہ سے آپ نہیں سن سکتے اس لئے وہاں سے خطاب اور ندا جائز نہ ہوگی۔ ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ یہ قرب و بعد، غیب وحضوری کی نسبتیں خود تمہارے اپنے شعور کی کیفیات ہیں۔ ورنہ روح کیلئے قرب و بعد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ارواح مومنین کا عالم برزخ میں ہونا مسلم ہونے کے باوجود شارع علیہ السلام کا زیارت قبور کی ترغیب دینا اور بروقت زیارت السلام علیکم یا اھل القبور تعلیم فرمانا کیا اس حقیقت کو اظہر من الشمس کو ثابت نہیں کر رہا ہے کہ ع در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست۔

شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مقامات پر دیکھا، کہیں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

کہیں اپنی قبر میں نظر آتے ہیں، کہیں آسمان پر ملاقات ہوتی ہے۔ باتیں ہوتی ہیں خود معراج کا واقعہ زمان و مکان کی حدود و قیود اور قرب و بعد کی اعتباری نسبتوں کے خلاف ببانگ بلند اعلان بغاوت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ صاحب معراج کی امت میں ایسے افراد بھی ہیں جو روحانی تنزل کے اس مقام میں ہیں جہاں روح جسم بن جاتی ہے۔ اسی لئے وہ اس مقام کو جانتے پہچانتے بھی نہیں جہاں جسم روح بن جاتا ہے ——— جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:۔

اجسادنا ارواحنا ارواحنا اجسادنا۔ یہاں جسم و روح کا تفرقہ مٹ گیا یہ تنزل مادہ پرستی کی راہ سے آیا اور اس مادہ پرستی نے فرقہ ظاہری کو جنم دیا۔ جس نے اسلام کی تمام روحانی اقدار کو فنا کر دینے کا نام اسلام رکھ لیا۔ روحانی زندگی کا طرح طرح سے انکار کر دینا ان کے نزدیک ضروریات دینی میں سے ہے۔ وہ تمام باتیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے روحانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں ان کے نزدیک غیر مندوب اور غیر مستحسن ہیں۔ "زیارت قبور" "فاتحہ درود" ایصال ثواب۔ میلاد شریف، بزرگان دین کے اعراس ——— کیا ہیں؟ اسلاف سے روحانی زندگی کا اعتراف ہے۔ بزرگان دین کی حیات طیبہ اور ان کی اخروی زندگی کا اذعان ان امور میں مضمر ہے ——— عبرت اور تذکیر آخرت کیلئے یہ بہترین مواقع ہیں۔ مساکین اور فقراء کو ان مواقع پر کھانا کھلانا۔ بندگان خدا کو نفع رسانی ہے مگر یہ تمام امور انکے نزدیک ناجائز اور شرک بدعت ہیں۔ دراصل اس فتنے کی روشنی میں مادہ پرستانہ فکر و نظر کے خط و خال بدیہی طور پر روشن نظر آتے ہیں اور یہاں مادیت لباس دین میں جلوہ گر نظر آتی ہے مسلمان مشرک ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے غیر اللہ کی عبادت کرنیوالا مشرک ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور اسلام کی حقانیت ہے کہ ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قائل ہے۔ بڑے بڑے مولوی کی طرح یہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا

حدیث نبوی

بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے نزدیک تو صحیح ہیں مگر محدثین کے طریق پر وہ ثابت نہیں ہیں اس لئے وہ ان کو بطور حجت تسلیم نہیں کرتے۔ حدیث کی متداول کتابوں میں یہ احادیث نہیں ملتیں۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دعویٰ کسی محدث نے نہیں کیا کہ ان کتابوں میں تمام احادیث جمع کر دی گئی ہیں ان سے باہر کوئی حدیث نہیں ہے۔ نہ ایسا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کیونکہ بے شمار حدیثیں ان کتابوں سے باہر ہیں ـــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سی احادیث جو مشائخ اور صوفیا اور اولیاء اللہ اہلِ کشف کے یہاں ثابت ہیں وہ بطریق محدثین ثابت نہیں ہیں کیونکہ ان کے یہاں اسماء الرجال کا سلسلہ ہے اور ان کے یہاں اسماء الشیوخ کا سلسلہ ہے جو بمنزلہ سلسلۂ حدیث ہی ہے مگر محدثین کے یہاں متعارف نہیں ہے۔ اہل طریقت کے یہاں وہ سلسلہ متعارف اور مستند ہے اور مشائخ سلسلہ اسی طرح ثقات ہیں جس طرح راویان حدیث ثقات ہیں۔ پس جو احادیث سلاسل طریقت میں رائج و شائع ہیں انکی صحت میں وہی لوگ شبہہ کر سکتے ہیں جو طریق ولایت اور سلسلہ اولیاء اللہ کے منکر ہیں۔ حالانکہ اجماع امت اور براہین کتاب و سنت سے یہ چیزیں ثابت ہیں اور اولیاء اللہ کی صداقت ہر دور میں عالم پر آشکار ہوتی رہی ہے ان سے کرامتوں کا ظہور ان کے طریق ولایت پر اور ان کے سلاسل طریقت کی صحت پر حجت ہوتا رہے

"منکر ولایت" کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا اور اس لئے اولیاء اللہ کا منکر بھی کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا نہ اولیاء اللہ کے طریق کا منکر ہو سکتا ہے کیونکہ صراط مستقیم اسی طریق کا نام ہے جو اولیاء اللہ کا طریق ہے ان کے علاوہ دوسرا طریق اعداء اللہ کا ہے جو مغضوبین اور ضالین ہیں پس علم و ادب کا تقاضا اور ایمان کا مطالبہ یہی ہے کہ اولیاء اللہ کے طریق کو اختیار کیا جائے اور اعداء اللہ کے طریق مغضوبین اور ضالین کے لئے مخصوص چھوڑ دیا جائے۔ اھدنا الصراط المستقیم میں ہم شعوری و غیر شعوری طور پر اولیاء اللہ کے راستہ پر چلنے کی دعائیں مانگتے ہیں "ولی" مفہوم کلی کا اسم ہے، جو نبی، صدیق، شہید اور صالحین سب کو شامل ہے۔ کوئی نبی اس وقت تک نبی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ولی نہ ہو۔ اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اولاً اولیاء اللہ ہیں چونکہ نبی اللہ کا نام نہیں ہے اس لئے نبوت ختم ہو گئی اور چونکہ ولی اللہ کا نام ہے اس لئے ولایت باقی ہے اور باقی رہیگی کیونکہ خدا کی کوئی صفت کبھی معطل نہیں۔ پس ولایت صفت حق اور اولیاء اللہ صفت ولایت کے مظہر ہیں اس لئے اللہ کی قدرت، نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ایک ہی حقیقت کے تین رخ ہیں۔ دراصل ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مقام ولایت قرب الٰہی کی اس نسبت کا نام ہے جس میں بندہ مرضیات حق میں اپنی نفسانی خواہشوں سے الگ ہو کر حق کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

اصطلاح میں اس کیفیت کو "فنا اور بقاء" سے تعبیر کیا جاتا ہے فنا سے مراد نفس جزئی کے تقاضوں کا فنا ہو جانا اور بقا سے مراد نفس کلی کے داعیات کا بیدار ہو جانا ہے۔ اس مقام میں جبکہ بندہ اپنی جزئی خودی سے دور ہو جاتا ہے۔ کلی خودی سے جو خدا کی صفت ہے باقی رہتا ہے اس کی فکر و نظر میں کلیت آجاتی ہے اس کے علم و عمل میں ہمہ گیری پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخ نفس لوٹ جاتا ہے

خود غرضی اور نفس پرستی سے نجات مل جاتی ہے۔ اس کے افکار و اشغال، اقوال و اعمال سے اس کی نسبت اٹھ جاتی ہے۔ خدا کی نسبت قائم ہو جاتی ہے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی
یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی

پس اہلِ کشف اولیاء اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست حدیثیں لی ہیں اور احادیث متداولہ کی صحت و سقم کے بارے میں استمزاج کیا ہے اور حسب ارشاد عمل کیا ہے۔ پس جو حدیثیں اولیاء اللہ نے قبول فرمائیں خواہ وہ بطریق محدثین ثابت نہ ہوں پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں۔ تاکہ وہ حدیث ہی نہیں ہیں یا اہلِ کشف کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔ یا کشفِ الٰہی راویوں کے اقوال کا محتاج ہے بلکہ اس کے برعکس راوی سے سہو و نسیان اور خطا کا ہر وقت امکان ہے اور کشفِ الٰہی اس قسم کے عوارض سے پاک ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث جو بطریقِ محدثین ثابت ہیں اہلِ کشف نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استمزاج کیا تو آپ نے اس کی صحت کو تسلیم نہیں فرمایا اور بعض احادیث جن میں راوی ضعیف ہیں ان کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں باوجود ضعف کے وہ راوی سچا ہے۔

شرک اور بدعت

اللہ تعالیٰ بدیع السمٰوات والارض ہے ابداع اسکی صفت ہے۔ ابداع ایسی نئی چیز پیدا کرنے کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ ان معنوں میں "بدعت" اس چیز کو پیدا کرنے کا نام ہے جس کی مثالِ سابق نہ پائی جاتی ہو۔

زبانِ شریعت میں بدعت کے یہ معنی ہیں کہ دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کی جائے جس کی مثال تکمیلِ دین کے دور میں نہ پائی جاتی ہو۔ ایسی چیزیں محدثات امور بھی کہلاتی ہیں اور بدعت کی صفت یقیناً گمراہی ہے۔ کیونکہ دین کامل ہوچکا ہے۔ راہ ہدایت متعین ہوچکی ہے اس لئے اب جو کوئی اس راہِ ہدایت کو چھوڑ کر اپنی رائے یا نئی پگڈنڈی نکالتا ہے۔ اس کا نام صراطِ مستقیم سے انحراف کے سوائے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہی بدعت ہے۔ اسی کا نام گمراہی ہے۔ اسی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

پس امورِ دینی میں جو محدثات ہیں وہ ایک طرف اکمالِ دین کے منافی ہیں تو دوسری طرف صراطِ مستقیم سے انحراف و اعوجاج کو مستلزم ہیں۔ اسلئے ان محدثات امور کو نہ تو دین میں داخل کیا جائے گا نہ ان پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ نہ ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو گمراہی سے محفوظ اور جہنم سے مصئون سمجھا جائے گا۔ یہی معنی ہیں اس حدیث مبارکہ کے جس میں فرمایا گیا ہے

کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔

ضلالت ہدایت کی ضد ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، راہ ہدایت متعین ہو چکی ہے۔ اس راہِ ہدایت کو چھوڑ کر نئی راہ نکالنا اسی کا نام اصطلاح شرع میں بدعت ہے اور یہ کھلی گمراہی ہے اور جہنمی فعل ہے۔ دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا بدعت ہے اور اس قسم کی ہر بدعت ضلالت ہے جو منافی ہدایت ہے اس لئے اس کا انجام کار جہنم ہے۔

اب اگر کوئی بدعت کے یہ معنی جو ہم نے بتائے ہیں نہیں مانتا اور مطلقاً ہر بدعت کو ضلالت کہتا ہے۔ وہ کتاب و سنت کے حقائق سے لاعلم ہے۔ اور اللہ کی صفت ابداع کا منکر ہے اس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ کا اسم "بدیع" ازل سے ابد تک انوکھی انوکھی نئی نویلی چیزیں تازہ بتازہ نو بنو عالم ظہور کو عطا فرماتا رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے اسم بدیع سے متجلی نہ فرمائے تو عالم ظہور میں کسی نئی چیز کا وجود ممتنع ہو جائے گا۔ مگر یہ کسی طرح ممکن ہے وہ معطلہ سے جا ملتا ہے اور وہ جہنمی ہے اس میں سب متفق ہیں اس لئے کوئی مسلمان نہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ابداع کا منکر ہو سکتا ہے۔ اس کی صفت کو معطل تسلیم کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی صفت ابداع سے ہر آن نئی نئی چیزیں عالم ظہور میں آتی رہیں گی اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا

وہ لوگ جو ہر بدعت کو گمراہی کہتے ہیں اور خود کو ماحیان بدعت کہلاتے ہیں پہلے اللہ کے اسم بدیع کو تو قرآن سے محو کر دیں۔ پھر یہ کہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

شرک فی البدعت اسمائے الٰہیہ کے حقائق ازل سے ابد تک کارفرما اور فعال ہیں نہ تو ان میں تعطل کا گذر ہے نہ ان کی فعالیت میں غیر اللہ کے فعل کو دخل ہے۔ یاد رکھئے کہ فاعل حقیقی صرف اللہ

ہی ہے اللہ کے سوائے سب منفعل ہیں کوئی فاعل نہیں ۔سب متاثر ہیں کوئی موثر نہیں۔ موثر اللہ ہی ہے۔ قرآن مجید میں طرح طرح سے اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے اسباب خارجہ اور اکتساب انسانیہ سے جو امور ظہور پذیر ہوتے ہیں ان امور کی نسبت خدا نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ اسباب خارجیہ اور اکتساب انسانیہ سے ان امور کو منسوب نہیں کیا گیا۔

کون نہیں جانتا کہ کھیتی باڑی، زراعت اور درخت لگانے کا کام کسان یا زارع کی اکتسابی صلاحیتوں کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے ا انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ یعنی وہ درخت لگانے والے تم ہو یا زارع ہم ہیں۔

بارش کے اسباب خارجی علم و حکمت کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مان سون اٹھتا ہے۔ دریاؤں سے ابخرات مرتفع ہوتے ہیں۔ بادل بنکر ہواؤں کے کندھوں پہ چلتے ہیں اور دنیا جہاں میں برستے ہیں۔ مگر قرآن مجید بارش کے تمام مادی اسباب کو اور خود بارش کو صرف خدا کی مرضی سے تعبیر کرتا ہے۔ خدا ہی بادلوں کو ہانکتا ہے، چلاتا ہے جہاں چاہتا ہے برساتا ہے اور بارش سے جو ہریالی پیدا ہوتی ہے اس کی سرسبزی اور شادابی کو مردہ زمین کے حق میں عطائے زندگی کا انعام قرار دیتا ہے۔

کیف یحیی الارض بعد موتہا

یعنی خدا نے مردہ زمین کو کیسا زندہ کیا؟

دریا میں کشتی چلتی ہے۔ کشتی بنانے والا انسان ہے۔ کشتی چلانے والا ناخدا انسان ہے۔ مگر خدائے پاک ان مادی اسباب کی طرف ہیں متوجہ نہیں کرتا کہ کشتی کو چلانے کی نسبت اپنی طرف فرماتا ہے وہی ناؤ کھینے والا ہے وہی

پار لگانے والا ہے درمیانی وسائل و وساطت ناقابل اعتنا ہیں۔

قرآن مجید میں ہزارہا مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کارخانۂ عالم کا پورا انتظام خدائے غالب و توانا کے ہاتھ میں ہے اور وہی تنہا بلا شرکت غیرے فاعل و متصرف ہے۔ وہی حول و قوت کا واحد مرکز ہے اس کے ماسوا ہیں بالفعل یا بالقوی کوئی طاقت کوئی قوت نہیں ہے۔

ماسواء غور سے دیکھا جائے تو ماسوائے خدا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے موجودات عالم کو ہم موجودات صرف ان معنوں میں تو کہتے ہیں کہ وہ خدا کے موجود کرنے سے موجود ہیں۔ خدا نے ان کو پیدا کیا، ایجاد کیا، وجود عطا کیا اور خدا ہی ان کو نابید کرنے والا، فنا کرنے والا، معدوم کرنے والا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو موجودات عالم کا وجود حقیقی نہ ہوا، کیونکہ وجود حقیقی کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے خود موجود ہو کسی نے اس کو ایجاد نہ کیا ہو۔ وجود کی یہ تعریف موجودات میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتی پھر وجود حقیقی کے معنوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ازلی ابدی ہو یہ معنی بھی مخلوقات کے وجود میں نہیں پائے جاتے۔ حدوث زوال مخلوقات کا مقدر ہیں اس لئے ازلیت اور ابدیت اس کا وصف ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا وصف تو یہ ہے کہ وہ کبھی ہیں کبھی نہیں ہیں ابھی تھے ابھی نہیں ہیں۔ ابھی کچھ تھے ابھی کچھ ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا عدم وجود برابر ہے۔ دونوں جہات ان کی مساوی ہیں ایک طرف وہ وجود کو قبول کرتی ہیں تو دوسری طرف عدم کو بھی قبول کرتی ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ وجود کبھی عدم کو قبول ہی نہیں کرتا۔ نہ عدم نہ کبھی وجود کو قبول کرتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر انقلاب حقائق محال نہ رہے ممکن ہو جائے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وجود حقیقی کے معنوں میں

احاطت اور کلیت بھی شامل ہے یہ صفت بھی وجود باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا وجود بھی محیط کل نہیں ہے۔ موجودات عالم منفرداً بھی اور مجتمعاً بھی محیط نہیں محاط ہیں۔ گھیرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ گھری ہوئی ہیں زمان و مکان کی قید و بند میں گھری ہوئی ہیں۔ کیف و کم رنگ و شکل، جہت و فصل کی حدود و قیود میں گھری ہوئی ہیں اسلئے ان میں احاطت اور کلیت کی صفت بھی نہیں ہے۔ پس ان معنوں میں وہ صفات وجود سے موصوف بھی نہیں ہیں۔ غرضیکہ "وجود" کے جو اوصاف ہیں وہ موجودات میں متحقق نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے موجد میں متحقق ہوتے ہیں۔ اس لئے اصلی وجود ان کے موجد کا ہے۔ موجودات کا کوئی وجود اصلی نہیں ان کی اصل انکا موجد ہے۔ موجد حقیقی ہی موجود حقیقی ہے۔ موجودات پر اس کے وجود کا فیضان ہے۔ یہ فیضان وجود ان کو معرض وجود میں لایا ہے اور موجود بنا کر دکھلا رہا ہے جس طرح سورج کی ان گنت شعاعیں اور ان کے ظلال وعکوس موجود نظر آتے ہیں، مگر غور سے دیکھا جائے تو شعاعوں کا وجود حقیقی ہے نہ دھوپ کا وجود اصلی ہے۔ نہ ظلال عکوس کا وجود اصلی ہے اصلی وجود صرف سورج کا ہے سورج موجود ہے تو دھوپ سائے ظلال وعکوس کرنیں اور شعاعیں سب موجود دکھاتی دیتی ہیں۔ سورج نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

یہی حال موجودات کے وجود کا ہے یہ موجودات وجود حقیقی کے سہارے سے قائم ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ہم جنہیں موجودات کہتے ہیں اور ماسوا اللہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ پاک ہی کے وجود کا مختلف صورتوں میں ظہور ہے۔ اس کا غیر دونوں جہان میں کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی دونوں جہان میں پایا جاتا ہے وہ خدائے واحد کے قبضۂ قدرت میں مغلوب و مقہور ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ

اسی کی مخلوق ہے اور مخلوق کے متعلق تمہیں اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ وہ صفت خلاق کا ظہور ہے اور صفت خلاق کا یہ ظہور جو مخلوقات سے ہو رہا ہے اس سے غیر اللہ کے وجود پہ دلیل قائم کرنا عقل کے اوندھے پن پر دلیل ہے عقلِ صحیح مخلوقات کے وجود سے خالق کے وجود پر استدلال کرتی ہے اور وہ جس قدر مخلوقات میں غور کرتی ہے مخلوقات کی صفات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور اس پردے کے پیچھے صفات الٰہیہ مسکراتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں کیونکہ مخلوقات کا وجود ہی اپنا نہیں تو پھر کونسی چیز اس کی ہوگی؟ جس نے مخلوقات کو وجود دیا ہے اسی نے مخلوقات کو صفات بھی عطا کی ہیں۔ اس لیئے مخلوقات کے پاس وجود سے لے کر نمود تک اور ذات سے لے کر صفات تک کچھ بھی ان کا ذاتی نہیں۔ اللہ ہی کی ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جس کی صفات مخلوقات کے آئینہ خانے میں اپنا منھ آپ دیکھ رہی ہیں۔

"غیر" اللہ پاک کا غیر عالم وجود میں کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ عالم وجود میں بلا شرکت غیرے وہی کارفرما ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ہم اس کو ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں۔ وجود کا غیر کیا ہے؟ کہئے عدم وجود کا غیر ہے یا وجود ہی وجود کا غیر ہے؟ ظاہر ہے کہ وجود تو وجود کا غیر نہیں ہے ہاں عدم کو البتہ ہم وجود کا غیر کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو وجود کا غیر موجود نہیں، معدوم ہے اور جب وجود کا غیر صفت وجود سے موصوف نہیں ہے تو مسلمہ طور پر وہ معدوم ہے معلوم ہوا کہ وجود صفت حق ہے اور جہاں خدا موجود ہے وہاں کوئی اس کا غیر موجود نہیں ہے۔ خدا کہاں موجود نہیں ہے وہ محیطِ کُل ہے ہر جگہ موجود ہے تو پھر کہیں بھی اس کا غیر موجود نہیں ہے۔

وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور کل چیزیں

اپنے تعینات و تشخصات کے ساتھ اس کے علم میں ویسی ہی موجود ہیں جیسی کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے علم میں موجود تھیں اس لئے تمام چیزیں معلومات حق ہیں اور حق کی علمی صورتوں کا دوسرا نام موجودات ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

جو چیزیں خدا کے علم میں تھیں وہی عالم ظہور میں پیدا ہوئیں "شئی" عربی میں شاءَ یشاءُ سے ہے اس کے معنی ہیں چاہنا۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا نے چاہا وہی شے پیدا ہو گئی۔ اسی حقیقت کو قرآن نے ان لفظوں میں واضح کیا ہے

اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝

اس آیت مبارکہ میں تدبر کرو اور دیکھو کہ ہر چیز کے وجود کو اس کے وجود علمی کو کس طرح تقدم حاصل ہے؟

میرا مطلب یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے وہ ہی امر کن کی مخاطب بھی ہے اور جو چیز موجود نہیں ہے وہ خطاب کُن کو سن بھی نہیں سکتی۔ اب تم یہ کہو گے کہ اس صورت میں کہ چیز پہلے سے موجود ہے اس سے خطاب کُن تحصیل حاصل ہے جو چیز موجود ہے اس سے یہ کہنا کہ موجود ہو جا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ میں تمہیں پھر توجہ دلاتا ہوں یقول لہٗ میں لہٗ کی ضمیر پر غور کرو۔ وہ شے کی طرف راجع ہے یا نہیں؟

مسلمہ طور پر لہٗ کی ضمیر شے کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا اس چیز سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ کیا بلا تاویل اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ شے جس سے کہا جاتا ہے کہ "ہو جا" پہلے سے موجود ہے۔ خطاب کن سنتی ہے۔ سماعت خطاب کے بعد منزل اطاعت میں قدم رکھتی ہے اور ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس ظہور کا نام ہم نے وجود کونی سے تعبیر کیا ہے اور اس وجود کو جس نے خطاب کن کی سماعت و اطاعت

کا شرف حاصل کیا ہم وجود علمی کہتے ہیں وہ وجود علمی جو کبھی علم حق سے منفک ہوا ہے نہ ہوگا اور اس کو وجود کونی پر ظاہر ہے کہ تقدم حاصل ہے۔

جب کائنات کی تمام چیزیں علم حق میں وجود علمی رکھتی ہیں۔ اور وجود کونی صرف وجود علمی کی صدائے بازگشت ہے جس کو امر کن سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ہمیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اشیائے عالم معلومات الٰہیہ کے سوائے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اب ان چیزوں میں جو غیریت باہم پائی جاتی ہے وہ نہ حقیقی ہوئی محض اعتباری ہوئی۔ موطن سب کا ایک ہی ہے وہ علم الٰہی ہے اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ علم میں مختلف اور متضاد معلومات جمع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آگ اور پانی دو متضاد چیزیں ہیں اور بحکم اشیائے متضاد ان کا یجتمعان جمع نہیں ہو سکتیں، مگر مرتبہ علم میں یہ دونوں چیزیں اچھی طرح جمع ہیں جس علم سے ہم آگ کو جانتے ہیں اسی علم سے ہم پانی کو جانتے ہیں۔ پس معلومات مختلفہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں اور عالم وہی ہے جس کو علم حاصل ہو اور علم وہی ہے جو معلومات پر مشتمل ہو۔

چونکہ خدا کا علم کامل ہے اور کلی ہے اس لئے وہ تمام معلومات کو جامع ہے اس لئے موجودات بھی علم الٰہی میں معلومات کی حیثیت سے ازل سے ابد تک موجود ہیں اور ان میں جو حدوث اور حال رونما ہوتا ہے اس سے علم الٰہی میں انقلاب نہیں آتا بلکہ علم الٰہی کے مطابق حدوث و زوال تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں نفس مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں اور یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا اپنی ذات و صفات میں یکتا و یگانہ ہے الخ

کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہی فاعل حقیقی ہے وہی موثر حقیقی ہے۔ وہی موجود حقیقی ہے "حقیقی" اس لئے لگایا گیا ہے کہ "مجازی" سے اس کو ممتاز کیا جا سکے اگرچہ مجازی نسبتیں ہم جن چیزوں سے لگاتے ہیں وہ بھی حقیقتاً خدا ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں اس لئے اس امتیاز سے اثبات غیریت نہیں بلکہ ارتفاع غیریت ہی مقصود ہے پھر بھی افہام وتفہیم کے لئے امتیاز کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ خدا کے سوائے کوئی موجود ہی نہیں تو فاعل کون ہوا موثر کون ہوگا موجود کون ہوگا۔

مشرک صحیح معنوں میں مشرک وہ ہے جو خدا کے مقابلے میں خود کو فاعل موثر اور موجود جانتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے تو جتنے آدمی اتنے ہی خدا بن جاتے ہیں۔ عالم کثرت میں ہر انسان فاعل ہے ہر انسان موثر، ہر انسان موجود تو بتائیے وحدت کہاں اور کس طرح ثابت ہوگی؟

علماء رسوم جو مسلمانوں کو مشرک قرار دینے میں بیباک ہے، خود اپنے شرک پر مطلع نہیں یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے ان کا عجیب حال ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی شرک کے ڈر سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں عالم الغیب خدا ہے اب جو کوئی خدا کی اس صفت میں کسی دوسرے کو شریک کرتا ہے تو وہ مشرک ہوجاتا ہے۔ ہم اصل مسئلہ پر کچھ کہے بغیر ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ کلیہ جو تم نے پیش کیا ہے صحیح ہے تو اس کلیہ کی بنا پر دوسری صفات الٰہیہ میں بھی کسی کو شریک کرنے والا مشرک ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا اور یقیناً ہوگا تو پھر خدا عالم الغیب ہی نہیں عالم بھی ہے،

علم اس کی صفت خاص ہے، پس ہر وہ شخص جو خود کو عالم سمجھتا ہے، عالم کہلا کر خوش ہوتا ہے۔ مشرک ہوگا یا نہیں۔ یقیناً ہوگا۔ کیونکہ یہ خدا کی صفت علم میں شرک ہے، صفت علم ہی پر کیا منحصر ہے۔ الحی خدا کا نام ہے۔ حیات اللہ کی صفت ہے، نہ زندہ اللہ ہے، اب جو کوئی خود کو صفت حیات سے موصوف سمجھتا ہے وہ اللہ کی صفت حیات میں شرک کرتا ہے۔ اللہ پاک سمیع و بصیر ہے اب جو کوئی خود کو علیم و بصیر سمجھتا ہے وہ اللہ کی صفت سماعت و بصارت میں شرک نہیں کر رہا ہے تو کیا کر رہا ہے۔ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اب جو کوئی خود کو یا دوسروں کو صفت ارادہ سے موصوف خیال کرتا ہے اسکے مشرک ہونے میں کیا شک ہے؟

کلام اللہ کی صفت ہے، اب جو کوئی کلام کو اپنی صفت اعتقاد کرتا ہے وہ مشرک نہیں تو کیا ہے؟

اس طرح ایک ایک کر کے تمام صفات الٰہیہ کو لے لیجئے۔ وہ صفات جو اللہ پاک سے منسوب ہیں، بندوں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں یہ شرک فی الصفات نہیں تو کیا ہے۔ اگر یہ شرک نہیں ہے تو پھر اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا تھا کہ عالم الغیب خدا کی صفت ہے اور اس صفت سے نبی علیہ السلام کو موصوف قرار دیا جائے گا تو شرک ہوگا۔ اسی طرح البدیع اللہ پاک کی صفت خاص ہے، ایجاد و ابداع میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اب جو کوئی صفت ابداع کو غیر اللہ سے منسوب کرتا ہے وہ مشرک ہے۔

اور جو شخص ہر بدعت کو مطلقاً ضلالت کہتا ہے۔ وہ اللہ کے اسم بدیع کے معنوں سے واقف نہیں ہے اور یہ گمراہی کی انتہا ہے کہ وہ اپنے جہل پر مطلع بھی نہیں ہے اور اس کو یہ معلوم بھی نہیں کہ اللہ پاک

بدیع السموات والارض ہے اگر ہر بدعت کو گمراہی مانا جائے گا تو
لازم آئے گا کہ اللہ کے اسم بدیع کی تجلیات کو ضلالت اور گمراہی تسلیم
کیا جائے پناہ بخدا۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ عدم علم کی حالت میں وہ فتویٰ دیتے ہیں
کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور اس فتوے کا عنوان اس حدیث مبارک
کو بناتے ہیں جس میں اس بدعت کو جو نقیض ہدایت ہے ضلالت فرمایا
گیا ہے اور جس کا اطلاق محدثات امور کی حدود تک محدود ہے۔ اور
محدثات امور میں امور سے مراد صرف امور دینی ہیں جو متعین ہیں، ورنہ وہ
امور دینی جو متعین نہیں ہیں ان میں کسی امر کا تعین یا بہت سے امور کا تعین
سنت الہادیؐ یا بدعت حسنہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح با جماعت جاری کرنا
بدعت خیال کیا گیا تو آپ نے کیا فرمایا۔

نعمت البدعۃ ھذہ! ہاں یہ اچھی بدعت ہے

وہ جو ہر بدعت کو مطلقاً گمراہی بتاتے ہیں اور سند میں کل بدعۃ ضلالۃ
پیش کرتے ہیں ضد اور تعصب سے الگ ہو کر سوچیں کہ حدیث کے
معنی جو انھوں نے سمجھے ہیں کیا ہیں کیا ان کی کھلی تردید حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کے قول و عمل سے نہیں ہو گئی۔

نعمت البدعۃ ھذہ کے صریح ارشاد سے تمہارا یہ غلط ادعا کہ
ہر بدعت گمراہی ہے باطل نہیں ہو گیا؟ کیا اس ارشاد گرامی سے بدعت
حسنہ کا وجود ثابت نہیں ہو گیا (شبارۃ م) اور کیا بدعت سیئہ کا امتیاز
نہیں ہو گیا (دلالتاً)

کیا نماز تراویح میں رکعات کے تعین سے اور ان کی باجماعت ادائیگی سے بدعت حسنہ کا اجراء، اس کا شیوع اور اس پر عہد عمرؓ سے آج تک امت کا اجماعی تعامل ثابت نہیں ہے؟

خود صحابہ نے اس پر عمل کیا، تابعین عمل پیرا ہوئے، تبع تابعین کا عمل رہا اور امت کا عمل متوارث یہی ہے۔

پھر یہ کس قدر ایمان سوز جراءت اور ناخدا ترسانہ بیباکی ہے کہ ہر بدعت کو گمراہی کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کو گمراہ قرار دیا جائے، سلف سے لے کر خلف تک پوری امت کو گمراہ اور جہنمی سمجھنے والے خود گمراہ ہیں اور جنت کا راستہ کھو گئے ہیں۔

خارجیت

یہ برخود غلطی اور جہل مرکب نہیں تو پھر کیا ہے کہ حدیث نبوی کے معنوں کو سمجھنے کا حق حضرت عمر فاروق سے زیادہ ابن تیمیہ عبدالوہاب نجدی اور ان کے امثال کے لیے تسلیم کیا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اقتداء سے نکل کر اپنے نفس کی اقتداء بدترین خارجیت ہے۔ وہ حضرت عمر جنکی رائے کتاب و سنت اور وحی کے مطابق ملی ہے وہ حضرت عمر جنکے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ عمرؓ کی راہ پر شیطان نہیں چل سکتا۔ بحمد اللہ تمام امت آپکی راہ پر چل رہی ہے۔ اور نعمت البدعۃ ھذہ کو اچھی بدعت سمجھ کر اختیار کر چکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ہم اس راہ کو راہ ہدایت یقین کرتے ہیں، وہ لوگ جو اس راہ پر نہیں چلتے اور نماز تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں وہ اس وعید پر غور کریں جس میں فرمایا گیا ہے کہ شیطان عمر کے راستہ پر نہیں چل سکتا آخر یہ کونسا دین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو طریق عمر کو سراہیں اور آپ طریق عمر کو گمراہی بتائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عمر کی رائے کو وحی کے موافق بتائیں
آپ انہیں خاطی سمجھیں اور ان کی رائے پر جرح کریں۔ حضور صلی اللہ
ہ وسلم تو حضرت عمر کو خدا سے بات کرنے والا (محدث) فرمائیں۔ اور آپ
بدالوہاب نجدی یا ابن تیمیہ کی بات صدق دل سے مانیں اور خدا سے
ت کرنے والے کو خطاوار قرار دیدیں۔ ان کے قول وفعل کو رد کر دیں —
اصل یہی خوارج کا مذہب ہے اور اسی کو خارجیت کہتے ہیں۔

مسئلہ قربانی

مرکزی تحقیقاتِ اسلامی کراچی کے ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ مئی ۱۹۶۴
میں رفیع اللہ صاحب کے نام سے "مسئلہ قربانی" کے عنوان سے ایک مضمون
شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون ۳۸ سے ۴۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ رفیع اللہ صاحب
نے جو کچھ انکشافات اس مضمون میں فرمائے ہیں، ان کا ماحصل مضمون کی آخری
سطور سے واضح ہو جاتا ہے جہاں فاضل مقالہ نگار نے فرمایا ہے:

"مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اس حقیقت کو دہرا دینا نامناسب نہ ہوگا
کہ بے شک صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کا مسلک برحق ہے لیکن حضرت بلالؓ کا
مسلک بہت ہی ترقی پسندانہ ہے کہ قربانی کے لئے صرف مرغ کافی ہے، اور اگر
قربانی کے بجائے اس کی قیمت سے کسی حاجت مند کی ضرورت پوری کر دی جائے
تو یہ اس سے بھی زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔"

اگر یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کا مسلک برحق ہے تو حضرت
بلالؓ کا صحیح مسلک وہی ہونا چاہئے، جو صحابۂ کرام کا مسلک ہے ورنہ ان کا
مسلک برحق نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم حق کو صحابۂ کرام کے مسلک میں منحصر قرار دے چکے
ہیں، اس لئے کوئی مسلک جو اس کے خلاف یا متعارض ہوگا وہ حق کے معارض
ہوگا۔ اس صورت میں حضرت بلالؓ کا مسلک اگر وہ جمہور صحابہؓ کے خلاف ہے
تو وہ حق نہ ہوگا۔ خواہ اس کو آپ ترقی پسندانہ کہیں ــــ اور یہ صورت حال

جو حضرت بلالؓ کے تعلق پیدا ہوئی۔ وہ مضمون نگار یا مدیر محترم نے پیدا کی ہے ورنہ حضرت بلالؓ کا مسلک جمہور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف کوئی الگ تھلگ مسلک اختیار کرنا کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔

قربانی کے لئے صرف مرغ کافی ہے یہ الفاظ جو حضرت بلالؓ سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت بلالؓ پر تہمت ہے اور ان کے قول کی تحریف ہے آپ کا قول جو اسی مضمون میں نقل کیا گیا ہے وہ بجنسہٖ ملاحظہ کیجئے۔

عن سوید بن غفلة قال قال لی بلال ما کنت اُبالی لو ضحیت بدیک ولان اخذ الثمن الاضحیه فاتصدق به علی مسکین مقتر فهو احب الیّ ان اضحی۔

اس کا ترجمہ فاضل مضمون نگار نے اس طرح کیا ہے۔

"سوید بن غفلۃ سے حضرت بلال نے فرمایا کہ انھیں اس امر کی پروا نہیں ہے کہ وہ قربانی کے لئے مرغ ذبح کریں، بلکہ قربانی کی قیمت لے کر کسی حاجت مند پر خرچ کر دینا، ان کے نزدیک قربانی سے زیادہ پسندیدہ ہے"

اصل عبارت میں دیکھئے اور ترجمہ بار بار ملاحظہ کیجئے ـــــ اس میں یہ کہاں ہے کہ "قربانی کے لئے صرف مرغ کافی ہے" بلکہ اس کے برعکس اصل عبارت اور ترجمہ کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے لئے مرغ ذبح کرنے کو حضرت بلالؓ پسند نہیں فرماتے بلکہ اس کی قیمت مساکین پر خرچ کر دینا پسند کرتے ہیں۔

اگر اسی کا نام تحقیقات واکتشاف ہے کہ اصل عبارت کو توڑ مروڑ کر غلط معنی پہنا دیئے جائیں، اور غلط معنوں سے خلاف حقیقت مفہوم کا ادعا کیا جائے

تو پھر تحریف کس چیز کا نام ہوگا۔ فاضل مضمون نگار خود ہی انصاف کریں اور قارئین اندازہ لگائیں کہ حضرت بلال نے یہ کہاں فرمایا ہے کہ "قربانی کے لئے صرف مرغ کافی ہے"۔

فاضل مضمون نگار کا حضرت بلال کے مسلک کو جمہور صحابہ سے الگ تھلگ (محض اس قول کی بنا پر جس کی نسبت ان کی طرف اتہام سے زیادہ نہیں) قرار دینا بناء فاسد علی الفاسد اور کیا ہے؟ اور پھر اس بنا پر انکو مسلمان کمیونسٹ یا ترقی پسند قرار دینا کتنی بڑی جرات اور بے باکی ہے؟

دراصل مضمون نگار صاحب کے ذہن میں قربانی کے وسیع معنوں کا تصور صحیح نہیں ہے اس لئے قربانی کے وہ عام معنوں سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ اس عدم امتیاز کی وجہ سے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق پر محمول کرتے ہوئے انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

قربانی اور صدقات کے احکام میں کوئی عام وخاص مطلق ومقید کی پہچان نہ ہو۔ تو پھر اس قسم کے غلط مبحث میں پڑجانا ناگزیر ہوتا ہے۔ جس میں فاضل مضمون نگار مبتلا ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھئے کہ صدقے کا لفظ نہایت وسیع المعانی ہے ہر قسم کی مالی ومالی قربانی صدقے کے معنوں میں شامل ہے۔ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے۔ ذبیحہ بھی صدقہ ہے ننگوں کو کپڑے پہنانا بھی صدقہ ہے۔ خیرات بھی صدقہ ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی صدقہ ہے۔ راستے سے کانٹے دور کر دینا بھی صدقہ ہے۔ قول معروف بھی صدقہ ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قول معروف سے صدقے کی اغراض پوری ہو سکتی ہیں تو کھانا کھلانا کپڑے پہنانا۔ زکوٰۃ ادا کرنا خیرات کرنا کیا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قول سے صدقہ ادا ہو جائے تو عمل سے صدقے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مال سے صدقہ

ادا ہو سکتا ہے تو جان تصدق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ————
پچھلی دونوں صورتوں میں پہلی صورت کے مقابلے میں مشرفانہ ہیں اور تیسری صورت
پہلی اور دوسری صورت کی موجودگی میں اسراف مال اور اتلاف جان کا سبب
ہے۔ ترقی پسندانہ نقطہ نظر ان تینوں صورتوں میں صدقے کے عمومی معنوں کو
خصوصی معنوں سے ممتاز نہیں کر سکتا اور اس عدم امتیاز کی وجہ سے وہ حالات
کی نوعیت اور مراتب سے بے خبر رہ جاتا ہے۔"

یہی حال اس قربانی کا ہے۔ وہ قربانی جو واجب ہے اس کو دوسری
قسم کی قربانیوں سے ممتاز نہ کیا جائے۔ تو محض اشتراک لفظی کی وجہ سے غلط
فہمی ہو گی اور غلط فہمی سے، غلط نتائج اخذ کئے جائیں گے۔

جس قربانی کو واجب کہا گیا ہے۔ وہ عید الاضحیٰ کی قربانی ہے اس کیلئے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحابہ کا تعامل اور اجماع امت ایک
مسلمان کو مطمئن کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ
میں دس سال قیام پذیر رہے اور قربانی کرتے رہے (ترمذی)

اس حدیث مبارکہ سے فاضل مضمون نگار کے اس قول کی تردید ہو گئی۔ کہ
قربانی سوائے حرم مکہ مکرمہ کے اور کہیں نہیں ہو سکتی۔

قربانی کی حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے قربانی کی حقیقت
دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ قَالَ سُنَّةُ اَبِيكُمْ
اِبْرَاهِيْمَ (علیہ السلام) کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔
سنت ابراہیمی کا مطلب واضح ہے۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی بجائے
دنبے کی قربانی خدا کی طرف سے مقبول ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

مروی ہے کہ آپ نے دو دنبے ایک بار قربان کیے اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِہٖ (احمد ابوداؤد ابن ماجہ)

ظاہر ہے کہ ایک دنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور ایک امت کی طرف سے ذبح کیا۔ امت کی طرف سے آپ کا ذبیحہ فرمانا آپ کی اس تمنا کا مظہر ہے کہ آپ امت سے قربانی کے متوقع ہیں اس سے یہ خیال باطل ثابت ہوتا ہے کہ قربانی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھی۔ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محبوب تھی کہ آپ نے حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کرتے رہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْہُ۔ (رواہ ابوداؤد)

(یعنی) حنشؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپ دو دنبوں کی قربانی کیا کرتے تھے میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ بجائے ایک دنبے کے دو دنبے قربانی کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی میں آپؐ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں سو میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ غیر مستطیع کی قربانی کا اس طرح ذکر ہے۔

قَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِیْحَۃً

نثی فاضحی بھا قال لا ولکن خذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذالک تمام اضحیتک عند اللہ۔

(ترجمہ) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں سوائے بچہ مادہ کے اور کچھ نہ پاؤں تو کیا اسی کو قربان کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ لیکن تو اپنے بال اور ناخن لے لے اور اپنی لبیں کتروا لے اور موئے زیر ناف صاف کر لے اللہ کے نزدیک یہی تیری پوری قربانی ہے۔

اب اگر کوئی فذالک تمام اضحیتک میں جو اضحیۃ مستعمل ہوا ہے اس سے یہ استدلال کرے کہ حجامت بنوا لینے سے قربانی کامل ہو جاتی ہے اس لئے جانور ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ طریق استدلال کس قدر غلط ہوگا۔ مضمون حدیث مبارکہ سے تو صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مستطیع افراد کے لئے طہارت و نظافت (حجامت بنوانا، ناخن اور بال کٹوانا) یہ امور بھی قربانی کے برابر ہیں، مگر قربانی کے اشتراک لفظی سے اس کے مراتب و مدارج خلط ملط نہ ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت بلال کا مرغ قربان نہ کرنا۔ بلکہ اس کی قیمت خیرات کر دینا زیادہ پسند کرنا۔ ایک غیر مستطیع فرد کی قربانی ہے۔ اور اس کو پوری قربانی کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل احکام رسولؐ کا ناسخ تو نہیں ہو سکتا؟ نہ تو حضرت بلال کو اتباع رسول سے کوئی منحرف قرار دے سکتا ہے۔ نہ خود حضرت بلال (نعوذ باللہ) کبھی سنتِ رسولؐ کی خلاف ورزی کا خیال ہی لا سکتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ہم نے یہ جو کہا ہے کہ آپ

کا مرغ قربان کرنا یا مرغ کی قیمت خیرات کر دینا غیر مستطیع کی قربانی ہے، یہ صحیح قرار پائے گا اور اگر مرغ کی بھی استطاعت نہ ہو تو طہارت و نظافت کا بھی پوری قربانی میں شمار ہو سکتا ہے۔

قربانی کا مادہ "قرب" ہے۔ قربان وہ چیز ہے جس کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کیا جائے۔ مگر عرف نسیکۃ مخصوص ہو گیا ہے جیسے حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ (آل عمران) اور اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (المائدہ) میں ذبیحہ مراد ہے تقرب الٰہی کے لئے جسم و جان و مال کو تصدق کرنا قربانی کہلاتا ہے جہد المقل کے ماتحت ایک غریب آدمی روٹی کا ٹکڑا خدا کی راہ میں دیکر تقرب حاصل کر سکتا ہے یہ بھی قربانی ہے، مگر وہ لوگ جو اونٹ، گائے بھیڑ، بکری، دنبہ قربانی کر سکتے ہوں، وہ مرغوں کی قربانی کرنے لگیں، اور مرغوں کو بھی قربان نہ کریں بلکہ ان کی قیمت غریبوں کو دینے لگیں اور اس طریقے کو حضرت بلال کا مسلک باور کرائیں تو پھر سنتِ ابیکم ابراھیم کے کیا معنٰی رہ جاتے ہیں۔ حضرت بلال کے قول کو ان واقعات کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے:۔

- کیا حضرت ابراہیمؑ نے کبھی مرغا قربان کیا تھا؟
- کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغا قربان کیا تھا؟
- کیا صحابہ کبارؓ نے کبھی مرغوں کی قربانیاں کی تھیں؟
- کیا آئمہ مجتہدین اور امتِ مسلمہ نے مرغوں کی قربانیاں کیں؟ —

نہیں ——— اور یقیناً نہیں، تو اس تحقیق و تجدید کی تہہ میں ان سب کی مخالفت کے جذبے کے سوائے اور کیا چیز ہے، جس کو حضرت بلال کے قول کا لباس پہنایا جا رہا ہے۔

قربانی تاریخ انسانی کے ساتھ ساتھ ہی جاری ہوئی۔ تمام انبیاء علیہم السلام قربانیاں کرتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانیوں کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ؕ

(ترجمہ) اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ پڑھ دو۔ جب انھوں نے کوئی قربانی پیش کی۔ سو وہ ان دونوں میں سے ایک سے قبول کی، اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ (المائدہ۔ رکوع ۵)

فرزندان آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے مرسلین کی سنت مستمرہ قربانی رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت اولین کو اپنے قول و عمل سے زندہ و برقرار رکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ

(یعنی) آپ اپنے رب کی نماز ادا کیجئے اور قربانی کیجئے۔

اس دور میں جبکہ تحقیقات و تجدید کے نام پر اسلام کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کی جد و جہد جاری ہے مسئلہ قربانی بھی زیر غور و بحث ہے کہیں لوگ مویشیوں کی کمی ہو جانے کا احتمال ظاہر کر رہے ہیں۔ کہیں گوشت کے ضائع جانے کا عذر بیان کیا جا رہا ہے کہیں مویشیوں کے تلف ہونیکا اندیشہ اور افسوس

ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے قربانی کا بدل تلاش کیا جا رہا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت کیوں نہ غریبوں میں بانٹ دی جائے کبھی کہا جاتا ہے کہ گائے، بکری، اونٹ، دنبے کی بجائے ایک مرغ ہی کیوں نہ ذبح کر دیا جائے۔ اور اس مسلک کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترقی پسندانہ مسلک بتایا جاتا ہے ——— حالانکہ اس ادعا سے حضرت بلال کا مسلک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک سے معارض و مخالف ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوگا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فدائی رسولؐ کا کوئی قول و عمل مخالف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتا ہے۔

اسلام کے نادان دوست اور دانا دشمن

اسلام جہاں علم کے مدارج متعین کرتا ہے، وہاں اس حقیقت کو بھی مبرہن کرتا ہے کہ کسی امر کا علم اور بات ہے، اور اس پر ایمان ہونا اور بات ہے۔ منافقین کو یہ علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، مگر یہ ان کا ایمان نہیں تھا اس لئے ان کا یہ گواہی دینا کہ آپ خدا کے رسول ہیں، ایک سچی گواہی ہوتے ہوئے بھی خدا کے نزدیک جھوٹی گواہی قرار پائی اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا

ان المنافقون لکاذبون (منافقین یقیناً جھوٹے ہیں)

پس یہ اسلام کے دانا دشمن ہیں۔ خوارج نے اپنا امام کتاب اللہ کو بنایا۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کو چھوڑ کر تحکیم اور ثالثی کو قبول کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان کو لاکھ سمجھایا کہ کتاب اللہ آخر خود تو نہیں بولے گی، کوئی نہ کوئی آدمی ہی کتاب اللہ کا مطلب بیان کرے گا۔ مگر خوارج کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن کا مطلب صرف وہی ہے جو انھوں نے سمجھ رکھا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نے جو کچھ سمجھ رکھا ہے وہ غلط ہے۔ اسی فہم کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں نے چن چن کر ان اصحاب رسول کو شہید کر ڈالا جو علم قرآن میں ممتاز تھے، تا آں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی تلوار سے نہ بچ سکے، خوارج کے نزدیک حضرت علیؓ اور امیر معاویہ یہ دونوں ہی کافر تھے اور وہ تمام

مسلمان جو ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک سے متعلق تھے، کافر تھے واجب القتل تھے، خوارج نے اپنے جھنڈے پر قرآن پاک کی یہ آیت لکھی تھی۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ

جب حضرت علی کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

"کلمة الحق یرید بہ الباطل"

یعنی قرآن کی آیت حق ہے، مگر خوارج نے جو معنی سمجھے ہیں وہ باطل ہیں خوارج کو اس لئے خوارج کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گئے تھے۔ یہ پہلا فرقہ تھا جس نے مسلمانوں سے کٹ کر اپنی ایک الگ جماعت بنائی تھی۔ خروج کی علت جماعت سے علیحدگی ہے۔ ورنہ ارکان اسلام ادا کرنے میں خوارج نہایت متشدد تھے۔ باللیل رھبان وبالنھار فرسانٌ، ان کی تعریف تھی اور یہی اسلام کے نادان دوست تھے خوارج ختم ہو گئے۔ مگر ان کے مذہبی اور سیاسی افکار نئے نئے روپ میں اب بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں مودودیت اور پرویزیت نے مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر "خارجیت" کا احیا کیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونے کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا نہیں کرتے بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ عقائد و افکار کے لحاظ سے یہ دونوں امت مسلمہ سے کٹ کر دور نکل گئے۔

مودودی صاحب کی نظر میں صرف وہ افراد حقیقی مسلمان ہیں جو ان کی اسلامی جماعت سے وابستہ ہیں، باقی دنیا بھر کے مسلمان صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اسی طرح پرویز صاحب کے نزدیک بھی مروجہ اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے، نہ موجودہ مسلمان حقیقی مسلمان ہیں، حقیقی اسلام کی طرف صرف انکی

چشم و ابرو کے اشارے نشاندہی کرتے ہیں

ہیچ، آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند

ان کی قلمی جدوجہد کا ماحصل دو لفظوں میں صرف یہ ہے:۔

مروجہ اسلام حقیقی اسلام نہیں ہے۔ اور موجودہ مسلمان حقیقی مسلمان نہیں ہیں صرف رسمی مسلمان ہیں۔ یہ ان کے علمی اور قلمی کارناموں کا منفی پہلو ہوا۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک حقیقی اسلام وہ ہے جس کی طرف وہ نشاندہی کرتے ہیں اور حقیقی مسلمان وہ ہیں جو ان کی جماعت سے وابستہ ہیں۔ یہی حال پرویز صاحب کا ہے۔ طلوع اسلام کی تیسری سالانہ کنونشن منعقدہ لاہور اپریل ۱۹۵۹ء سے خطاب کرتے ہوئے پرویز صاحب نے قرآنی حقائق کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے کہ پوری امت مسلمہ کے لئے اس میں درس عبرت ہے فرماتے ہیں:۔

"اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارا مروجہ مذہب حقیقی اسلام نہیں تو اس مذہب کے علمبرداروں کے متعلق یہ سوچ لینا کہ وہ ہمیں اسلامی آئین مرتب کر کے دیدیں گے کتنی بڑی خودفریبی ہے"،

کتنی بڑی بیباکی اور جسارت ہے، اس سے بحث نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ایک طرف کم از کم پاکستان کے آٹھ کروڑ مروجہ مذہب اسلام کے پیرو رسمی مسلمان ہیں جن کو پرویز صاحب حقیقی مسلمان ہی نہیں سمجھتے نہ انکے اسلام کو حقیقی تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری طرف حقیقی اسلام اور حقیقی مسلمانوں میں اب لے دے کے صرف پرویز صاحب اور ان کے گنے چنے چند ہم خیال دوست رہ جاتے ہیں۔

کیا مسلمان حقیقی اسلام سے موصوف ہونے کے بعد اتنا شقی القلب اور بدر دبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے سوائے کسی اور کو مسلمان ہی نہ سمجھے۔ اگر پرویز صاحب کے دل و دماغ پر حقیقی اسلام کی ہلکی سی پرچھائیں بھی کبھی کہیں سے پڑی ہوتی تو کائنات کا ذرہ ذرہ انھیں حقیقی اسلام کی آغوش میں کروٹیں بدلتا ہوا نظر آتا تعجب ہے کہ اہل قرآن ہو کر انھیں قرآن میں اللہ کا یہ اعلان نظر آیا۔

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں وہ سب کی سب حقیقی معنوں میں مسلمان ہی مسلمان ہیں ہے

مگر ـــــ حقیقی اسلام کا ٹھیکہ صرف پرویز صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ باقی پوری امت اور مذہب کے سارے علمبردار حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اس لئے اسلامی آئین کی تدوین صرف پرویز صاحب فرمائیں گے اور صرف یہی توقع ہے جو امت کے لئے خود فریبی نہیں ہو سکتی۔

پھر فرماتے ہیں:۔

" اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان قرآن کے غیر متبدل اصولوں سے اچھی طرح اور اپنے زمانہ کے تقاضوں سے باخبر ہو۔ جہاں تک ہمارے علماء حضرات کا تعلق ہے وہ بدقسمتی سے ان دونوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اسلامی آئین کی تدوین کے لئے ان حضرات کی طرف رجوع کرنا بنیادی طور پر غلط ہے۔ اقبال کے الفاظ میں ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے ۔۔۔ اسکو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

حقیقی اسلام کی صبح جو پرویز کے چاک گریبان سے طلوع ہونیوالی ہے

اس میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم" کی دقیانوسی رسمی آلاپ کے بجائے نسیم صبح گاہی "فصلِ بہار" کی ترنم ریزیوں میں زندہ دلانِ چمن اور جوانانِ میکدہ کو یہ مژدہ سناتی ہے کہ اذانِ رسمی کو اذانِ حقیقی سے بدل دو۔

ھات الصبوح ھبّوا یا ایّھا السکاریٰ

درحلقۂ صبوحی دانی چہ خوش نماید ‏ ‏ عکسِ عذار ساقی درجام مے فتادہ

اس حقیقی اسلام میں قوموں کی امامت کا عَلَم ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا جو دو رکعت پڑھنے پڑھانے سے آزاد ہوں گے اور جو یہ بھی نہ جانتے ہوں گے کہ دو رکعت کس طرح پڑھائی جاتی ہیں۔ کیا پوری امت مل کر ثابت کر سکتی ہے کہ مروجہ اذان کہیں قرآن میں آئی ہے۔ کہیں بھی نہیں۔ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی۔ بالخصوص الصلوٰۃ خیرٌ من النوم۔ تو بدعت عمری کہلاتی ہے پھر کون ہے جو اس کو قرآنی کہہ سکتا ہے؟ چلیے اذان سے چھٹی ملی۔ صبح کے دو رکعت کے امام سے چھٹی ملی۔ زمانہ کے تقاضوں سے باخبر ہونے کے معنی آپ سمجھ گئے اور قرآن کے غیر متبدل اصولوں کو آپ نے پہچان لیا۔

حقیقی اسلام کے تیور آپ نے دیکھے؟ ــــ اس کا پہلا ہدف نماز، جماعت اور امام ہے۔ وہ نماز جیسے بنیادی اور غیر متبدل رکن اسلام پر پھبتی کستا ہے اور اس اہم فریضۂ دینی کا استخفاف کرتے ہوئے بھی قرآن کے غیر متبدل اصولوں کے جاننے کا مدعی ہے ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

تمام مسلمان مشرک اور کافر

۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں کے اکتیس (۳۱) علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے تھے اور انہوں نے متفقہ طور پر ایک آئین کا مطالبہ کیا تھا اس کے مطابق ۱۹۵۶ء کا آئین مرتب

بھی ہو گیا تھا۔ جس کے اسلامی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق تھا۔

پرویز صاحب فرماتے ہیں:۔

"پہلا قابلِ غور نقطہ یہ ہے کہ کیا فرقے اور اسلام یکجا جمع ہو سکتے ہیں۔ کیا ایسے معاشرہ کو اسلامی کہا جا سکتا ہے جس میں مسلمان کے فرقے موجود ہوں۔ قرآن کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا جس طرح شرک اور توحید ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی طرح اسلام اور فرقے باہم دگر نقیض ہیں"

پرویز صاحب نے وہ تمام آیتیں جو یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی تھیں، مسلمانوں پر چسپاں کر دی ہیں تاکہ وہ کافر اور مشرک قرار دیئے جا سکیں حالانکہ اکتیس علماء جو مسلمانانِ پاکستان کے نمائندوں کی حیثیت سے جن اصولوں پر متفق ہوئے ہیں وہ اصولِ دین ہیں اور جن امور میں باہم مختلف ہیں وہ مجازات اور جزئیات ہیں ان کی نوعیت فروعی ہے" اصولی نہیں اس قسم کے اختلافات کو مٹانا بجائے خود اختلاف ہے اور فطرت انسانی کے منافی ہے کہ تمام انسان ایک ہی طرح سے مسائل سوچیں، سمجھیں اور مانیں۔ اس قسم کے اختلافات نہ مانع اتحاد ہیں نہ مانع توحید ہیں، نہ ان کا نام فرقہ بندی ہے زیادہ سے زیادہ ان کو مختلف مکاتیب خیال کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب اصول دین میں متحد ہیں۔ اس کا بدیہی ثبوت وہ قرار داد ہے جو متحدہ طور پر علماء نے پیش کی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف پرویز صاحب ایک عالمگیر برادری کا تصور آیات قرآنی سے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:۔

"تمام نوعِ انسانی ایک عالمگیر برادری کے افراد اور ایک خاندان کے نفوس ہیں کان الناس امۃ واحدۃ ۲۱۳/۲ ؎ قرآن کا

غیر متبدل ہے۔ یہ انسان کی تنگ نظری اور ہوس پرستی ہے جس
سے اس نے اس عالمگیر برادری کی قوموں اور وطنوں کی چار
دیواری تقسیم کر کے وحدۃ انسانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔
دوسری طرف وہ خود اس تنگ نظری میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کے مسلمہ
دینی اصولوں میں بھی ان کو وحدت نظر آتی ہے۔ ان کے فروعی اختلافات ان
کی نظر میں کفر و شرک جیسے ناقابل معافی جرائم ہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ
وہ خالص بے دین، لامذہب، غیر مسلم، کافر و مشرک انسانوں کے لئے وحدت
خالق یا وحدت مخلوق کے پروگرام میں کوئی جگہ نکال سکیں گے، وحدت خالق تو
سب جانتے ہیں پھر وحدت مخلوق کیا چیز ہے؟ مخلوق میں تو کثرت ہے۔
پرویز صاحب کو کون سمجھائے کہ قرآن کو صاحب قرآن سے الگ کر کے
سمجھنے کی ہر کوشش یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا کا مصداق اور یہی وہ کوشش ہے
جس کو کہا گیا ہے ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ حیات دنیوی میں
جد و جہد انسانی کی بے راہ روی اور گم کردہ راہی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اس گمراہی
کو نیکوکاری سمجھتے ہیں، برائی کو بھلائی جانتے ہیں۔ وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ
يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔

مسخ قرآن کے نمونے آہ قرآن کس طرح مسخ کیا جا رہا ہے، پرویز صاحب
کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى
(اے اللہ مجھے دکھا کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟) ۲۶۰/۲
یہ واقعہ قرآن میں تفصیل سے موجود ہے پرویز صاحب نے اس آیت قرآنی
کو اس طرح مسخ کیا ہے۔

"ہمیں دکھا کہ تو دلوں کے ویرانوں کو کس طرح از سر نو آباد کیا
کرتا اور مردہ قوموں کو کس طرح زندہ اقوام کی صف میں کھڑے
ہونے کے قابل بنایا کرتا ہے"؟

اس دور الحادیت میں جبکہ آخرت کی زندگی کا انکار ہے، مردوں کا زندہ ہونا بھی افسانہ طرازی سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے "یحی الموتی" کا ترجمہ۔ مردہ قوموں مردہ دلوں کو از سر نو زندہ کرنا۔ کتنا انوکھا نرالا ترجمہ ہے۔ احادیث سے کوسوں دور۔ روایتوں سے صاف معرا۔ علمار کرام سے بالکل متضاد، تمام مفسرین کے بالکل خلاف، لغت سے بالکل بے تعلق۔ صرف و نحو سے آزاد، اصول ترجمہ سے مطلقاً منحرف، ترجمہ ہے یا تفسیر ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے شعر موزوں ہو رہے ہیں اور جو الفاظ وحی میں رہ گئے تھے وہ پرویز صاحب بحیثیت تلمیذ الرحمٰن اپنی طرف سے قرآن میں بڑھا کر اس کی کو پورا کر رہے ہیں۔

مسخ قرآن کا دوسرا نمونہ

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۲/۱۸۶

ترجمہ:۔ میں اپنی کتاب زندہ کے ذریعے ہر اس شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے، وہاں سے جواب لینے کے لئے، انسان کی پکار میں سچی طلب، آرزو میں شدت اور ذہن میں سمجھنے کی صلاحیت شرط ہے۔ جب مانگنے والا اس نہج سے مانگتا ہے تو اس کی کتاب خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے (ص ۱۰ خطاب پرویز)

قرآن کی آیت کا سیدھا سادا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں"۔

آپ نے دیکھا پرویز صاحب نے اس آیت میں کیسے کیسے اضافے کئے

ہیں؟ پھر ظلم یہ ہے کہ وہ اضافے اس انداز سے کیے گئے ہیں کہ اردو داں طبقہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ فقرے پرویز صاحب کے نہیں بلکہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اللہ تعالیٰ کی زبان سے خود پرویز صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی "کتاب زندہ کے ذریعے (ہر شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ کہیں نہیں فرمایا، چنانچہ پرویز صاحب نے آیت کے ترجمے یا تشریح کے نام سے کہا ہے کہ:-

الف :- خدا کا اپنی کتاب کے ذریعہ دعا کا جواب دینا۔

ب :- خدا سے جواب لینے کی شرائط ثلاثہ۔

جم :- خدا سے مانگنے کا یہ نہج خاص کہ کتاب اللہ سے دعا طلب کی جائے اور کتاب اللہ اس دعائیہ سوال کا جواب دے۔

د :- خدا کو موقعت جواب میں ثابت کرنا "کتاب اللہ میں امور مستفسرہ کا جواب مل جانا اور بات ہے اور خدا کا بندوں کی دعا قبول کرنا اور بات۔ ہے ان میں فرق نہ کرنا قرآن سے بے بصیرتی اور جہلِ عظیم ہے آیت زیر بحث کا مفاد "دعا اور اجابت" کے سوا ہے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب وہم فاسد اور منائع کاسد ہے ـــــ اس کو قرآن سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

آئین سازی

زیر نظر خطاب میں جا بجا پرویز صاحب نے اپنی آئین سازی کی صلاحیتوں کی طرف اشارے کیے ہیں اور قرآن کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے اپنی اس تجویز کو دوہرایا ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ مگر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے پرویز صاحب کے بیان میں عبارت مندرجہ ذیل پڑھی۔

جہاں تک حکومت کی ہیئت FORM OF
حکومت کی ہیئت GOVERNMENT کا تعلق ہے، قرآن اس
کا تعین نہیں کرتا لیکن اس کے لئے ایک غیر متبدل اصول بیان کرتا ہے یعنی
اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۴۲ امور مملکت امت کے باہمی مشورے
سے طے پائیں گے (۲)

حالانکہ قرآن کا دعویٰ ہے لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ
(۲) تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ،
یعنی قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور خشک و تر پر اس کے بیانات محیط
ہیں جیسا قرآن کی رو سے حکومت الہیہ کا قیام ضروری قرار دیا جاتا ہے تعجب ہے
حکومت کی ہیئت متعین کرنے سے خاموش ہو۔ پرویز صاحب کو قرآن میں کمی تسلیم
کرنے کے بجائے اپنے علم میں کمی تسلیم کرنا زیبا تھا یا کم از کم انھیں اپنے ان الفاظ
کا پاس لازم تھا جو ۲ پرویز کہہ چکے ہیں ۔ وہ میں اپنی کتاب زندہ کے ذریعہ ہر اس
شخص کے سوال کا جواب دیتا ہوں جو مجھے پکارتا ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر عمل کر کے دکھایا، مسلمانوں کی تربیت
فرمائی اور ان کو قرآن پر عمل کرنا سکھایا۔ حضرت عمر فاروق جو آغوش نبوت کے
تربیت یافتہ ہیں بجا طور پر فرما سکتے ہیں حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کیونکہ کتاب اللہ کے
معنی مطالب حقائق اور معارف انھوں نے براہ راست حضور سے سیکھ لئے تھے
اس تعلیم و تربیت کے بعد کتاب اللہ ان کے لئے یقیناً کافی تھی۔ لیکن آج ۱۴۰۰
برس کے بعد اگر کوئی شخص بھی یہی جملے دہراتا ہے کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ تو اس کے جھوٹ
غلط ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ دعویٰ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ
خود کو نبی جیسا سمجھتا ہے اور ایسی سمجھ رکھتا ہے کہ جو نبی کی سمجھ میں آیا تھا وہی اس

بھی سمجھ لیا اس صورت میں نبی اور غیر نبی کے علم قرآن اور فہم قرآن میں کچھ فرق نہیں رہا۔ یا پھر وہ خود کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہمسر و ہم پلہ سمجھتا ہے۔ پہلی صورت میں اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ نبی کا معلم خود خدا ہے اور دوسری صورت میں حضرت عمر کا معلم خدا کا رسول ہے۔ مدعی کا معلم کوئی مولوی ہو گا۔ یا لعنت کی کتابیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

خوارج نے حضرت علی علیہ السلام اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو جو علم قرآن و فہم قرآن میں اپنی نظیر آپ تھے تلوار کے گھاٹ کیوں اتارا؟ صرف اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک صحابہ کو موت کی نیند سلا کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔ مگر انہی روایات ان کے اقوال رہتی دنیا تک دنیا میں رہیں گے اور امت کے لئے نمونہ بہار ابہت بن جائیں گے۔

آج خوارج کی فکری اور اعتقادی ذریات ہمارے زمانہ میں صحابہ کبار کے ان روشن کارناموں کو دیکھتی ہے تو اپنے پیشرو خوارج کی ناکامی اور نامرادی پر آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے اور پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانا چاہتی ہے جو مشیع نبوت سے مستنیر ہے اس زمانہ میں صحابہ کرام ہوتے تو ان کے ساتھ یہ منکرین حدیث کیا وہی برتاؤ نہ کرتے جو خوارج نے کیا تھا۔

آج وہ جو کچھ کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے

آج وہ جو کچھ کر سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے جسموں کو مجروح کرنے کے بجائے ان کے اقوال ان کی روایات کو مجروح کریں اس میں وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ آپ کو اس منزل میں حسبنا کتاب اللہ کے معنی اس لغت میں ملیں گے جس لغت میں ان الحکم الا للہ کے معنی خوارج نے دریافت کئے۔

اس مکتب کے سب سے بڑے داعی پرویز صاحب ہیں وہ انکار حدیث میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور قرآن کو قرآن سے سمجھنے کے بڑے مدعی ہیں۔ وہ اقبال مرحوم سے استفادہ میں عار نہیں سمجھتے۔ انگریزی قوانین اور اس کے اصطلاحات سے متمتع ہونے میں نہیں فرماتے، یورپ کے لٹریچر اور حکماء و فلاسفہ جدید و قدیم کے سرمایہ سے مستعار لینے میں انہیں عار نہیں۔ مگر ان کے ذوق تجدید پر جو چیز گراں گذرتی ہے وہ صرف احادیث نبوی سے تمسک ہے۔

اپریل ۱۹۵۹ء کے سالانہ کنونشن میں پرویز صاحب نے فرمایا۔

غیر متبدل اصول وہ غیر متبدل اصول اور اقدار کیا ہیں جو اسلامی مملکت اور اس کے آئین کی بنیاد بنتے ہیں؟ زندگی کا مادی یا میکانکی تصور MATERIALISTIC CONCEPT کا ذکر کرتے ہوئے پرویز صاحب نے کہا۔

انسانی ذات زندگی کا دوسرا تصور یہ ہے کہ انسان صرف اس جسم سے عبارت نہیں جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے خودی (SELF) یا ذات (PERSONALITY) کہا جاتا ہے انسانی ذات نہ مادی ارتقاء کی پیداوار ہے نہ طبیعاتی قوانین کے تابع یہ ہر فرد کو خدا کی طرف سے ملتی ہے

لیکن غیر نشوونما یافتہ (UNDEVELOPED) مضمر (POTENT) یا امکانی (REALISEABLE POSSIBILITY) کی شکل میں زندگی کا مقصود انسانی ذات کی نشوونما ہے اگر اس کی مناسب نشوونما ہو جائے تو جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی بلکہ یہ بدستور زندہ رہتی ہے اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے آگے بڑھتی ہے جس طرح جسم کی پرورش کے لئے طبیعیاتی قوانین ہیں اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ یہ وہی قوانین ہیں جنہیں قرآن کے غیر متبدل اصول کہا جاتا ہے اگر انسان ان اصول کے مطابق زندگی بسر کرے تو اس کی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے اگر وہ ان سے انحراف برتے تو اس کی ذات میں ضعف و انتشار پیدا ہو جاتا ہے (۱) کچھ آگے چل کر کہا ہے۔

لہذا سب سے پہلی قدر خود انسانی ذات ہے اس قدر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے باقی اقدار اس کے گرد گردش کرتی ہیں یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس خدا کو مانتا ہے جس نے کارگہ کائنات کو پیدا کیا اور جس کے قوانین کے مطابق یہ عظیم الشان سلسلہ اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے لیکن وہ انسانی ذات پر یقین نہیں رکھتا تو قرآن کی رو سے اس کا خدا کا ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا انسان کا اپنی ذات پر ایمان خدا پر ایمان کی بنیادی شرط ہے (ص ۱۴)

زندگی، خودی (انسانی ذات) کا نظریہ بیان کرتے ہیں ہم پرویز صاحب فلاسفہ روحانیین کے حرف بحرف ترجمان نظر آتے ہیں اور زندگی کا مقصود انسانی ذات کا نشوونما قرار دیتے وقت وہ اہل تصوف کے لباس میں ملبوس دکھائی دیتے ہیں۔

انسان کی ذات کو سب سے پہلے قدر اور اس قدر کو مرکز کی حیثیت عطا

کرنے کے بعد جہاں انھوں نے یہ کہا ہے کہ انسان کا اپنی ذات پر ایمان خدا پر ایمان کی بنیادی شرط ہے ان کا یہ کلام "منکر او اگر شدی منکر خود شدی" اقبال کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس کو توارد کہا جائے گا یا سرقہ یا استفادہ۔ بہر حال یہ گراں قدر خیالات جو خودی، ارتقائے ذات کے متعلق پرویز صاحب نے ظاہر فرمائے ہیں۔ روحانیین صوفیاء اور حکماء کی متاع عزیز ہیں، پرویز صاحب ان کے متعلق یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ:۔

متاع من نہ تہا نخانہ ازل بردہ است

البتہ یہ دیکھنے والے پرویز صاحب کی زبان سے ان کی باتیں سن کر یہ ضرور کہیں گے۔

"حرف مرداں را تُند زد از مکر دفن"

"حرف دزدی" کا الزام پرویز صاحب پر نہ آتا اگر وہ مسئلہ خودی کو خدا پر شان اہمیت اور مرکزی حیثیت دینے کے بعد یہ نہ فرماتے کہ:۔

اولاً۔ لیکن انسان ان (قرآن کے غیر متبدل اصول یا اقدار) کے مطابق انفرادی طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ صرف معاشرے کے اندر رہتے ہوئے اجتماعی طور پر ممکن ہے ص۲۱ سطر ۲-۳

ثانیاً۔ ہر فرد کا اپنے طور پر نیک بننے کی کوشش کرنا۔ قرآن اسے غیر خداوندی طریق زندگی قرار دیکر اجتماعی زندگی کو صحیح روش بتاتا ہے۔ اسی کو اسلامی مملکت کہتے ہیں ص۲۴ سطر ۱۲-۱۳

ثالثاً۔ یہ کہنا کہ لوگ اسلامی طریق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگ جائیں تو مملکت خود بخود اسلامی بن جائے گی۔ گاڑی کو گھوڑے کے آگے رکھنے کے مترادف ہے پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے اس کے بعد لوگ اسلامی زندگی بسر

کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے لوگ صحیح معنوں میں مسلمان بن جاتے ہیں اور پھر مملکت خود بخود اسلامی ہو جاتی ہے (ص ۲۵)

رابعاً۔ رہبانیت یعنی تصوف کے خلوت کدوں کی زندگی اسی لئے غیر قرآنی ہے کہ اس میں ہر فرد اپنی روحانی ترقی کی فکر میں مگن رہتا ہے اور پورے معاشرے کو اس میں شامل نہیں (ص ۱۵ سطر ۱۶-۱۷)

خامساً۔ اللہ والوں نے روحانی ترقی کے لئے اپنے آپ کو خانقاہوں کی چہار دیواری میں محبوس کر کے باقی انسانیت سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا۔ ارباب شریعت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر ہر فرد اپنی اپنی جگہ نیک بن جائے تو اسلام کا مقصد پورا ہو جاتا ہے (ص ۲۰ سطر ۷-۸)

پانچوں اقوال جو ہم نے ان کے طویل بیان میں سے اخذ کر کے نقل کئے ہیں صرف ایک اسی بات کا بار بار اعادہ ہے کہ کسی فرد کی یہ کوشش کہ وہ نیک بنے غیر قرآنی ہے غیر خداوندی ہے رہبانیت ہے حالانکہ ان پانچوں اقوال سے پہلے خودی SELF کی مرکزی حیثیت اس انداز میں بیان کی جا چکی ہے کہ کائنات اور خالق کائنات دین و ایمان اور قرآن کی غیر متبدل اقدار کا مدار خودی انسانی خودی پر ہے جو ہر انسان کو خدا کی طرف سے ملتی ہے اور صاف لفظوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زندگی کا مقصد انسانی ذات یا خودی نشو و نما اور ارتقا ہے۔

جب ہر انسان خداداد خودی کا مالک ہے اور خودی وہ مرکزی قدر ہے جو تمام اقدار کا مرجع ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جتنے انسان اتنی ہی ذاتیں اتنی ہی ان کی خودیاں پھر چونکہ ہر انسان کی خودی مرکزی حیثیت رکھتی ہے اس لحاظ سے ہر انسان بجائے خود مرکز ہے اس لئے جتنے انسان اتنے ہی مراکز ہے۔"

عدل و مساوات اجازت نہیں دیتے کہ کسی انسان کی خودی کو اپنی
خودی سے کم تر درجہ دیا جائے ۔ پھر ادنیٰ اعلیٰ حاکم محکوم کے امتیازات کہاں
سے آئیں گے ۔ نیک و بد صالح و طالح مومن و کافر سعید و شقی کے مراتب کس
طرح متعین ہونگے ظاہر ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ حاکم و محکوم کے امتیازات جہد و عمل
سے اور جہد و عمل استعداد و صلاحیت سے پیدا ہوتے ہیں اور نیک و بد کے
مراتب نفس کی حالت کے اختلاف سے متعین ہوتے ہیں اور نفس کا یہ حال
ہے جو قرآن بتاتا ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۔ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ
کر لیا وہ یقیناً فلاح یافتہ ہے مگر تزکیہ نفس کے نام سے بھی جن لوگوں کو
وحشت ہوتی ہے ان کی خودی کا مقام از روئے قرآن جو متعین ہوتا ہے وہ یہ
ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۔ اب انسانی خودی میں فرق مراتب پیدا
ہوا ۔ ایک خودی صلاح و فلاح کی مظہر ہوئی دوسری خودی شر و فساد کی
آئینہ بردار ہوتی ہے — ایک کو مومن سے نسبت ہوئی دوسری خودی کو
کافر سے نسبت ہوئی ۔ اس لئے وہ اجتماعیت جو کفر و اسلام فساد و فلاح کو گلے
ملانا چاہتی ہے قرآن کا مطمح نظر نہیں ۔ قرآن اس اجتماعیت کا قائل ہے جہاں
سب اللہ کی رسی سے بندھے ہوں جس میں ہر فرد کی خودی اللہ کے رنگ
میں رنگی ہوتی ہے اور یہ گلہائے رنگ رنگ اللہ کے رشتہ میں بندھ کر
ایک حسین گلدستہ بن جاتے ہیں اس گلدستہ میں سینا ناسی اور دھتورے
کے پھول نہیں کھپ سکتے یوں تو کہنے میں وہ بھی پھول ہی کہلاتے ہیں
بالکل اسی طرح وہ افراد جنکی خودی صالح نہیں کہنے میں انسان ہوں دیکھنے
میں انسان ہوں واقعہ میں انسان نہیں حیوان ہیں "کالانعام بل اضل"
بلکہ حیوانوں سے بھی گئے گذرے اسلئے وہ اسلامی اجتماعیت میں ضم

نہیں ہو سکتے۔

اس قسم کی اجتماعیت جس میں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بودھ سب شریک ہوں۔ سیاسی اغراض کے ماتحت دنیاوی اغراض و مقاصد کے ماتحت صورت پذیر ہو سکتی ہے مذہبی عقائد کی بنا پر نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اپنے نظام حکومت میں اتنی جامعیت اور وسعت رکھتا ہے کہ غیر مسلم اقوام کے جان و مال عزت و آبرو و مذہب و ملت محفوظ رکھنے کی ضمانت اس میں موجود ہے۔ مگر جہاں تک مذہبی افکار و رجحانات کا تعلق ہے وہ ان کو کسی قیمت پر کہیں رہن رکھ کر کسی مفاہمت پر کبھی رضامند نہیں ہو سکتا۔

اس لئے پرویز صاحب کا یہ انکشاف کہ:۔

لقد کرمنا بنی آدم کی رو سے بادشاہ اور چمار یکساں واجب التکریم ہیں اور قرآنی نقطۂ نظر سے امیر غریب کالے گورے کی تمیز نہ کافر و مومن کی تفریق ہے نہ وطن و نسل کا امتیاز ہے نہ بود و ماند کی خصوصیت۔

"آدمیت احترام آدمی است" قرآن کا بنیادی اصول ہے۔ جو بھی اس کی حفاظت کرے گا اسلامی کہلائے گا۔

قرآن پر تہمت ہے۔ قرآنی اکرام و تکریم کے درجات تقویٰ سے متعین ہوتے ہیں۔ اکرمکم اتقاکم نیک و بد کا درجہ مساوی تسلیم کرنے سے قرآن کا انکار ہے۔

ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین امنوا و عملوا الصالحات سواء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون

قرآن انسانی درجات میں اختلاف کا قائل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍكُمْ دَرَجٰتٍ قرآن اللہ تعالیٰ کو رفیع الدرجات بتاتا ہے۔

نور وظلمت کا درجہ مساوی نہیں ہو سکتا۔ لَا یَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ۔ دھوپ سایہ یکساں نہیں ہو سکتے وَلَا الظِّلُّ وَالْحَرُوْرُ۔ اندھے اور آنکھوں والے برابر نہیں۔ لَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ۔ نور و نار کفر و ایمان مساوی نہیں ہو سکتے۔ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ۔

مرغی سے انڈے یا انڈے سے مرغی

درخت بیج سے پیدا ہوتا ہے یا بیج درخت سے؟ انڈا مرغی سے پیدا ہوتا ہے یا مرغی انڈے سے پیدا ہوتی ہے؟ آپ ان سوالات کے جواب میں جو کچھ کہہ سکتے ہیں بالکل وہی پرویز صاحب کی اس بات کا جواب ہوگا جو انھوں نے اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے متعلق کہی ہے وہ کہتے ہیں یہ کہنا کہ لوگ اسلامی طریق کے مطابق زندگی بسر کرلے لگیں تو مملکت خود بخود اسلامی بنجائیگی گاڑی کو گھوڑے سے آگے رکھنے کے مترادف ہے پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے اسکے بعد لوگ اسلامی زندگی بسر کرنیکے قابل ہوتے ہیں ص۲۵ وہی انڈے مرغی والا سوال ہے مسلمانوں سے اسلامی مملکت ہے یا اسلامی مملکت سے مسلمان ہیں اس مسئلہ کا حل تاریخ اسلام میں تلاش کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان پہلے ہیں حکومت بعد میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ صحابہ کبار کی زندگی ہمارے سامنے ہے، مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی مظلومانہ زندگی مدینہ طیبہ کی ہجرت

بدر و احد کی معرکہ آرائیاں پہلے۔ فتح مکہ بعد میں ہے۔ اسلئے پرویز صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ پہلے مملکت اسلامی بنتی ہے۔ پھر فرد کا اپنے طور پر نیک بننے کی کوشش کرنا۔ قرآن اسے غیر خداوندی طریق زندگی قرار دیکر اجتماعی زندگی کو صحیح روش بنانا ہے اسی کو اسلامی مملکت کہتے ہیں۔

ماڈرن اسلام

سائنس کی حیرت ناک ترقیاں لوگوں کے دل ودماغ پر اتنی چھا گئی ہیں کہ مذہب کی وقعت ایک فرسودہ نظام سے زیادہ نہیں رہی ہے وہ ممالک جو سائنس کے لحاظ سے ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں مذہبی قیود سے مطلقاً آزاد ہیں وہاں عملاً نہ کوئی دین ہے نہ کوئی مذہب۔ مگر ان ممالک کی دیکھا دیکھی لا مذہبی رجحانات پوری دنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ اہل مذاہب آج اپنے اپنے مذہب کے ساتھ بہت کم مخلص اور برائے نام وفادار رہ گئے ہیں اور جو تھوڑے سے بہت مخلص یا وفادار لوگ ہیں انکا بھی یہ حال ہے کہ ان سے مذہبی عقائد سنبھالے نہیں سنبھلتے سائنس کی ترقی اور مادیت کے عروج کو دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مذہب کو بھی سائنٹفک بنالیا جائے ان کے نزدیک سائنس تو مذہب کی ماتحتی قبول نہیں کرتی۔ اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مذہب کو سائنس کے تحت کر لیا جائے۔ اسی احساس کمتری میں جہاں دنیا کے دوسرے مذاہب بری طرح گرفتار ہیں، وہاں وہاں مذہب اسلام کے ماننے والوں میں بھی ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جس نے اسلام کو خالص مادی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اس طبقہ کے نزدیک دین مرچکا ہے اس لئے وہ اس کو زندہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ ان کے خیال میں دین اسلام پرانا ہو گیا ہے اس لئے تجدید کی ضرورت ہے تجدید و احیائے

دین کے کارناموں پر آپ ایک سرسری نظر ڈالیں گے تو پہلی نظر میں معلوم ہو جائیگا کہ مادیت کو کس خوب صورتی سے دین کا جامہ پہنایا جا رہا ہے اور پھر کس فخر و ناز سے اس کو دینی خدمت بتایا جا رہا ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ اسلام پر جو اعتراضات روس کے لادینی دل و دماغ اٹھا سکتے ہیں بالکل وہی اعتراضات ہمارے "اہلِ تجدید" کی زبان و قلم سے نکل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ باتیں سن لیجئے۔

روسی مفکرین کہتے ہیں کہ مسلمان توہم پرست ہیں۔ وہ یہ طلسمی عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان مر کر زندہ ہوگا۔ انسان سے قبر میں سوال و جواب ہوں گے عذاب و ثواب ہوگا۔ روسی مفکرین کے جواب میں زیادہ سے زیادہ ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ حیات بعد الممات (موت کے بعد زندگی) کے نظریہ پر جو اعتراض نزولِ قرآن کے وقت عہد جاہلیت کے بدو عربوں نے کیا تھا وہ یہی تھا کہ گلی ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ روسی مفکرین نے یہ ثابت کر دیا کہ حیات بعد الممات کے انکار میں آج کا ترقی یافتہ لادینی دل و دماغ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیچھے کی منزل میں ہی محبوس ہے۔

ہم کفر و اسلام میں کوئی مفاہمت کی راہ تو نہیں نکال سکتے کیونکہ بنیادی طور پر کفر و اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر ہمارے تجدد پسند حضرات اپنی روشن خیالی اور بیدار مغزی کی داد حاصل کرنے کے لئے حیات بعد الممات جیسے دینی عقیدہ سے بھی دست بردار نظر آتے ہیں۔ عام مسلمانوں کا کیا ذکر ہے؟ یہ لوگ حیات شہید کے بھی قائل نہیں رہے جن کی حیات کا قرآن اعلان کر چکا ہے۔ اسی طرح حیات انبیاء کے بھی وہ قائل نہیں رہے جو پوری امت کا مسلمہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا عقیدہ، آپکی عصمت

کا عقیدہ۔ ان کے نزدیک غلو آمیز اور طلسمی عقیدہ ہے۔ اس کے بعد اندازہ کیجیے کہ اسلام اور مادیت دونوں حیات بعد الممات کے مسئلے کے انکار میں یکساں متفق ہیں یا نہیں؟

روسی مفکرین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے مردوں کو زندہ سمجھتے ہیں۔ انھیں کھانے پینے کی چیزیں بھیجتے ہیں ان کی قبروں پر جاکر انھیں سلام کرتے ہیں، فاتحہ پڑھتے ہیں، جسکا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی طلسمی فائدہ پہنچے۔

کون نہیں جانتا کہ بالکل یہی خیالات "سائنٹفک اسلام" والوں کے ہیں۔ قبروں کی زیارت کرنا، ایصال ثواب، فاتحہ، درود، میلاد شریف عرس کو یہ لوگ ناجائز، بدعت، شرکت اور نہ جانے کیا کہتے رہتے ہیں جس سے ان کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تمام کام جن سے حیات اخروی کی یاد دہانی ہوتی ہے بند کر دیئے جائیں۔

یہ نادان نہیں جانتے کہ اسلام کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد حیات بعد الممات ہی کا تصور ہے۔ اگر یہ تصور اس عنوان کی زندگی میں ماند پڑجاتا ہے تو پھر جزا و سزا، جنت و دوزخ گناہ و ثواب کے نظریات بالکل لغو ہو کر رہ جاتے ہیں۔ روسی لادینیوں کے علاوہ ہندو مذہب، بودھ مذہب کے ماننے والوں کی کثیر تعداد حیات بعد الممات کے عقیدہ کی تردید میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ پھر یہ کس قدر عاقبت نا اندیشی ہوگی کہ حیات کے اس تصور کو قبول کیا جائے جو خالص مادی تصور ہو اور حیات کا وہ اسلامی تصور قبول کرتے ہوئے شرمائے جس میں زندگی ازل سے ابد تک غیر منقطع مسلسل اور جاری و ساری ثابت ہے۔

قرآنی نظریۂ حیات

جو بچہ آج پیدا ہوتا ہے۔ مادی اعتبار سے اس نے میدانِ زندگی میں پہلا قدم آج ہی رکھا ہے مگر قرآن گواہی دیتا ہے کہ اس بچہ نے ہم سب کی طرح ازل میں بغیر کانوں کے اَلَستُ بِرَبِّکُم کی آواز سنی اور بغیر زبان کے جواب میں بلیٰ کہا حالانکہ وہ عالمِ وجود میں آگیا ہے اور اس صورت میں آیا ہے کہ تمام علم و شعور سے عاری ہے سوال سننے اور جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر اس کے باوجود ازل میں اس کے لئے یہ صفات ہیں اور بغیر جسم و جسمانیات کے ثابت ہیں اسی طرح مرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ انسان قبر میں منکر نکیر سے سوال وجواب میں مشغول ہے۔ حشر تک موقف احتساب میں حاضر ہے حساب کتاب کے بعد جنت و دوزخ میں زندہ و پائندہ اس طرح وہ زندگی جو اصل سے شروع ہوئی ہے ابد تک چلی جاتی ہے۔ نہ انسان راستہ میں کہیں گم ہوجاتا ہے۔ نہ کم ہوجاتا ہے نہ زیادہ ہوجاتا ہے نہ بدل جاتا ہے تغیر و تبدل صورت انسانی پر واقع ہوتے ہیں حقیقت انسانی نہ تغیر قبول کرتی ہے نہ کبھی فنا۔

خبر میں آیا ہے کہ جنت والوں کے پاس خدا کا فرشتہ آئیگا پہلے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کریگا اور ان کے پاس پہنچ کر ایک مکتوب حوالہ کرے گا یہ مکتوب خالق کائنات کی طرف سے اہلِ جنت کے نام ہوگا جس میں سلام کے بعد لکھا ہوگا کہ خدائے حیّ و قیّوم کی طرف سے جو کبھی نہ مریگا یہ خط ہے بنام ان لوگوں کے جو حیّ زندہ اور قیّوم ہو چکے ہیں اور کبھی نہ مریں گے۔ اما بعد پس معلوم ہو کہ میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ وہ ہوجائے وہ ہوجاتی ہے یعنی کُن کہتا ہوں فیکون پس وہ ہوجاتی ہے اور اب تم کو بھی میں یہی بنا دیتا ہوں کہ جس شئے کو کُن کہوگے وہ ہوجائے گی۔

معاندینِ حدیث و قرآن

قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ حوادثِ زمانہ اور انقلاباتِ روزگار کی دستبرد سے "کتاب اللہ" ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ اسی طرح ہمیں اعتمادِ کلی ہے کہ کفر و طاغوت کی تمام قوتیں متحد ہو کر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گی تو بھی کتاب اللہ کے ایک حرف کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب نہ ہوں گی۔

مگر اس ایمان و ادعان کے باوجود ہمارا ایمانی فریضہ ہے کہ ہم کتاب اللہ کی حفاظت کے لئے تن من دھن سے جو خدمت بھی کر سکتے ہوں، اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، کلمات و عبارات سے لے کر مفاہیم و معانی اور مفاہیم و معانی سے لے کر ان کے حقائق و غوامض تک کی حفاظت، کتاب اللہ کی حفاظت کے مفہوم میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حفاظتِ قرآنی کی ذمہ داری بحیثیتِ مجموعی اُمت نے سنبھال رکھی ہے۔ وہ افرادِ امت بھی ہیں جو حقیقتِ قرآن کے پورے پورے حافظ ہیں۔ اور وہ افراد بھی ہیں جو معانی قرآن کے پورے پورے حافظ ہیں اور ایسے افراد بھی ہیں جو حقائقِ قرآن کے پورے حافظ ہیں اور وہ بھی ہیں جو ان تمام امور کو جامع ہیں۔ اس لئے

کہ حقائق معانی سے اور معانی الفاظ و عبارت سے جدا نہیں ہیں، مگر وہ افراد جو الفاظ و عبارات کے حافظ ہیں ضروری نہیں کہ معانی اور حقائق کے بھی حافظ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے حفاظِ قرآنی ایک آیت کے معنی بیان کرنے سے بھی قاصر ہیں اور بہت سے معنی جاننے والوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان معنوں کی حقیقت پر نہ خود مطلع ہیں اور نہ دوسروں کو ہی مطلع کر سکتے ہیں۔

بہر کیف جہاں تک حفاظتِ قرآن کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بنابتہٖ پورا ہو رہا ہے اور پوری امتِ مسلمہ اپنی انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے حفاظتِ قرآنی کی ذمہ داری کے کام میں لگی ہوئی ہے۔

جس طرح پوری امت اپنے افکار و اعمال کے لحاظ سے قرآنی حصار میں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن بھی امتِ مسلمہ کے حصار میں ہے قرآن انکی حفاظت کر رہا ہے اور وہ قرآن کی حفاظت کر رہے ہیں۔ دنیا زیر و زبر ہو جائے۔ مگر قرآن میں زیر و زبر کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بہر صورت قرآن مجید خود حصار ہے اور ایسا حصار ہے کہ جس میں آگے پیچھے دائیں بائیں کہیں سے بھی باطل داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کی عصمت ہی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت سے وابستہ ہے، آپ کی عصمت، امت کا اجتماعی عقیدہ ہے اگر کوئی شخص اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر دوسرے لفظوں میں وہ کتاب کی عصمت کا بھی قائل نہیں ہے کیونکہ جب نبی ہی معصوم نہیں ہے تو اس کی زبان سے نکلی ہوئی عبارت کب خطا سے پاک ہو سکتی ہے!

کتاب اللہ پر ایمان لانے سے پہلے ضروری ہے کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے جب آپ کو نبی معصوم تسلیم کر لیا گیا تو پھر آپ نے

جو کچھ فرمایا ہے وہ سب کا سب قابلِ تسلیم ہوگا۔

معلوم ہوا کہ مدارِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اسلئے وہ تمام فرقے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی عظمت قائم کرنے کو دین سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک بے دین ہیں۔ حضور کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی کے بعد نہ دین باقی رہتا ہے، نہ ایمان باقی رہتا ہے۔ پھر چاہے کوئی خود کو اہلِ حدیث ہے یا اہلِ قرآن وہ کبھی اہل حدیث نہیں ہو سکتا ہے۔ نہ اہل قرآن ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن و احادیث کی عظمت و عصمت تو حضورؐ کی عصمت و عظمت سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے آپؐ ہیں، اس کے بعد قرآن اور احادیث ہیں۔

قرآن مجید نے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ:-

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

(تم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو)

آپؐ کی جناب میں بلند آواز سے بات کرنا بھی ایسی بے ادبی ہے کہ اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ یہ ادب کی انتہا اور انکسار و عجز کا کمال ہے جو بندوں کو خدا کی طرف سے بارگاہ حبیب میں حاضری کے وقت ملحوظ رکھنے کے لئے تعلیم کیا گیا ہے — کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک محدود تھا — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ کرام کو جو باوازِ بلند مزار پر انوار کے قریب سرگرم گفتگو تھے رفع صوت سے اسی آیت کے مطابق منع فرمایا۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی آواز مبارک

پر آواز بلند کرنا بے ادبی تھا۔ آج بھی یہ ادب شرط ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث مبارک کو سن کر یہ آواز بلند کرتا ہے کہ میں اس حدیث کو نہیں مانتا تو یقیناً یہ بھی نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا ہے کیونکہ سنت نبوی کا دوسرا نام ہی حدیث نبوی ہے۔

انکارِ حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو ہم احادیث نبوی کہتے ہیں۔ یہ احادیث مبارکہ ہم تک جن ذرائع سے پہنچی ہیں۔ ان ذرائع میں راویوں کے نام آتے ہیں۔ ان راویوں کے متعلق آئمہ فن نے تحقیق و تفتیش کی ہے اور ایک مستقل فن اسماء الرجال اس سلسلہ میں وجود پذیر ہوا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی تاریخ اتنی چھان بین کے ساتھ مدون ہوئی ہو جتنی چھان بین سے احادیث کی تدوین ہوئی ہے۔ بہرحال احادیث کی صحت و ضعف معلوم کرنے کے جو امکانی ذرائع ہو سکتے ہیں وہ تدوین احادیث کے سلسلہ میں نظر انداز نہیں کیئے گئے نہ صرف روایات بلکہ درایت کے لحاظ سے بھی جو احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہوں ان کو تسلیم نہ کرنا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مطاع اور واجب الاتباع تسلیم نہ کرنا ہے۔ اس انکار کے بعد قرآن کا اقرار محض لایعنی سی چیز ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن کو ماننے والا احادیث کو نہ مانے

ہدایت و ضلالت

پھر قرآن کا یہ دعویٰ ہی کب ہے کہ اس کا دائرہ ہدایت مطلق ہے۔ عام ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اس کا دائرہ ہدایت صرف متقین کے لئے خاص ہے۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور

بہت سے لوگ قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

کہ قرآن سے گمراہ ہونے والے صرف وہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں

وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ

فسق کے بہت سے مدارج ہیں مگر فسق کا اعلیٰ ترین درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بے ادبی اور گستاخی ہے یہ ایک ایسا زہر ہے کہ جس دل میں سرایت کر جائے اس دل پر گمراہی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دین و ایمان ہدایت اور سعادت سے ایسا دل قطعاً محروم ہو جاتا ہے۔

تعجب ہے کہ وہ لوگ خود کو اہلِ قرآن کہتے ہیں جو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم رفع صوت منع کرتا ہے اور یہ بارگاہ رسالت میں کھلی بے ادبی ہے اور فسق ہے اور فاسقین کیلئے قرآن ہدایت نہیں ضلالت ہے۔

ارشاد نبوی کا سننا اور ماننا (سماعت و اطاعت) ہر مسلمان پر فرض ہے جو اس کا منکر ہے، وہ بھی اگر مسلمان ہے تو پھر مسلم و کافر میں فارق کوئی امر نہیں ہے۔

قرآن کے ساتھ ہی مخالفین قرآن بھی وجود میں آگئے تھے۔ مخالفین قرآن بھی ہر دور میں جدوجہد کرتے چلے آئے ہیں کہ اس کا درجہ گھٹایا جائے کلام الٰہی کو کلام بشری ثابت کیا جائے۔ اس صفت کے لئے انھیں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو معرض بحث میں لانا پڑا۔ آپؐ کی بشری حیثیت پر زیادہ سے زیادہ زور لگانا پڑا تاکہ بشری کمزوریوں کا تصور جو امت کے دماغ میں موجود ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم

تصور متاثر ہو۔ اور اس تاثر کے نتیجہ میں فوق البشر کارناموں کا یقین بھی متزلزل ہو جائے۔ ان کارناموں میں سے ایک کارنامہ وحی بھی ہے۔

بشری کمزوریوں کے تصور کے ساتھ اس تصور کو قائم کرنا کہ بشر خدا کا نائب اور نبی ہو سکتا ہے اور یہ کہ کسی بشر پر وحی بھی آتی ہے؟ اور وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے؟ عقل کے نزدیک کتنا دشوار ہے!

آخر وہ سب لوگ پاگل اور دیوانے تو نہیں تھے جنھوں نے ہر زمانے میں ہر نبی سے بشریت، جنسیت اور مثلیت کا دعویٰ کیا؟ ان کا یہ دعویٰ عقل کے نزدیک غلط تو نہیں تھا کہ آپ (نبی) بھی ہم ایسے ایک بشر ہیں؟ جب یہ دعویٰ صحیح تھا تو کیا ان کا یہ سمجھنا غلط تھا کہ خدا کو رسول بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا ــــ ہم ایسا بشر کس طرح رسول ہو سکتا ہے؟ اس تعجب میں وہ اپنے نفس کی حالت کے ترجمان تھے اور اپنے نفس میں چونکہ کوئی تجربہ وحی الٰہی یا خدا سے ہمکلامی کا نہیں رکھتے تھے اس لئے خارج میں وحی کا اقرار دشوار تھا۔ اور یہ بھی دشوار تھا کہ اپنے نفس کی حالت کے سوائے کسی دوسری حالت کا قیاس کسی دوسرے نفس کے لئے کر سکیں اس لئے وہ انکار رسالت پر عقلاً مجبور تھے۔

مقصد یہ ہے کہ مخالفین قرآن ہمیشہ سے صاحب قرآن کے مخالف رہے ہیں اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی اہمیت کم نہیں ہو سکی نہ اس کی رفعت شان میں کوئی فرق آسکتا ہے۔

یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی اس کا جواب تفصیل طلب ہے۔ مگر اجمالاً یہ بتانا کافی ہوگا کہ خود امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات گرامی موضوع بحث بن گئی مسلمانوں میں کچھ فرقے پیدا ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی البشری خصوصیات نہ جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور بڑے فخر و مباحات سے مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑا دینی کارنامہ سمجھتے ہیں۔

ان کی تحریر و تقریر کا سارا زور بشریت کے اثبات میں صرف ہوتا ہے حالانکہ یہ معمول کافروں کا رہا ہے کہ وہ نبیوں کو بشر کہتے ہیں اور اس بشر کہنے سے ان کی مراد ہمیشہ نبیوں کی اہانت ہوتی تھی۔ قرآن نے ہر دور کے کافروں کا یہی مقولہ بیان کیا ہے کہ وہ نبیوں کو اپنے ایسا بشر کہتے تھے۔

یہی حال کفار عرب کا تھا۔ انھوں نے بھی حضور کو بشریت کا طعنہ دیا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے فرمایا۔ انا بشرٌ مثلکم یوحیٰ الیّ۔

"میں تم جیسا بشر ہوں مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے۔"

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو بشر فرمانا اور بات ہے اور کافروں کا آپ کو بشر فرمانا اور بات ہے آپ کا یہ فرمانا کہ میں بشر ہوں بشر کی رفعت شان اور علوی مرتبت کی دلیل ہے۔

اور کفار کا یہ کہنا کہ آپ بشر ہیں، بشریت کے ادنیٰ تصوّر اور حقیر معنوں کا حامل ہے جو ان کے باطن کی خباثت اور نفس کی دنائت کی دلیل ہے اسی لئے قرآن کریم نے نبی کو بشر کہنے والوں کے مقولہ کو کافروں کا مقولہ کہا ہے۔

وقال الذین الکفرون ابشرٌ مثلنا یھدوننا

یعنی کافروں نے کہا، کیا ہم۔۔۔ البشر ہم کو راستہ دکھائیگا

اس وضاحت کے بعد یہ سمجھ میں آنیوالی بات ہے کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اپنا موضوع تحریر و تقریر بنائے ہوئے ہیں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان لوگوں کی ترجمانی کر رہے ہیں جنہوں نے نبی کو اس لئے نبی ماننے سے انکار کر دیا کہ آپ بھی ان جیسے بشر ہیں۔

نبوت اور بشریت

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اس کے قوائے عملی اس درجہ کمال پر فائز ہوتے ہیں، جہاں اس کے فکر و نظر، قول و عمل کو خطا سے پاک یقین کیا جاتا ہے یہ عصمت خدا کی دین ہے جو نبیوں کے ساتھ مخصوص ہے اس اختصاص میں کوئی بشر نبیوں کا ہمسر نہیں۔ مگر اس کے برخلاف مقولہ مشہور ہے "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان بشر کی فطرت میں خطا و نسیان نمایاں خط و خال کی حیثیت رکھتے ہیں اس ہم کسی ایسے بشر کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو گناہوں سے معصوم اور خطاؤں سے پاک ہو جب کبھی کسی بشر کا تصور ہمارے دماغ میں آئے گا، لوازم بشریت اور خصوصیات بشری کے ساتھ ہی آئیگا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گناہ اور خطا، لوازم بشری اور خصوصیات میں سے ہیں۔ مگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کرتے ہیں تو نوع بشر میں صرف آپ ہی کو ایسا فرد واحد تصور کرتے ہیں جو ہر گناہ سے معصوم اور ہر خطا سے پاک ہیں یہی خصوصیت ہر دور میں ہر نبی کی رہی ہے اس نقطہ پر نبی کا تصور بشر کے تصور کے ساتھ جنسیت اور مثلیت کے باوجود دیکھا نہیں ہو سکتا کیونکہ بشر کا تصور عیوب و نقائص، گناہ و خطا کے تمام تصورات سے خالی نہیں ہو سکتا اور نبی کا تصور عیوب نقائص گناہ و خطا کے تمام تصورات سے پاک ہے کیونکہ وہ معصوم ہے۔ پس

نبی کی بشریت کا تصور جتنا قوی ذہن نشین ہوگا اسی نسبت سے نبی کی عصمت کا عقیدہ دھندلا ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ نبی کی بشریت پر زور دینے والوں کی زبان و قلم سے نکل کر آئے دن ایسے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جنہیں عقیدۂ عصمت کے خلاف زہر افشانی ہوتی ہے۔ گذشتہ دنوں ہم نے ماہنامہ "تجلی" دیوبند کے اس مضمون کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی جسمیں عقیدہ عصمت کو بری طرح مجروح کیا گیا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم تصور کرنے میں ان لوگوں کو تردد ہے تو ان کو احادیث نبوی کی حجیت تسلیم کرنے میں تردد کیوں نہ ہوگا۔

حقیقتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے انکار کی بنیاد پر ہی انکار حدیث کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ———

پھر جو شخص منکر حدیث ہے اور حدیث کو دین میں حجت نہیں سمجھتا۔ آخر وہ کس دلیل سے قرآن کو خدا کا کلام سمجھتا ہے؟ کیونکہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر واحد دلیل یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کلام اللہ فرمایا ہے اور حضور کے ارشاد گرامی کا نام ہی حدیث ہے ؎

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است — گر نگوید از خدا آں کافر است

قرآن کو صاحب قرآن سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش نزول قرآن سے لے کر آج تک کبھی کسی مسلم نے نہیں کی۔ مگر اس زمانہ میں جبکہ دین کے نام پر نئے نئے فتنے برپا ہو رہے ہیں، ایک سب سے زیادہ خطرناک فتنہ انکار حدیث کے نام سے مشہور ہوا ہے — یہ منکرین حدیث جو در حقیقت منکرین قرآن ہیں۔ تعجب ہے کہ خود کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ اس فرقے کے سربراہ مسٹر پرویز آیات قرآنی کی ایچ پیچ سے انوکھی تفسیر کرتے

ہیں۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہر حال حدیث و فقہ کے دفتر پارینہ پر خط تنسیخ کھینچتی ہے اور ایک ایسے دین اسلام کا تصور پیش کرتی ہے جس میں مسٹر پرویز صرف شارح کی حیثیت سے نہیں بلکہ شارع کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ امت کا تزکیہ اور امت کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا نبی کا کام ہے۔ کوئی امتی بالاصالت اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا صرف وراثتًا اور نیابتًا یہ کام انجام دے سکتا ہے۔ مگر مسٹر پرویز نے اگرچہ نبوت کا بظاہر دعویٰ نہیں کیا ہے۔ مگر درحقیقت نبوت کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ اب وہ اپنی بات کو قرآن کی بات اور اپنی آواز کو قرآن کی آواز بتاتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے خدا کی کیا مراد ہے؟ یہ خدا کے رسول سے نہ پوچھئے مسٹر پرویز سے پوچھئے۔ خدا کے رسول کی بات نہ مانئے، مسٹر پرویز کی بات مانئے۔ قولِ رسول حجت نہیں۔ قولِ پرویز حجت ہے۔ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے کا حق جو مسٹر پرویز کو حاصل ہے وہ حق اس ذات کو بھی حاصل نہیں ہے جس پر قرآن نازل ہوا۔ پھر محدثین، مفسرین، متفقہین اور متکلمین تو غریب کس شمار میں ہیں۔ غالبًا مسٹر پرویز اپنے متعلق یہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مسلمانوں کو غلط راستے پر ڈال رہے ہیں اسی طرح غالبًا وہ اس امر کو ماننے سے بھی انکار کر دیں گے کہ قرآن کے معانی و مطالب بیان کرنے میں جمہور امت سے بالکل الگ تھلگ ہو کر ایک نئی راہ پر چل پڑے ہیں۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اس مرحلہ پر قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:۔

(۱) قرآن کی نئی تفسیر اور اسلام کی نئی تعبیر جو وہ پیش کر رہے ہیں اس کی سچائی کا یقین انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟

(۲) وہ راہ جو انھوں نے اختیار کی ہے اور جس کی طرف وہ مسلمانوں کی رہنمائی کر رہے ہیں اس کو راہ راست یقین کرنے کے وجوہ ان کے پاس کیا ہیں؟

(۳) تعلیم کتاب و حکمت کا منصب جو شارع علیہ السلام کا اصلی حق ہے خود شارع علیہ السلام کے علی الرغم انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟

ان سوالات کے جوابات میں جو کچھ بھی کہا جائیگا وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا ــــ!

پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پرویز صاحب اپنی پیش کردہ اسلام کی نئی تعبیر اور قرآن کی نئی تفسیر کو قیاسی اور ظنی بتائیں یا اپنا علمی کارنامہ کہیں بہر حال اس صورت میں ان کے یہ کارنامے مفید ظن ہو سکتے ہیں مفید یقین قطعاً نہیں ہو سکتے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئا ــــ اس صورت میں ان کی ہر تشریح، ہر تعبیر، ہر تفسیر توجیہہ، ہر تعبیر راہِ یقین اور جادۂ صواب سے کوسوں دور ہوگی، اس پر یقین کرنا اور یقین دلانا بنائے فاسد علی الفاسد ہوگا۔

ان قباحتوں سے بچنے کی ایک دوسری صورت ہو سکتی ہے! وہ یہ کہ پرویز صاحب اپنے ان کارناموں کو ظنی اور قیاسی تسلیم نہ کریں بلکہ اپنے اس علم کا نتیجہ قرار دیں جو کسی شک اور شبہ کو قبول ہی نہ کرتا ہو ظاہر ہے کہ ایسا علم جو غیر محتمل ہو ہر شک و شبہ سے پاک ہو یقینی اور قطعی ہوگا اور حاصل بھی انھیں ذرائع سے ہوگا جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک اور بذاتِ خود قطعی اور یقینی ہوں کسی انسان کے پاس تو ایسے ذرائع موجود ہو نہیں

سکتے" البتہ نبیوں کو یہ ذرائع حاصل ہوتے ہیں کہ ان پر آسمان سے
وحی آتی ہے، فرشتے اگر انھیں علم عطا کریں یا خدا ان سے ہمکلام ہو تو پھر جو علم
ان کے ذرائع سے آتا ہے صرف وہی قطعی اور یقینی ہو سکتا ہے۔ مسٹر
پرویز یہ تو کھل کر نہیں کہتے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر فرشتے آتے ہیں مگر وہ جو
کچھ کہتے ہیں اس کے متعلق علی الاعلان یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کی آواز قرآن کی
آواز ہے اور ان کی مراد خدا کی مراد ہے۔ کلام الٰہی کے جو مطالب وہ بیان
کرتے ہیں ان میں واللہ اعلم بالصواب کہنے کی بھی گنجائش نہیں، کیونکہ اس
صورت میں ان کا علم قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔ اور یہ امکان تسلیم کر لینے کے بعد
کہ ان کی بیان کردہ تفسیر کے علاوہ کوئی تفسیر اور ان کی بیان کردہ تعبیر کے
علاوہ کوئی تعبیر بھی خدا کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے؟ اپنی تفسیر و تعبیر پر اعتماد
کرنے کا طور انھیں بھی کوئی موقع نہیں رہتا۔ پس اس کے سوا کوئی چارہ کار
نہیں کہ وہ اپنے ان کارناموں کو پیمبرانہ کارنامے باور کرائیں، منصب نبوت پر
قبضہ جمائیں، معناً نبوت کے فرائض انجام دیں خواہ لفظاً نبوت کا دعویٰ نہ
کریں۔ حقیقتاً یہ منزل انکار حدیث کی منزل نہیں، انکار ختم نبوت کی منزل ہے
اور بالمعنیٰ دعویٰ نبوت ہے۔

دنیا میں چھوٹی سی چھوٹی اور فاسد سے فاسد تحریک بھی پروپیگنڈے
کے زور سے چل سکتی ہے، کامیاب ہو جاتی ہے اور سچی سے سچی تحریک
نشر و اشاعت کے وسائل کی تنظیم کے بغیر ناکامیابی کا منہ دیکھتی ہے"!

غیر مذہبی تحریکات کو جانے دیجئے اور دوسرے مذاہب سے بھی
قطع نظر کیجئے صرف مذہب اسلام کو لیجئے۔ اسلام کے نام پر وقتاً فوقتاً
ایسی تحریکات رونما ہوتی رہتی ہیں جن کو اسلام سے کوئی واسطہ ہو سکتا ہے

تو صرف دشمنی کا ہو سکتا ہے۔ مگر پروپیگنڈے سے وہ تحریکات خالص اسلامی مشہور ہو گئیں، عوام کا تو ذکر ہی کیا، خواص بھی ان تحریکات کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور صرف ان ظاہری خط و خال پر فریفتہ ہو کر ان کی رَو میں بہہ گئے۔

ختمِ نبوّت

امت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ امّت کے خواص و عوام اس عقیدے سے اچھی طرح باخبر ہیں مگر اس کے باوجود ادعائے نبوّت کیا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نبوت پر ایمان لانے والے افراد بھی مسلمانوں ہی سے مل گئے۔ ہمارے علماء نے اس تحریک کے توڑ میں کفر کے فتوے تو بہت دیئے، مگر تبلیغ دین کا میدان انہی کو سپرد کر دیا۔ وہ دین کے نام پر نئی نبوت اشاعت ساری دنیا میں کر رہے ہیں۔ اس اشاعت میں نظم ہے ترتیب ہے حسن ہے کشش ہے۔ یورپ میں جگہ جگہ اُن کے مبلغین بڑی خوبی سے کام کر رہے ہیں۔ خود پاکستان میں نہایت خاموشی سے یہ کام ہو رہا ہے مسلمانوں کی اکثریت معاشی تنگی میں مبتلا ہے۔ اس قسم کے مبلغین سب سے پہلے مسلمانوں کی معاشی حالت کو سنبھالنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ پھر ازدواجی سہولتیں بھی مہیا کرتے ہیں اور مایحتاج زندگی کی کفالت کا وعدہ کرتے ہیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ غریب مسلمان اس طرح ارتداد کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر اہل سنت والجماعت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، وہ کبھی کبھار مجالس مواعظ میں یا اخبارات و رسائل میں اپنے عقائد کا اظہار اور دوسروں کے عقائد کا ابطال کر دیں، اسی کو سب سے بڑی دینی

خدمت سمجھتے ہیں۔

مدعیانِ نبوت کی طرح اور بہت سی تحریکات وقوع میں آئیں، اگرچہ ان میں کھل کر نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا گیا، مگر "منصبِ نبوت" پر قبضہ جمانے کی پوری پوری کوشش کی گئی ــــ تفصیل فرصت طلب ہے ہمیں اپنے موضوع سے قریب آنے کے لئے تفصیل سے قطع نظر کرنا پڑتا ہے۔۔ ہمیں دراصل انکارِ حدیث کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔ سب سے پہلے ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ انکارِ حدیث کے معنوں کا تعین کر دینا ضروری ہے۔

(۱) یہ بھی انکارِ حدیث کی ایک صورت ہے کہ دین میں اس کی حجیت کو تسلیم نہ کیا جائے۔

(۲) یہ بھی انکارِ حدیث کی ایک صورت ہے کہ حدیث کا انکار نہ کیا جائے بلکہ راویانِ حدیث کو خاطی اور کاذب کہا جائے۔

(۳) یہ بھی انکارِ حدیث کی ایک صورت ہے کہ جو احادیث مفیدِ مدعا نہ ہوں ان کو قبول نہ کیا جائے اور جو مفیدِ مطلب ہوں ان کی حجیت سے استدلال کیا جائے۔

(۴) یہ بھی انکارِ حدیث کی ایک صورت ہے کہ نبی معصوم کی عصمت کا عقیدہ نہ ہو ــــ جب نبی معصوم نہیں تو اس کا کلام کس طرح خطا سے پاک سمجھا جائے گا؟

سب سے پہلے ہم امر چہارم پر روشنی ڈالتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم)

(یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ بذریعہ وحی ان کو پہنچایا ہے)

ہم تعجب اور حیرت سے دیکھتے ہیں کہ اچھے اچھے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت کتاب مجید کی عصمت ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ آیت بہارکہ میں اس تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ آپ کے منطوق سے صرف کتاب مجید مراد لی جائے۔

جب تخصیص کا کوئی قرینہ ہے تو یہ تشخیص کرنا کہ منطوق سے مراد عام نہیں ہے خاص ہے اور وہ خاص منطوق کتاب مجید ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے کہا ہے اور اس پر دو اعتراضات ہوتے ہیں اول یہ کہ تخصیص مذکورہ کے لئے کوئی دلیل لفظوں میں نہیں پائی جاتی۔ دوسرے یہ کہ تخصیص مذکورہ سے لازم آتا ہے کہ کلام نبوی سے اعتماد اور وثوق بالکلیہ اُٹھ جائے (العوذ باللہ)

پس تخصیص مذکورہ سے کلام مجید کی عصمت اس وقت ثابت ہوئی جبکہ قرآن مجید کلام نبوی نہ ہو اس کے سوائے ہے۔ یعنی عصمت اس بات پر موقوف ہوگی کہ کلام الٰہی کلام نبوی سے ممتاز ہو اس صورت میں کلام الٰہی بالوحی ہوگا۔ اور کلام نبوی بلا وحی ہوگا۔ حالانکہ ہم پر جبرئیل نازل نہیں ہوئے اور ہمیں انھوں نے یہ خبر نہیں دی کہ آپ کا یہ کلام وحی سے ہے اور وہ کلام بغیر وحی کے ہے ہمیں کلام معجز اور کلام غیر معجز کے متعلق جو خبر ملی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو کا حال ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام ہی سے معلوم ہوا ہے۔ پھر جب حضور کے کلام سے عصمت جاتی رہی تو کلام مجید کی عصمت بھی جاتی رہی چاہے ضمناً ہی ہی اور اس طرح کلام مجید کا قطعی ہونا بھی باطل ہو گیا، اور کلام مجید کی عصمت بھی باطل ہو گئی

پس منطوق کی تخصیص کلام مجید کے ساتھ جیسا کہ قاضی بیضاوی نے اختیار کیا ہے اولاً کلام نبوی کی عصمت کو مجروح کرتی ہے اور کلام نبوی کی عصمت مجروح ہونے کے بعد ثانیاً کلام مجید کی عصمت کو باطل کرتی ہے۔

انکارِ حدیث کی داغ بیل

قاضی بیضاوی اور دوسرے مفسرین نے جو منطوق کی تخصیص کتاب سے کی ہے غیر شعوری طور پر عصمت احادیث کو باطل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ دوسری صورت میں انکارِ حدیث کی داغ بیل اسی تصور کے ساتھ پڑتی ہے کہ قرآن کو داخلِ منطوق فرض کیا جائے اور حدیث کو خارج از منطوق اعتبار کیا جائے۔

اب امر سوم کو لیجیے جو خود کو منکرین حدیث نہیں سمجھتے۔

مفید مدعا احادیث

ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور انصاف کریں کہ وہ قائلین حدیث ہو کر عاملین حدیث بھی ہیں۔ رفع یدین، فاتحہ خلف امام وغیرہ کے متعلق مسلمانوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہر اختلاف کو رفع کرنے میں احادیث سے تقویت پہنچائی جا رہی ہے حالانکہ اختلاف کو رفع کرنے میں احادیث سے تقویت حاصل کرنا چاہیے تھی۔ کیا اس کا مطلب صریحاً یہ نہیں ہے کہ ہر فریق مفید مدعا حدیث کو مانتا ہے اور جو مفید مدعا نہیں ہے اس کو قبول نہیں کرتا۔ کیا یہ حالت بھی انکارِ حدیث کی حد تک نہیں پہنچتی ہے۔

صحابہؓ خاطی کاذب

امر دوم کو لیجیے، مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو صحابہؓ کو خاطی اور کاذب کہتے ہوئے نہیں جھجکتے۔ راویانِ حدیث صحابۂ کرام ہی تو ہیں جب ان کو خاطی اور کاذب کہا گیا تو پھر ان کی بیان کی ہوئی روایتوں کا وزن جھوٹ کی پوٹ

سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟ (پناہ بخدا) اس مکتب فکر کے لوگ خود کو اہلحدیث کہتے ہیں، ان کے نزدیک صحابۂ کبار اور خلفاء راشدین کے اقوال دین میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔

بظاہر یہ نظریہ نہایت سیدھا سادہ اور سچا دکھائی دیتا ہے کہ دین میں قرآن و احادیث یعنی کتاب وسنت کے سوائے کسی کے قول و فعل کو حجت نہ مانا جائے ــــ مگر اس سے زیادہ سیدھا سادہ اور سچا نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کتاب اللہ کو تمام دینی اغراض کے لئے کافی سمجھا جائے اور سوائے خدا کے اور کسی کی بات مانی جائے نہ سنی جائے ــــ یہی وہ نظریہ ہے جہاں اہلِ قرآن کا منتہائے نظر ہے اور کونسا مسلمان ہے جو اس نقطۂ نظر کی صحت و اصابت سے انکار کی جرارت کر سکتا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سیدھی سادی سمجھ میں آنے والی بات جو نہایت معصومانہ لب ولہجہ میں کہی جا رہی ہے لامتناہی پیچیدگیاں اور بے شمار فکر و نظر کی آوارگیاں اپنے معنوں کے پردے میں چھپائے ہوئے ہے۔ آپ اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو اہلِ قرآن کے لٹریچر کو دیکھئے فکر و نظر کی گہرائیاں پراگندہ نقاب نظر آئیں گی۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن ہی کے نام پر قرآن کی تحریف اہلِ قرآن کا نصب العین بن چکا ہے۔ قرآنی آیات کی وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اس کو یہ صرف ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک بدترین روایت پرستی ہے۔

اہلِ قرآن کے بعد ذرا اہلحدیث کے لٹریچر کو دیکھتے جائیے یہاں بھی یہ حقیقت پس پردہ نہیں عریاں ہے کہ جس طرح اہل قرآن نے قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کے بعد یہ کہدیا کہ بس جناب والا آپ

آپ کی ہمیں ضرورت نہیں نہ آپ کے سمجھانے کی ضرورت ہے، نہ آپ کے عمل
کر کے دکھانے کی ضرورت ہے۔ ہم خود ہی قرآن پڑھ لیں گے۔ سمجھ لیں گے
عمل کر لیں گے۔

بالکل اسی طرح اہلحدیث نے بھی صحابہ کرام سے احادیث حاصل
کرنے کے بعد صاف لفظوں میں کہدیا ہے کہ بس بڑے بھائی! رخصت!
اب آپ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں نہ آپ کے سمجھانے کی کوئی ضرورت ہے،
نہ آپ کے عمل کر کے دکھانے کی ضرورت ہے ہم خود ہی احادیث پڑھ لیں گے
خود ہی ان کے معنی سمجھ لیں گے۔ خود ہی ان پر عمل کر لیں گے۔

کوئی بتائے اہلِ قرآن اور اہلِ حدیث کے اس خصوصی طریقِ فکر میں اصولاً
کیا فرق ہے؟

خدا کے کلام کو سمجھنے کے لئے نبی کی احادیث ضروری ہیں تو احادیث
نبوی کو سمجھنے کے لئے اقوالِ صحابہ کیوں ضروری نہیں ہیں۔

ہاں فرق ہے تو یہ ہے کہ اہلِ قرآن نے اپنے نظریہ کے مطابق اللہ
اور اس کے رسول کو ایک دوسرے کا مدِمقابل اور اس کا حریف بنا کر
پیش کیا ہے اور مسلمانوں سے استصواب رائے کیا کہ خدا کی بات مانی
جائے گی یا اس کے رسول کی بات مانی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مقابلہ میں
زیادہ ووٹ خدا ہی کو ملیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اہلِ قرآن پیش کرتے ہیں
وہ بھی اہلِ قرآن کی اس مرحلہ میں ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ بالکل یہی انداز اہلحدیث
کا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام
کو ایک دوسرے کا مدِمقابل بتا کر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بات مانی جائے یا آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام کی۔ ظاہر ہے کہ اس مقابلہ میں دوٹ صحابہ اور خلفاء کو نہیں ملیں گے۔

در اصل یہ طریق فکر ہی باطل ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تقابلی تجزیہ کیا جائے کیونکہ ہم اللہ کے کلام کو اللہ کا کلام صرف اس لئے مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق امین اور نبی معصوم نہ مانا جائے تو پھر قرآن کو خدا کا کلام ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بالکل یہی صورت احادیث کی ہے۔ احادیث کی حجیت ہی اس اذعان پر مبنی ہے کہ راویان احادیث یعنی صحابہ کرام سب عدول ہیں، مزاج شناس رسول ہیں اور فہم دین میں وہ قرآن واحادیث کے مخاطبین اول ہیں۔ قرآن ان کے سامنے نازل ہوا ان کے کانوں نے آیات قرآنی کے مطالب صاحب قرآن سے سنے ان کی آنکھوں نے قرآن پر صاحب قرآن کو عمل کرتے دیکھا اور خود ان کے اعضاء وجوارح پر قرآن اور احادیث کے اثرات ظاہری وباطنی مترتب ہوئے ——— بارگاہ رسالت سے انکو نجوم ہدایت کا خطاب ملا۔ ان کی اقتداء میں ہدایت مضمر بتائی گئی۔

اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم

پھر کوئی مسلمان صحابہ کرام کی اقتداء سے کس طرح بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اور کس دل گردے سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کے احوال واقوال کا دین میں کوئی مقام نہیں، جس طرح صحابہ کرام کی طرف کذب اور خطا کی نسبت کے بعد احادیث کا خطا اور کذب سے پاک ہونا بعید از قیاس ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح صحابہ کے

اقوال و افعال جو احادیث نبوی کے آئینہ دار ہیں ان کو حجت نہ ماننے کے بعد حدیث کو دین میں حجت ماننا ایسا ہی ہے جیسے کوئی حدیث کو نہ ماننے کے بعد قرآن کے ماننے کا دعویٰ کرے۔

جو اہل حدیث مشہور ہیں ان کے نزدیک بیس تراویح کی نماز با جماعت اور ۲۰ رکعات کا تعین بدعت عمری ہے۔

نماز فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا جملہ جو شامل اذان کیا گیا، یہ بھی بدعت عمری ہے۔

نماز جمعہ میں خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے یہ بدعت عثمانی ہے

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع یہ بھی بدعت عثمانی ہے۔

جب خلفاء راشدین کے افعال بھی ان کی نظر میں بدعت ہوں تو پھر عام مسلمانوں کو وہ اہل بدعت سمجھتے ہیں کیا کمی رکھیں گے یا رسول اللہ کہنے والے ان کے نزدیک مشرک اور بدعتی ہیں۔ فاتحہ و درود کے قائل ان کے نزدیک بدعتی ہیں اور قبر پرست ہیں، اولیاء اللہ سے توسل کرنے والے ان کے نزدیک بدعتی اور مشرک ہیں۔

دوسرے لفظوں میں ان کے زعم میں مسلمان صرف وہ خود ہی ہیں باقی مسلمان بدعتی ہیں، مشرک ہیں مسلمان نہیں رہے۔ (پناہ بخدا)

اسی طرح اہل قرآن بھی سوائے اہل قرآن کے دوسرے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ موجودہ اسلام کو وہ قبل اسلام کا مذہب بتاتے ہیں۔ (پناہ بخدا)

پس جہاں اہل قرآن احادیث کے منکر ہیں وہاں اہل حدیث منکر حدیث تو نہیں ہیں۔ مگر حاملان حدیث، راویان حدیث یعنی صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین کے ان معنوں میں ضرور منکر ہیں کہ دین میں ان کے اقوال و افعال کی اہمیت نہیں مانتے۔ حالانکہ تمام احادیث من وجہ اقوال صحابہ ہیں اور یہ صحابہ کرام کا قول ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

یہ بھی انکار حدیث کی ایک صورت ہے۔

امر اوّل دین میں حدیث کو حجت تسلیم نہ کرنا۔ اصل قرآن کو حجت تسلیم نہ کرنا ہے۔ کلام الٰہی سے کلام نبوی کو ممتاز کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ مگر یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انکار حدیث کرنے والوں کو سخت سست برا بھلا کہنے سے ہمارا فریضہ دین پورا نہیں ہو جاتا۔ ہمیں اولاً انکار حدیث کے اسباب و عوامل کا پتہ لگانا چاہیئے ثانیاً ان اسباب و عوامل کو دین کی راہ سے دور کرنا چاہیئے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انکار حدیث پر منتج ہوتے ہوں یا ان کی طرف منجر ہوں۔

ثانیاً انکار حدیث کی وہ تمام صورتیں جو ہم نے بیان کی ہیں، اگرچہ لفظاً صورۃً انکار حدیث کی تعریف میں نہ آتی ہوں۔ مگر حقیقتاً معناً ان سب صورتوں کے نتائج انکار حدیث کے ہم معنیٰ ہیں۔ اس لئے ہم سب پر ان کا تدارک لازم ہے۔ لفظاً اقرار حدیث اور معناً انکار حدیث

یا عقیدۃً اقرارِ حدیث اور عملاً انکارِ حدیث درحقیقت انکار حدیث ہے۔ فرقہ وارانہ عصبیت اور تنگ نظری سے دور ہو کر اس کام کے لئے علماء اہل سنت والجماعت کو متحد اور منظم ہو کر لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔ اگر اس میں تغافل سے کام لیا گیا تو انکارِ حدیث جیسے نہ معلوم اور کتنے فتنے رونما ہوں گے۔ جن کا انسداد کفر کے فتوے سے ناممکن ہے۔



شراب اور منکرین حدیث

انکارِ حدیث کے بعد قرآن کی تفسیر لغت کے لحاظ سے بالکل آپ ایسی لکھ سکتے ہیں کہ وہ تفسیر ہاتھوں ہاتھ لی جائے، مقبول بازار ہو تمام شراب کی دوکانوں میں، صاحب بہادروں کے دفتروں میں بالو لوگوں کے گھروں میں، عاشق مزاجوں میں اور حسن فروشی کی دوکانوں میں اس تفسیر کی قدر و منزلت ہو گی۔ آپ روشن خیال، ترقی پسند اور صاحب اجتہاد کہلائیں گے "ملا" نہیں، عالم دین قرار دیئے جائیں گے آپ کی مقبولیت، شہرت، ہر دلعزیزی پر صرف چند لوگ ہی نکتہ چینی کرینگے ان کو آپ فرسودہ خیال، اندھے مقلد، روایت پرست، تاریک خیال ملا، کہیں گے اور ہر طرف سے آمین، آمین کی آواز آئے گی۔ یہ آمین بالجہر کہنے والے غیر مقلد، اہلِ حدیث نہیں، بلکہ منکرین حدیث غیر مقلد ہونگے مثال کے طور پر یہ آیت لیجیے۔

یا ایھا الذین امنو لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ط

ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو جو کہتے ہو۔

تحقیق لفظی ۔ سکاریٰ جمع ہے سکران کی مست، متوالا اس کے

معنیٰ ہیں یہ لفظ سُکر سے ماخوذ ہے سُکر کے معنی نشہ کے ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ غضب اور عشق کی وجہ سے بھی نشہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ لسانِ العرب میں ہے کہ نشہ کی تین قسمیں ہیں (۱) جوانی کا نشہ (۲) مال کا نشہ (۳) حکومت کا نشہ۔ لسان العرب میں آیت زیر بحث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں نیند کا نشہ مراد ہے۔ لغت عرب میں سکرۃ الھم والسوم بولا جاتا ہے۔ یعنی غم اور نیند کی حالت میں از خود رفتگی ضحاک نے سُکاریٰ سے نیند کا متوالا مراد لیا ہے۔

تفسیر نشہ کی حالت میں نماز ممنوع ہے۔ نشہ کی اقسام لسان العرب سے ہم بتا چکے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جوانی دیوانی کے نشہ میں سرشار ہیں (۲) وہ لوگ جو مال و دولت کے نشہ میں مست ہیں (۳) وہ لوگ جو امارت، وزارت، ریاست، حکومت اور سلطنت کے نشہ میں متوالے ہیں۔ ان کے لئے نماز کے قریب جانا بھی ممنوع ہے۔ غم و غصہ کی کیفیت بھی نشہ کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ اس لئے جو لوگ غم و غصہ کے نشہ میں ہوں ان کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ وہ نماز کے پاس بھی نہ پھٹکیں عشق بھی ایک تیز و تند نشہ ہے خواہ مجازی ہو یا حقیقی ہو بہر حال ایک مستقل کیف و سرشاری کا نام ہے اس لئے عاشقوں پر بھی نماز حرام ہے۔

پرانی لکیر کے فقیر، روایات پرست، تاریک خیال قدامت پسند ملاؤں نے اس آیت کی تفسیر میں نشہ سے صرف خمر مراد لیا ہے اور خمر کو وہ حرام کہتے ہیں (انتم سُکاریٰ والی آیت کو انما الخمر والمیسر والی آیت سے منسوخ قرار دیتے ہیں یہ بھولے بھالے سادہ لوح لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس آیت میں خمر و میسر کو رجس من عمل الشیطان

کہا گیا ہے۔ خمر کو حرام نہیں کہا گیا۔ وہ قرآن کو منسوخ کر کے روایتوں سے شراب کی حرمت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان روایتوں کا زیادہ سے زیادہ درجہ جو اُن کے نزدیک ہے وہ ظنی ہے اور خود ان کے نزدیک ظنیات وروایات کا منکر کافر نہیں اور قرآن کی ایک آیت کا منکر بھی کافر ہو جاتا ہے پھر جبکہ قرآن میں حرمت مذکور ہونے پر ایمان نہ لانے والا کافر نہیں ہوا تو کیا ہوا؟ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں آیت تو بڑی چیز ہے، قرآن کا ایک حرف ایک زیر زبر بھی منسوخ نہیں ہو سکتا وہ خدا جو قیامت تک کے لئے ایک آخری قانون دنیا کو دے رہا ہے، اس قانون کی دفعات اگر نازل ہونے کے چند روز بعد ہی منسوخ ہو گئی ہوں تو ساڑھے تیرہ سو برس میں تو اس رفتار سے سارا قرآن ہی منسوخ سمجھنا چاہیئے (استغفر اللہ)

الغرض یہ آیت نشہ کی حالت میں نماز سے باز رہنے کا حکم رکھتی ہے جب نازل ہوئی تھی اس وقت بھی یہی حکم تھا آج بھی یہی حکم ہے۔ منسوخ ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ آج نشہ کی حالت میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ آج بھی یہ ممانعت بدستور موجود ہے تو پھر منسوخ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ شراب کا حرام ہونا، اس آیت میں خارج از بحث ہے۔ یہ بحث ہی جداگانہ ہے یہاں تو صاف الفاظ میں یہ ہے کہ "نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ"۔

ایک نکتہ اسلام روشن خیالی اور بیداری شعور کا پیغام دیتا ہے۔ وہ اندھے کی لاٹھی نہیں، بلکہ عصائے موسوی ہے۔ اگر بغیر سمجھے سمجھے محض زبان سے کچھ کلمات پڑھ لینے کا نام اسلام ہوتا تو مرکز سے یہ حکم صادر نہ ہوتا۔ حتیٰ تعلموا ما تقولون (یہاں تک کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ

جان لو) نشہ کی حالت میں آدمی نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اسلئے نماز سے اس کو روکا گیا ہے۔ پھر کتنی بڑی حماقت ہے کہ مسلمان عربی میں نماز پڑھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اردو، بنگلہ، سندھی، پشتو، پنجابی میں ان کو نماز پڑھنا چاہئیے۔ تاکہ حتیٰ تعلموا ما تقولون کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو۔ لاحول ولاقوۃ

خمر خمر، خمار کی جمع ہے اور خمار وہ ہے جس کے ساتھ عورت اپنے سر کو ڈھانکتی ہے (امام راغب) یعنی اوڑھنی کیونکہ خمر کے معنی ڈھانکنا ہیں قرآن میں ہے۔ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن (النور) یعنی اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ جیوب جمع ہے جیب کی۔ جیب کے معنی قمیص کا گریبان اور جیب کے معنی قلب اور سینہ بھی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنے دلوں پر شرم و حیا کی چادر ڈال لیا کریں۔ اگر دل میں شرم و حیا نہیں تو اوڑھنیوں سے سینوں کو چھپانا محض بیکار ہے۔

الخمر:۔ خمر کے اصل معنی کسی چیز کا ڈھانک دینا ہے اور خمر شراب کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈالدیتی ہے۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ بعض کے نزدیک ہر نشہ دینے والی چیز کا نام خمر ہے اور بعض کے نزدیک صرف انگور اور کھجور کی شراب کا نام "خمر" ہے۔ خود نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "خمر" ان دو درختوں سے ہے یعنی کھجور اور انگور سے (الخمر من ھاتین الشجرتین) لغت تاج العروس میں ہے اَلْخَمْرُ مَا اَسْکَرَ یعنی خمر وہ ہے جس سے نشہ حاصل ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ "خمر" صرف انگور سے ہے جمہور کا قول ہے کہ جس سے نشہ ہو وہ خمر ہے کہا جاتا ہے کہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی۔ حالانکہ وہاں انگور کی شراب

قطعاً نہیں ہوتی تھی۔ صرف بسر اور تمر کی ہوتی تھی۔ یعنی تازہ اور خشک کھجوروں کی شراب ہوتی تھی اور اسی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بخاری نے نقل کیا ہے۔ پس خمر کے معنی نشہ دینے والی چیز کے ہیں۔ شراب کے بارہ میں قرآن کا لب ولہجہ بتدریج بدلتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں سمجھایا گیا ہے کہ اس میں فائدے تو لوگوں کے لئے ضروری ہیں۔ مگر فائدوں سے بڑھ کر اس میں برائی ہے (البقرہ) کہیں یہ حکم دینے پر اکتفا کیا گیا کہ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ (النساء) آخر میں اس کو رجس (ناپاک) اور شیطانی کام کہا ہے۔ اس سے پرہیز اور اجتناب کا مشورہ دیا فَاجْتَنِبُوْہُ پھر بھی صاف لفظوں میں حُرِّمَ علیکم الخمر نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ حرمت صاف صریح اور غیر مبہم الفاظ میں ادا ہونی چاہئے تھی۔

خمر سے پرہیز کرنے کے حکم کی علت دراصل نشہ ہی ہے۔ کیونکہ نشہ میں انسانی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں اس لئے وہ تمام کیفیتیں جو انسانی عقل پر حجاب ڈالیں۔ اسلام ان کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

صلوٰۃ انکارِ حدیث کر دینے کے بعد کیا ضروری ہے کہ صلوٰۃ کے معنی وہی لئے جائیں جو بقول منکرین حدیث فرسودہ خیال مفسرین لیتے رہے ہیں خود قرآن میں صلوٰۃ مسجد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ (الحج) اَقِيْمُوا الصَّلوٰةَ کے معنی مسجدیں قائم کرنے کے کیوں نہ لئے جائیں صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعوت کے ہیں۔ دعا کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں، درود شریف کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں جو معنی چاہے مراد لیجئے۔ لغت اپکی تائید کرنے کو موجود ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ منکر حدیث ہوں احادیث کو ماننے کے لئے قرآن کی ترقی پسندانہ تفسیر ممکن نہیں موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر ممکن نہیں ہے۔

نیاز، فاتحہ، سویم، چہلم، عرس

نیاز فاتحہ کے لئے اب تک اہل سنت وجماعت اور وہابی دیوبندی گروہوں میں جو نظریات باعث نزاع بنے ہوئے تھے حسن اتفاق سے وہ تمام جھگڑے ٹنٹے اب نمٹ گئے ہیں اور ایسے تمام طبقات جو آجتک نیاز، فاتحہ ایصال ثواب کے مروجہ طریقے، فاتحہ، سویم وغیرہ کو ناجائز شرک، بدعت اور کفر تک سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ اُن گروہوں ٹولیوں کے مسلمہ امام نے عملی طور پر نیاز، فاتحہ، سویم اور اسی قسم کے دیگر "بدعات" کو جائز قرار دیدیا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی پاکستان میں صف اول کے دیوبندی عالم بزرگوں میں سے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ایسے تمام حضرات جو علمائے اسلام کی پیروی کو اتباع رسول گردانتے ہیں۔ اور ان کے اعمال کو اعمال قرآنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مولانائے موصوف کی "سنت" کو اپنا کر نیاز فاتحہ کے روایتی نزاع کو اب ختم سمجھیں گے۔

حضرت مولانا نے کراچی میں اسمٰعیلی فرقہ کے امام ہز ہولی نیس آغا کی غائبانہ نماز جنازہ ۱۹۵۷ء میں بمقام کراچی پڑھائی اور پھر یہی نہیں بلکہ ان کی فاتحہ سویم کی بھی بہ نفس نفیس تکمیل فرمائی۔ ویسے یہ بات آج نئی نہیں ہوئی ہے۔ ہر سال قائد اعظم محمد علی جناح کی سالانہ برسی پر

حضرتؒ مولانا بھی خاتون پاکستان مس فاطمہ جناح کے گھر پر قائد اعظم مرحوم کی فاتحہ اور نیاز میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ لیکن یہ بات صرف اہل کراچی کے حاضرین کے ہی علم میں تھیں۔ ہم نے اس سلسلے میں آج علی الخصوص عامۃ المسلمین کو نیاز و فاتحہ کے انکار کی گمراہی سے بچانے کے لئے اس لئے لکھا ہے کہ کراچی کے موقر ترین انگریزی روزنامہ ڈان نے تصاویر و اطلاعات کی اشاعت سے یہ بھانڈا ابھی پھوڑ دیا ہے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی بھی آغا خاں مرحوم کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے اور مراسم فاتحہ سویم ادا فرما کر داخل حسنات ہوئے چلئے۔ یہ صفت کا جھگڑا تو ختم ہوا مسلمانوں کو اب "جو نیتؒ امام کی وہی نیت ہماری" کا مقولہ ملحوظ رکھ کر اس پردۂ جہل کو چاک کر دینا چاہیئے جو آج تک نہ معلوم کن منکرینِ فاتحہ واعراس کی تبلیغ و تعلیم کی وجہ سے عام ہو گیا تھا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا قائد اعظم مرحوم کے عرس میں بڑے تواتر او رخشوع اور خضوع سے حاضری دینا، آغا خاں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھا کر ان کی روح کو خوش کرنا۔ سویم پڑھانا ثابت ہو چکا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس سلسلے میں اختلافِ باطلہ کو ختم کر دینے کا اعلان بھی عنقریب حضرت کی طرف سے "ڈان" وغیرہ میں شائع ہو جائے گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہِ

"حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع مدظلہ اور دوسرے تمام علماء نے اپنے اجماعِ سکوتی سے حضرتِ موصوف کے طرزِ عمل کی تائید فرما دی ہے۔ اب اس مسئلہ کے متفق علیہ ہونے میں کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔

ایک اہم سوال علمائے احناف کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ علمائے دیوبند خود کو فقہِ حنفی کا متبع ظاہر کرتے ہیں لیکن عقیدہ اور عمل کا تضاد اس واقعہ سے

اچھی طرح نمایاں ہوجاتا ہے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے آغاخاں کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کے سویم کے فاتحہ کے مراسم بنفسِ نفیس انجام دیئے جو دیوبندی مسلک کے علماء کے نزدیک کم از کم داخلِ بدعت ہیں۔

جہاں تک غائبانہ نمازِ جنازہ کا تعلق ہے، علمائے احناف اس حدیث سے بے خبر نہیں ہیں کہ خود سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی شاہِ حبشہ کی نمازِ جنازہ بظاہر غائبانہ ادا فرمائی تھی۔ لیکن علمائے احناف اسکو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اس لئے کہ یہ نماز مسلمانوں کے لئے اگرچہ بظاہر غائبانہ تھی لیکن حقیقتاً نہ تھی۔ حضرت نجاشی کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے تھا اس لئے اس نماز کی حیثیت ایسی تھی کہ جنازہ امام کے سامنے حاضر ہو اور مقتدیوں سے مستور ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت کسی دوسرے انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ خود اس حدیث میں اس خصوصیت کا اشارہ موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے حضرتِ نجاشی کے انتقال کی خبر صحابہ کو دی تھی جبکہ ظاہری وسائلِ خبر میں سے کوئی وسیلہ موجود نہیں تھا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

مکتبہ تاج کی دیگر مطبوعات

حضرت بابا ذہین شاہ تاجی کی دیگر تصانیف زیرِ کتابت ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ **جمالِ آیات**:۔ (فارسی کا دیوان) آرٹ پیپر پر دو رنگ کی طباعت سے مزین ہوگا۔ جدید ٹائپ پرنٹنگ۔ کپڑے کی مضبوط جلد بندی قیمت:۔ دس روپے

۲۔ **آیاتِ جمال**:۔ (دیوان اردو غزلیات) آفسٹ کتابت و طباعت اور نہایت قیمتی آفسٹ پیپر، نہایت قیمتی جلد بندی کے ساتھ جلد ہی تیار ہو جائیگا۔ تقریباً ۵۰۰ صفحات۔ قیمت:۔ پندرہ روپے۔

۳۔ **لمعاتِ جمال**:۔ حمد و نعت اور مناقب کے ساتھ اسرارِ حروف پر ایک ایسا گلستانِ شاعری جس کی مثال اردو زبان میں نایاب ہے۔ آرٹ پیپر پر جدید ٹائپ پرنٹنگ اور کپڑے کی مضبوط جلد بندی کے ساتھ ۱۹۶۸ء کے ربع اول میں شائع ہو جائے گی۔ قیمت:۔ دس روپے

۴۔ **اجمالِ جمال**:۔ اپنی نوعیت اور آہنگ کی یگانۂ روزگار رباعیات کا مجموعہ دیدہ زیب طباعت و جلد بندی۔ دبیز کاغذ۔ ۱۹۶۸ء کے شروع میں پیشِ خدمت ہوگا۔ قیمت:۔ دو روپے۔

۵۔ **جمالستان**:۔ (اردو نظموں کا مجموعہ) جس کی کتابت و طباعت آفسٹ پر ہوگی قیمتی آفسٹ کاغذ استعمال کیا جائیگا کپڑے کی معیاری جلد بندی اور ولائتی گرد غلاف کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں منصۂ شہود پر آجائیگا۔ تقریباً ۳۵۰ صفحات قیمت صرف۔ دس روپے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ماہنامہ تاج۔ تاج منزل۔ بہار کالونی کراچی ۲